سلطان الہند
محمد شاہ بن تغلق

مصنفہ
پروفیسر آغا مہدی حسین ، ایم-اے ، پی ، ایچ-ڈی ، ڈی-لٹ
ہسٹری ڈیپارٹمنٹ ، اگرہ کالج ، آگرہ -

الہ آباد :
ہندستانی اکیڈیمی ، یو - پی
۱۹۳۷

سلطان الهند
محمد شاہ بن تغلق

سلطان الہند

محمد شاہ بن تغلق

مصنفہ

پروفیسر آغا مہدی حسین ، ایم-اے ، پی ، ایچ-ڈی ، ڈی-لٹ

ہسٹری ڈیپارٹمنٹ ، اگرہ کالج ، آگرہ -

الہ آباد :

ہندستانی اکیڈیمی ، یو - پی

۱۹۳۷

فہرست مضامین

دیباچہ

دسمبر سنہ ۱۹۲۹ع میں ہندوستانی اکیڈیمی کے قابل قدر اور نامور سکریٹری ڈاکٹر تارا چند صاحب کا ایک خط مجھے ملا جس سے معلوم ہوا کہ ہندوستانی اکیڈیمی کی ایکزیکیوٹو کونسل (Executive Council) نے سلطان محمد کی تاریخ اردو میں لکھنے کے لئے مجھ جیسے گمنام کو منتخب کیا ہے - میں نے شکریہ کے ساتھ اس خط کی رسید لکھ دی - پھر باہمی خط کتابت شروع ہوئی جس کا سلسلہ تقریباً دو مہینے رہا - فروری سنہ ۱۹۳۰ع میں مہلے کتاب لکھنے کا اقرار کر لیا - ایک سال کی مدت مجھے اس کام کے لئے دی گئی مگر جس وقت میں نے اس مضمون پر غور کرنا شروع کیا تو میرے دل میں الجھن سی پیدا ہوی - اسی اثنا میں ڈاکٹر صاحب موصوف سے ملاقات ہوی تو میں نے دریافت کیا کہ یہ کتاب کتنی گہری ہونی چاہئے ؟ جواب دیا "جو معلومات اس وقت سلطان محمد کی بابت ہو چکی ہیں ، وہ سب اس میں آجایں" - لیکن میرا دل نہ مانا - مجھے یہ خواہش ہوی کہ جو کچھ میری قلم سے نکلے نئے انکشافات کا مخزن ہو - یہ کام آسان نہ تھا - خاص کر عدیم الفرصتی میں ، کالج کی پابندی میں ، فرض منصبی کی ادائیگی میں ، صرف بڑی چھٹیوں کا زمانہ ملا جس میں معلومات کی غرض سے میں نے سفر کیا - اور سنہ ۱۹۳۰ع کی گرمیاں میں نے سفر ہی میں گزاریں - دہلی - علیگڑھ اور الہ‌آباد کے کتب خانوں سے مجھے مدد ملی - تاریخ مبارک شاہی کا قلمی نسخہ ملا - مسالک الابصار کی عکسی تصویر ملی اور بھی کئی چیزیں دستیاب ہوئیں - جن میں سے ضیاالدین برنی کی تاریخ برامکہ ، رائے بہادر گوری شنکر اوجھا کا راجپوتانے کا انہاس राजपूताने का इतहास سیاست نامے کا فرانسیسی ترجمہ اور قصاید بدرچاچی کی شرح قابل ذکر ہیں -

پریہانواں ضلع پرتاب گڑھ کے رئیس اور محقق خان بہادر جناب علامہ نواب احمد حسین صاحب مذاق او - بی - ای کے کتب خانے سے طلسم ہند - سیرالاولیا اور سفر نامہ ابن بطوطہ مترجمہ مولوی محمد حسین کے نسخے ملے -

رحلۂ ابن بطوطہ عربی مطبوعۂ مصر میں نے بمبئی سے منگایا - سکّوں کو میں نے دہلی کے عجائب خانے میں دیکھا اور ایڈورڈ ٹامس کی کتاب Chronicles of Pathan King کا بھی مطالعہ کیا -

میں نے اگست ۱۹۳۰ع میں یہ کتاب لکھنی شروع کی تھی - لیکن کالج کی مصروفیتوں کے سبب کئی کئی ہفتے ایسے گزر جاتے کہ قلم اٹھانا تو کیسا ؟ میں اس کا خیال بھی دل میں نہ لا سکتا تھا - مگر جب کبھی وقت ملتا میں لکھنے ہی میں صرف کرتا - یوں ہی ایک سال سے زیادہ گزر گیا اور کتاب ختم نہ ہوئی - جوں جوں وقت زیادہ ہوتا جاتا مجھے میعاد کے گزر جانے کا خوف بڑھتا جاتا - اور ساتھ ہی ضخامت کا اندیشہ ہوتا - لیکن میں نے جو کچھ لکھا ہے مختصر لکھا ہے - اور سلطان محمد کی زندگی کے حالات ہی نہیں لکھے بلکہ اس کے عہد کی تاریخ لکھی ہے ' اس کا نظام سلطنت لکھا ہے ' اس کے زمانے کی یادگاروں اور عمارتوں کا حال لکھا ہے ' اس کے دور کی تہذیب و معاشرت لکھی ہے -

زبان کو میں نے حتی‌الامکان بامحاورہ اور عام فہم بنانے کی کوشش کی ہے - مشکل اور غیر معروف عربی اور فارسی الفاظ کی بجائے روزمرہ کی بول چال کے آسان الفاظ سے کام لیا ہے -

ناظرین سے میری استدعا ہے کہ اگر مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہو تو در گذر فرمائیں اور مجھے اپنی بیش بہا معلومات اور زرّیں رایوں سے محروم نہ رکھیں - خدا کرے میری یہ خدمت قبول ہو ! -

تاریخ کا فدای
مہدی حسین
آگرہ کالج ' آگرہ - ۹ مارچ سنہ ۱۹۳۲ع

یہ کتاب ۱۴ مارچ سنہ ۱۹۳۲ع کو ہندوستانی اکیڈیمی کے دفتر میں پہونچی - وہاں مہینہ بھر تک اس کی جانچ کی گئی - ۱۳ اپریل سنہ ۱۹۳۲ع کو ڈاکٹر صاحب موصوف نے مجھے اطلاع دی کہ مضامین نئے ہیں اور بڑی محنت سے لکھے گئے ہیں ' مگر طولانی ہیں - اور اس بنا پر کہ مختصر کر دیا جائے کتاب واپس کر دی - کتاب جب تک قریب قریب دوبارہ نہ لکھی

جائے مختصر نہ ہو سکتی تھی ورنہ مضمون بالکل خبط ہو جاتا - مجبوراً میں نے پھر لکھا - جس سے کتاب کی صورت بدل گئی - پہلے اُس میں چودہ باب تھے - اب بجائے چودہ کے آٹھ رہ گئے - لیکن دلچسپ اتنی ہی ہے -

خدا کرے پسند خاطر ہو

مہدی حسین

۲۳ نومبر سنہ ۱۹۳۲ع -

پہلا باب

پہلا باب

ماخذ

اس کتاب میں سلطان محمد بن تغلق کے حالات ہمعصر مورخوں ہمعصر سیّاحوں ' ہمعصر شاعروں ' ہمعصر مؤلفوں ' بعد کے مورخوں اور سکّوں سے حاصل کئے گئے ہیں -

ہمعصر مورخ | ضیاالدین برنی ہمعصر مورخ تھا - اس کے آبا و اجداد خلجی بادشاہوں کے دربار میں معزز عہدوں پر سرفراز تھے - اس کے باپ کو مویدّالملک کا خطاب حاصل تھا اور اس کے چچا کو علاءالملک کا - ضیاالدین برنی عہد بلبنی کے آخر میں پیدا ہوا تھا اور سلطان محمد بن تغلق کے بعد تک زندہ رہا - سترہ سال اور تین مہینے تک وہ سلطان محمد کے دربار میں حاضر رہا -

ضیاالدین برنی کے اور سلطان محمد کے خیالات اور اعتقادات میں زمین و آسمان کا فرق تھا - ضیاالدین برنی تنگ نظر تھا ' تنگ دل تھا - سلطان محمد فراغ دل ' عالی حوصلہ ' بردبار اور سیر چشم تھا - ضیاالدین برنی کے نزدیک سیدوں ' صوفیوں ' عالموں اور حسب نسب والوں کا بڑا مرتبہ تھا - خواہ ان کے اعمال کیسے ہی ہوں - اس کے خیال میں ان کی نسلی شرافت اور خاندانی نجابت ان کے وقار و عزت کا کافی سبب تھی - اس کے نزدیک ہندوؤں میں بھی اگر عزت کے قابل تھے تو اونچی ذاتوں والے ' بلند رتبوں والے اور بڑے خاندانوں والے - نیچ ذات والوں کی اس کے نزدیک نہ کوئی حیثیت تھی نہ کوئی درجہ ' لیکن سلطان محمد کی نظر نہ ذات پر تھی نہ خاندان و نسل پر - وہ مردم شناس تھا - آدمی کو پرکھتا تھا اور جوہر دیکھ کر اس کی قدر کرتا تھا - اس کے نزدیک مذہب و ملّت کی کوئی قید

نہ تھی - اسنے رتن (रतन) نامی [۱] ہندو کو سہوان کا اور کرشنا اندری [۲] (कृषना इन्द्री) کو اودھ کا حاکم بنا دیا تھا اور دھارا دھر [۳] (धारा धर) نامی ہندو کو دیو گڑھ کا نائب وزیر مقرر کردیا تھا - اُس کے نزدیک سیاسیات میں سب برابر تھے - اور ملکی معاملات میں ذات کی ' خاندان کی ' نسل اور مذھب کی کوئی قید نہ تھی - اس نے باغبانوں ' مالیوں ' حجاموں اور کلالوں تک کے حسب نسب کا کچھ خیال نہ کیا - اگر اُن میں قابلیت دیکھی اور کوئی جوھر پایا تو بڑے بڑے عہدے عطا کر دئے - ضیاالدین برنی کو اسی بات کا رونا ھے کہ سلطان محمد نے کمینے اور بد اصل گویّے کے بچے نجبا کو ملک اور خان کے مرتبے عطا کر دئے - پھر اُسے اس قدر بڑھایا کہ گجرات ' ملتان اور بداؤں کا حاکم بنا دیا - عزیز [۴] گدھے کو اور اس کے بھائی کو اور فیروز نائی کو اور ملکا باورچی کو اور لدھّا مالی کو اور مسعود کلال کو اور جولاھے کے بچّے شیخ بابو کو اور پیرا مالی کو بڑے بڑے عہدے عطا کئے - تاریخ فیروز شاھی میں لکھا ھے کہ شریفوں کے ہوتے ھوے سلطان نے رذیلوں کو بڑھانا شروع کر دیا - ضیاالدین برنی کو اس بات کا قلق ھے کہ بادشاہ کی جو نوازشیں مجھ پر اور مجھ جیسے اور شریفوں اور شریف زادوں پر ھونی چاھئیے تھیں وہ بد اصلوں پر ھوئیں - مجھے تو بادشاہ نے نہ برن کی جاگیر دی ' نہ کوئی خطاب عطا کیا ؛ نہ کوئی خاص اعزاز بخشا - میرا باپ تو عہد جلالی اور عہد علائی میں مویدّالملک تھا ' برن کا جاگیردار تھا ' میرا چچا علاءالملک تھا اور سلطان علاءالدین خلجی کا مقرب خاص اور مصاحب خاص تھا - سلطان

[۱]---سفر نامہ ابن بطوطہ -
[۲]---تاریخ فیروز شاھی ' صفحہ ۵۰۵ -
[۳]---تاریخ فیروز شاھی ' صفحہ ۵۰۱ -
[۴]---ضیاالدین برنی نے عزیز حمار لکھا ھے اور نہیں عزیز خمار - حمار کے معنی گدھے کے ھیں اور خمار کلال کو کہتے ھیں -

نوٹ---یہ ملحوظ خاطر رھے کہ مالي ' باغبان ' حجام اور کلال وغیرہ سے صرف یہ مراد ھے کہ ان لوگوں کے خاندان میں پہلے جب کہ یہ سب ھندو تھے یہ پیشے ھوتے تھے - جب یہ مسلمان ھوگئے اور انھوں نے اپنی قابلیت دکھائی تو بجاے اس کے کہ ان کی ترقی ھوتی ابھی تک وہ پہلے کی سی گمنامي اور ذلت میں پھنس رھے تھے - سلطان محمد نے انھیں گم‌نامی اور ذلّت کے گڑھے سے نکالا اور بلندي پر پہونچایا تو ضیاالدین برنی کو بہت ناگوار گزرا -

علاءالدین اسے بہت عزیز رکھتا تھا - جب تک کڑے میں رہا اُس نے علاءالملک کو اپنے ساتھ وہیں رکھا اور جب کڑے سے ایلچپور اور دیو گڑھ گیا تو اس کو کڑے میں اپنا نائب بنا کر چھوڑ گیا - جب تخت پر بیٹھا تو علاءالملک کا خطاب دیا اور دھلی کا کوتوال بنا دیا - علاءالملک کسی قابل نہ رہا تھا ' موٹا بہت ہو گیا تھا - اس پر بھی بادشاہ اس پر بہت مہربان رہتا ' اس سے مشورہ لیتا ' اس کی سنتا ' اور مانتا ' اور اس کی نمک حلالی اور وفاداری کی تعریف کرتا - سلطان محمد بن تغلق کا دور آیا - تو نہ مویدّالملک تھا نہ علاءالملک بلکہ ضیاالدین برنی - ضیاالدین برنی ان دونوں سے زیادہ قابل تھا ' اس کو علم تاریخ میں خاص ملکہ تھا ' بڑی قابلیت تھی اور بہت مناسبت تھی - اس کو سلطان محمد سے امیدیں بھی تھیں - لیکن اسے نہ جاگیر ملی نہ خطاب ' نہ کوئی خاص اعزاز نہ اکرام [۱] - وہ سترہ برس تک سلطان محمد کے قدموں میں پڑا رہا اور اس کی خوشامد کرتا رہا - مگر سلطان پر ضیاالدین برنی کا رنگ نہ چڑھنا تھا نہ چڑھا -

---

[۱]—تاریخ فیروز شاہی میں ایک جگہہ ضیاالدین برنی نے لکھا ھے کہ مجھے سلطان محمد شاہ بن تغلق کے زمانے میں بڑی بڑی نعمتیں ملیں ۔

اصلي عبارت یہ ھے " من کہ مؤلف تاریخ فیروز شاھیم ھفدہ سال و سہ ماہ ملازم درگاہ سلطان محمد بودم و از انعامات وافرہ و صدقات متواترۂ اوزرھا یافتہ - "

اس سے لوگوں کو مغالطہ ھوا - مگر ضیاالدین برنی کا بیان حرف بحرف صحیح ھے اس لئے کہ سلطان محمد جب تک زندہ رہا ضیاالدین برنی بے فکری اور آرام سے زندگی بسر کرتا رھا - گھر بیٹھے پنشن ملتی تھی - نہ کچھہ کھٹکا تھا نہ دگدا - سلطان محمد شاہ مرگیا اور فیروز شاہ کے دن آئے تو پنشن بند ھو گئی - ضیاالدین نے کچھہ جمع کیا نہ تھا ' جو تھوڑا بہت اثاثہ تھا وہ بھی چند روز میں خرچ کر بیٹھا - اب چاروں طرف سے افلاس نے آ گھیرا - اگرچہ اُس ضعیفی میں بیچارے نے چاروں طرف ھاتھہ پانوں بھی مارے اور ایک ایک دروازے پر جا جا کر کھٹکھٹایا مگر کسی ایک نے نہ سنی - نتیجہ یہ ھوا کہ مرتے وقت سوائے اس بوریئے کے جس پر بیٹھہ کر نماز پڑھتا تھا کچھہ پاس نہ تھا - اسی میں لپیٹ کر دفن کر دیا گیا - ایسی مفلسی اور بیکسی کی حالت میں ضیاالدین برنی حسرت سے سلطان محمد بن تغلق کا زمانہ یاد کرتا تھا - اور اُس آسودگی کا تصور کرکے زار زار روتا تھا - اگر اُس وقت اُس نے سلطان محمد کے بارے میں اوپر درج کی ھوئی عبارت لکھدی تو کیا تعجب ! اس کا یہ مطلب نہیں ھوسکتا کہ ضیاالدین برنی کو سلطان محمد کے عہد میں اتنا کچھہ ملا جتنا کہ عہد جلالی اور عہد علائی میں مویدّالملک اور علاءالملک کو ملا تھا -

سلطان محمد کا دور ختم ہوگیا اور سلطان فیروز شاہ کا زمانہ شروع ہوا تو رنگ ہی بدل گیا - سلطان محمد نے بیس پچیس سال ظاہر پرستوں اور ریاکاروں کے مٹانے اور عاملوں وغیرہ کی اصلاح کرنے میں گزارے تھے - مگر شروع ہی سے اس کی سخت سخت مخالفتیں ہونے لگیں تھیں اور آخر میں پندرہ بیس سال تک بغاوتیں ہی بغاوتیں رهیں - سلطان محمد سے کچھ نہ بنا - سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا - بادشاہ مایوس ہوگیا اور مایوسی کی حالت میں مرگیا - دشمنوں کی بن آئی - ان کے نزدیک ضیاالدین برنی سلطان محمد کے رنگ ڈھنگ کا اور اسی کے میل کا تھا - وہ اس کا درباری تھا اور اسی کی سی کہا کرتا تھا - دشمنوں نے ضیاالدین کے خلاف سلطان فیروز شاہ سے جاجا کر ایک کی دس دس لگائیں - اور سلطان فیروز کو ایسا برگشتہ کیا کہ ضیاالدین برنی نے ہزار ناک رگڑی اور خوشامد کی لیکن سلطان اس کي طرف مخاطب بھی نہ ہوا - اسی امید میں کہ سلطان فیروز تک میری رسای ہو جائے اور میرے دشمنوں کی قلعی کھل جائے - ضیاالدین برنی نے سلطان غیاث‌الدین بلبن سے لے کر سلطان فیروز شاہ تک کی تاریخ لکھ ڈالی جسکا نام سلطان فیروز شاہ کے نام پر تاریخ فیروز شاہی رکھا - یہی وہ کتاب ہے جس میں سلطان محمد کے حالات ملتے ہیں ۔

ضیاالدین برني کو پہلے ہی سے تاریخ کا بہت علم تھا - اور تاریخ نویسی کا شوق بھی تھا - سلطان محمد کی نظروں میں جو کچھ ضیائے برنی کی قدر تھي اسی وجہ سے تھی - ضیاالدین نے لکھا ہے کہ "علم تاریخ کے مطالعے سے مجھے بہت فائدے حاصل ہوئے - مجھے یہ امنگ ہوئی کہ میں ایک تاریخ لکھوں جسے حضرت آدم کے اور ان کے بیٹوں کے حالات سے شروع کروں - لیکن طبقات ناصری یاد آگئی - اور میں‌نے یہ خیال کیا کہ جہاں سے طبقات ناصری کے قابل مصنف مولانا منہاج‌السراج نے چھوڑا ہے وہیں سے میں لکھنا شروع کردوں - یہ سوچ کر میں نے تاریخ فیروز شاہی کي طرح ڈالی - اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا کہ جو واقعات طبقات ناصری میں درج ہوچکے ہیں ان کا ذکر میں اپنی تاریخ میں نہ کروں" -

طبقات ناصري سلطان ناصرالدین محمود کے بعد ختم ہو جاتی ہے - اس میں بلبن کا حال بھی موجود ہے مگر ناکافی اور نا تمام ہے - اس بنا پر

ضیاالدین برنی نے اپنی تاریخ کی ابتدا سلطان غیاث‌الدین بلبن سے کی اور سلطان فیروز شاہ کے چھٹے سن جلوس تک کے حالات درج کردیئے - اس کے بعد کچھ خبر نہیں کہ ضیاالدین برنی کو کیا ہوگیا - تاریخ فیروز شاہی ناتمام رہ گئی - شاید اُس قابل قدر اور بوڑھے مورخ کو موت آگئی -

نظام‌الدین بخشی ' ملا عبدالقادر بدایونی ' محمد قاسم فرشتہ اور سبحان رائے بٹالوی کا نیز موجودہ زمانے کے مورخوں کا یہ خیال ہے کہ ضیاالدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی میں اکثر حالات سلطان فیروز کو خوش کرنے کی غرض سے لکھے گئے ہیں - اس میں شک نہیں کہ ضیاالدین برنی دو بڑی مصیبتوں میں مبتلا تھا .. ادھر مفلسی اُدھر ضعیفی - اس پر طُرّہ یہ کہ دشمنوں کا زور اور حاسدوں کا غلبہ - نہ کوئی یار نہ مدد گار نہ غمگسار - تاریخ فیروز شاہی میں اس نے بار بار اپنی بیکسی اور کس مپرسی پر نوحہ کیا ہے اور اپنی تکلیفوں اور پریشانیوں سے کُھٹ کُھٹ کر رویا ہے - مگر باوجود اس کے ضیاالدین برنی نے نہ تاریخ نویسی کے اصول کو چھوڑا اور نہ حق و صداقت سے کہیں منہ موڑا - وہ مورخ تھا اور اس کی ایمانداری کا یہی ثبوت کافی ہے کہ اس نے اپنی کمزوریوں کے ساتھ ساتھ تمام بادشاہوں کے عیبوں کو کھول کھول کر بیان کیا ہے - وہ جانتا تھا کہ سلطان فیروز شاہ تغلق ' سلطان محمد بن تغلق کا بڑا مداح ہے - وہ اس کا احسانمند بھی ہے اور شکر گزار بھی ہے - تاہم اس نے سلطان محمد کی زیادتیوں ' بے رحمیوں اور خونریزیوں کا نہایت بیباکی سے ذکر کیا ہے - اور جہاں ضرورت ہوئی ہے اُس نے اپنی غلطیوں کا بھی اعتراف کیا ہے اور بارہا اپنے آپ کو یوں ملامت کی ہے - " میں جھوٹ بولنے کا خطاوار ہوں - میں نے سلطان محمد کے غصّے کو فرو کرنے کی غرض سے غلط بیانیاں کی ہیں - اب اسی کی سزا بھگت رہاہوں - ذّلت اور افلاس کی مجھ پر مار پڑی ہے - میں رسوائی اور تنہائی کی زندگی بسر کررہا ہوں - میرے کمالات کا کوئی قدر داں نہیں " -

ہمارے نزدیک واقعہ نگاری اور تاریخ نویسی کی قابلیت ضیاالدین برنی میں اعلیٰ درجے کی تھی ' اور اس اعتبار سے وہ اپنے زمانے کے مورخین میں سب سے بہتر تھا - فارسی پر اُسے خوب دسترس تھی - مضمون نگاری اور عبارت آرائی پر اُسے پورا عبور تھا - اور سحر بیانی کا وہ امام تھا - عربی سے بھی اسے

واقفیت تھی - فقہ میں اس کی معلومات گہری نہ تھیں مگر واقعات کی تحقیق کا اسے شوق تھا - اور نقّادی کا اسے ملکہ تھا - وہ لکھتا ھے کہ " میں نے واقعات کو جانچنے اور کھوتے کھرے کو پرکھنے میں خاص طور پر توجہ کی ھے " بڑی بات یہ ھے کہ ضیاالدین برنی علم تاریخ کی اھمیّت جانتا تھا - اور تاریخ نویسی کے اصول سے واقف تھا - تاریخ فیروز شاھی میں لکھا ھے کہ "مورخ کا پہلا فرض یہ ھے کہ واقعات کی تفتیش میں اور ان کو بیان کرنے میں ایمانداری سے کام لے " -

تاھم ضیاالدین برنی کی تاریخ نویسی بےعیب نہیں - اُس کی کتاب میں نہ مضامین کا تسلسل ھے اور نہ دن تاریخ کا تعیّن - واقعات نہ سلسلےوار لکھے گئے ھیں اور نہ مہینے اور سال کے لحاظ سے - سچ یہ ھے کہ تاریخ فیروز شاھی ایک بے ترتیب سی کتاب ھے - بعض بعض جگہہ مضامین سرخیوں کے تحت میں بھی نظر آتے ھیں اور مختلف عنوان بھی قائم کئے گئے ھیں مگر اُن میں ایسی بے ترتیبی ھے کہ عبارتوں میں بجائے صفائی کے الجھن سی پیدا ھوگئی ھے - ھمارا یہ خیال ھے کہ تاریخ فیروز شاھی کے ھر ھر لفظ پر غور کرنے کی اور اس کے ھر ھر فقرے کو سمجھنے کی ضرورت ھے - تاریخ فیروز شاھی میں سلطان محمد بن تغلق کے متعلق صرف چار واقعات کے سن لکھے ھیں -

(۱) تخت نشینی کا سنہ ۷۲۵ ھجری -
(۲) گجرات کی مہم کا سنہ ۷۴۵ ھجری -
(۳) حاجی سعید صر صری کی آمد کا سنہ ۷۴۴ ھجری -
(۴) سلطان محمد کی وفات کا سنہ ۷۵۱ ھجری -

همعصر سیاح

ساتویں آتھویں صدی ھجری اور تیرھویں چودھویں صدی عیسوی کا مشہور سیّاح ابو عبداللہ محمد ابن بطوطہ ھے وہ افریقہ کے شہر طنجہ [۱] کا رھنے والا تھا - اس نے ایشیا کے اکثر ملکوں کی اور ھندوستان کے اکثر مقامات کی سیاحت کی - سلطان محمد کا نواں سن جلوس تھا کہ ابن بطوطہ دریاے سندھ کے مغربی ساحل پر وارد ھوا اور سلطان محمد کی قلمرو میں داخل ھوا - اس سے پہلے نو سال تک وہ سفر کرتا رھا -

---

[۱]—Tangier مراکو (Morocco) کی شمالی سرحد پرواقع ھے -

جس سال سلطان محمد کی تخت نشینی ہوئی اسی سال یعنی سنہ ۱۳۲۵ء میں ابن بطوطہ نے وطن چھوڑا - اور حج کی نیت سے روانہ ہوا - افریقہ کے ساحل کی سیر کرتا ہوا مصر میں پہونچا - وہاں سے مکّہ معظّمہ کا رخ کیا اور عدن کے قریب عیذاب میں آیـــا - وهـــاں جہاز نہ مل سکا تو مصر کو لوٹ گیا اور سنہ ۷۲۶ھ کے شعبان میں یا سنہ ۱۳۲۶ء کے مئی کے مہینے میں ملک شام کی طرف روانہ ہوا - شام میں داخل ہونے کے بعد ابن بطوطہ دمشق میں آیا - اور وہاں کے علماء کی خدمت میں حاضر ہوا - ان سے حدیث کا علم حاصل کیا - پھر اسی سال مدینہ منوّرہ گیا اور وہاں سے مکہ معظمہ پہونچا - رسول مقبول کے روضہ انور کی زیارت کي اور حج ادا کیا - پھر عراق کا رخ کیا اور نجف اشرف کي زیارت کرکے بغداد گیا - بغداد سے بصرے میں آیا اور بصرے سے ایران کا سفر کیا کچھ دنوں شوستر میں ٹھہرا - پھر وہاں سے اصفہان ہوتا ہوا شیراز پہونچا - وہاں سے پھر عراق میں آیا - اور کوفہ ' بغداد اور موصل ہوتا ہوا پھر مکۂ معظمہ گیا - یہ واقعہ ہجری سنہ ۷۲۸ اور عیسوي سنہ ۱۳۲۷ کا ہے - اس سال ابن بطوطہ نے دوسرا حج ادا کیا - حج کے بعد ایک سال تک وہاں ٹھہرا رہا - پھر وہاں سے روانہ ہوا - اور افریقہ کے ساحلوں کی سیر کرتا ہوا عمّان اور ہرموز میں آیا - وہاں سے اناطولیہ کو چلاگیا - پھر بحری سفر کیا اور بحر اسود کے کنارے کنارے ہوتا ہوا دشت قبچاق میں پہونچا ' پھر کریمیا میں آیا - وہاں سے روس کے شمالی حصے کا سفر کیا جو اُس وقت بلغار کہلاتا تھا - وہاں سے خوارزم گیا - خوارزم سے چلا تو بخارا کے حدود میں داخل ہوا - وہاں سلطان علاءالدین ترمشیرین کے دربار میں پہونچا اور کچھ دنوں وہاں ٹھہرا - وہاں سے روانہ ہوا تو سمرقند ' بلخ ' ہرات ' مشہد مقدّس ہوتا ہوا ہندوکش کے راستے کابل آیا - پھر کابل سے روانہ ہوا - اور درّہ خرم سے گزر کر ہجری سنہ ۷۳۴ کے محرم میں یا عیسوي سنہ ۱۳۳۳ کے ستمبر میں بھکر کے قریب دریاے سندھ کے مغربی کنارے پر وارد ہوا - جہاں سے سلطنت دهلی کی حد شروع ہوگئی تھی -

ابن بطوطہ سنہ ۱۳۰۴ء میں پیدا ہوا تھا - ہندوستان میں داخل ہوا تو اس کی عمر اُنتیس برس کی تھی - وہ حوصلہ‌مند ' ذہین اور تیز تھا - وہ ہندوستان میں نہ تو دولت حاصل کرنے کی غرض سے آیا تھا نہ بادشاہ کي

ملازمت کرنے کی نیت سے - اس کا مقصد یہ تھا کہ دنیا کے اور خاص کر ہندوستان کے حالات سے واقفیت پیدا کرے - اس غرض سے وہ یہاں عرصے تک رہا اور ایک ایک شہر میں ایک ایک بستی میں گیا بلکہ جنگلوں اور ویرانوں تک کی سیر کی - اور جو کچھ دیکھا اُسے ذہن نشین کیا - تعجب تو یہ ہے کہ وہ اس بلا کا ذہین تھا کہ بائیس برس کے بعد جب واپس اپنے وطن میں پہونچا تو وہاں بیٹھے بیٹھے اس نے ہندوستان کے تفصیلی حالات کی ایک ضخیم کتاب لکھ دی -

سلطان محمد نے ابن بطوطہ کی بڑی قدر افزائی کی - اور قاضی القضاۃ کے عہدے پر سرفراز کرکے اس کو اپنے درباریوں میں شامل کرلیا - اس عہدے پر ابن بطوطہ دس سال تک رہا - بعد میں بادشاہ کا عتاب اُس پر نازل ہوا - بیچارے کو قیدخانے میں ڈال دیا گیا ' بڑی مصیبتیں اُٹھائیں ' فاقے کئے ' آہ و زاری کی ' خدا خدا کرکے جان بچی ' مگر دل ٹوٹ چکا تھا اس لئے ابن بطوطہ نے ملازمت ترک کر دی - اور پھر بادشاہ کے کہنے سے بھی راضی نہ ہوا - کچھ عرصے تک درویشوں کی طرح بسر کی - سنہ ۱۳۴۲ع میں بادشاہ نے اپنا سفیر بناکر اُسے چین بھیجدیا - راستے میں جہاز ٹوٹ گیا - ابن بطوطہ راستے سے لوٹ پڑا - مگر ہندوستان نہ آیا - مالدیپ کے جزیروں میں چلا گیا - وہاں کچھ عرصے تک رہا - ہجری سنہ ۷۴۵ کے پندرھویں ربیع الثانی اور عیسوی سنہ ۱۳۴۴ کی انتیسویں اگست کو وہاں سے رخصت ہوا - اور لنکا کا سفر کیا - لنکا سے معبر میں آیا - وہاں سے مدورا گیا اور کچھ عرصے وہاں رہا - پھر مالدیپ ہوتا ہوا بنگال چلا گیا - بنگالے میں سنارگاؤں تک آیا - وہاں سے جزایر ہند چینی کا قصد کیا - جہاز کے ذریعے جاوا پہونچا - وہاں سے بحرالکاہل کے راستے چین گیا - پھر جاوا اور سماطرا کے جزیروں میں واپس آیا - وہاں سے کولم ہوتا ہوا کالی کٹ گیا - کالی کٹ میں اُسے دہلی یاد آئی - اور اس نے دہلی جانے کا ارادہ بھی کیا مگر سلطان محمد کے غصے سے ڈر کر ارادہ ترک کردیا - ایران ' شام اور عرب کا سفر اختیار کیا - یہ واقعہ ہجری سنہ ۷۴۷ اور سنہ ۷۴۸ اور عیسوی سنہ ۱۳۴۶ اور سنہ ۱۳۴۷ کا ہے - سنہ ۷۴۹ھ اور ۱۳۴۸ع کا آغاز تھا کہ ابن بطوطہ حلب پہونچا - وہاں سے اسکندریہ اور قاہرہ ہوتا ہوا رمضان سے پہلے مکہ معظمہ پہونچ گیا - اسی سال حج کرکے مکّے سے رخصت ہوا اور قاہرہ اور تیونس ہوتا ہوا مراکو پہونچا

وہاں سے اپنے وطن طنجہ میں آیا - پھر جبرالٹر کا ' اندلس کا اور پھر سوڈان کا اور شمالی افریقہ کے صحرا کا سفر کیا - اس سفر کا سلسلہ جاری تھا کہ طنجہ اور مراکو کے بادشاہ امیرالمومنین سلطان ابو عنان نے ابن بطوط کو بلا بھیجا - ابن بطوط نے حکم کی تعمیل کی اور مراکو کے پایہ تخت شہر فاس میں پہونچ کر اپنے بادشاہ امیرالمومنین سلطان ابو عنان کی خدمت میں حاضر ہوگیا - اور وہیں رہنے لگا - وہیں ہجری سنہ ۷۵۶ اور عیسوی سنہ ۱۳۵۵ میں اس نے سفرنامہ لکھا -

سفرنامہ کیا ہے ؟ ابن بطوطہ کا روزنامچہ ہے جسے اس نے تیس اکتیس برس کے سفر کے بعد وطن میں بیٹھ کر اطمینان سے لکھا - سفر کے دوران میں اس نے کچھ یادداشتیں لکھی تھیں - لیکن معبر سے لوٹتے وقت سیلون اور فاکنور کے درمیان دریائی لٹیرے اس کے جہاز پر ٹوٹ پڑے اس کا سارا اسباب لٹ گیا اسی میں ابن بطوطہ کی یادداشتیں تھیں - یادداشتیں نہ ہونے کے سبب ابن بطوطہ نے جو کچھ لکھا حافظے سے لکھا - حافظہ بلا کا تھا خاصی مجلد کتاب لکھدی - اگرچہ بعض جگہ ترتیب کی - اور بعض جگہہ جغرافیے کی اور بعض جگہہ واقعات کی غلطیاں ہو ہی گئیں - پھر بھی سفرنامہ بڑی دلچسپ اور بڑی کارآمد کتاب ہے - اس میں زیادہ تر وہ واقعات ہیں جو ابن بطوطہ کو سفر کے دوران میں یا قیام کے زمانے میں پیش آئے یا جن کا ابن بطوطہ کو باتیں کرتے اور چلتے پھرتے علم ہوگیا - سفر نامے کے دو حصے ہیں- پہلے حصے میں ان واقعات کا ذکر ہے جو چشم دید ہیں اور دوسرے حصے میں وہ حالات ہیں جو اس کو معتبر ذریعوں سے معلوم ہوئے -

ابن بطوطہ دنیا کا مشہور اور نامور سیّاح تو تھا ہی ' مگر اس کے علاوہ وہ عالم بھی تھا ' واقعہ نگار بھی تھا ' اور اخبار نویس بھی - وہ علم شریعت میں اور فقہ و قانون میں بڑا ملکہ رکھتا تھا کئی زبانوں پر حاوی تھا - عربی النسل ہونے کی وجہ سے ہندوستان میں اس کو عزت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا - غرض ابن بطوطہ بڑی کارآمد اور انمول خبریں بآسانی حاصل کر لیتا تھا - ایک طرف تو وہ بادشاہ کا مقرّب اور عنایات خسروی کا مورد تھا - دوسری طرف اس کا طبعی رجحان تحقیق و تدقیق کی جانب تھا - وہ ایک طالبعلم تھا جس نے سیاحت کے ذریعے علم حاصل کرنے کی ٹھان لی تھی ' اور اپنے

گھر کی سب راحتوں کو اور وطن کے کل عیش و آرام کو تحصیل علم کی خاطر قربان کردیا تھا - وہ طالب علموں کی طرح تجسس کا عادی تھا ' اور ہر بات کو معلوم کرنے اور سمجھنے کی کوشش کرتا تھا -

اس اعتبار سے ابن بطوطہ کو ضیاالدین برنی پر فوقیت ہے - ضیاالدین برنی طالب علم نہیں ہے ' وہ تو صرف ان باتوں پر توجہ کرتا ہے جن کو اس سے واسطہ ہے ' یا جن سے اس کا ذاتی تعلق ہے ' باقی چیزوں پر وہ سرسری سی نگاہ ڈالتا ہے - یہی وجہ ہے کہ تاریخ فیروز شاہی میں صرف بڑے بڑے تاریخی واقعات ملتے ہیں مگر سفرنامے میں تاریخی واقعات کے علاوہ ہندوستانیوں کے عادات ' ان کے اطوار ' اخلاق ' آداب ' معاشری ' اقتصادی ' فوجی ' سیاسی اور مذہبی حالات بھی موجود ہیں - ضیاالدین برنی ابن بطوطہ کی طرح جہاں گرد نہیں ہے - ابن بطوطہ جہاں‌گرد ہے اس کو نہ صرف امرا اور رؤسا بلکہ ہر طبقے اور ہر قسم کے لوگوں سے موقعے ملتے ہیں - سفرنامے میں تاریخ فیروز شاہی کی طرح بے ترتیبی نہیں ہے ' اس میں جدا جدا باب ہیں ' اور ہر باب کی علیحدہ علیحدہ صاف تقسیم ہے ' لیکن جو کچھ ہے نا تمام ہے ' اور صرف دس سال کا مواد ہے -

همعصر شعرا

ایک ایرانی شاعر بدرالدین نامی تاشقند کا رہنے والا ' سلطان محمد بن تغلق کے دربار میں پہونچ گیا تھا اور سلطان کے درباریوں میں داخل ہوگیا تھا - اس کی بڑی قدر کی جاتی تھی - اس کے قصیدوں سے اور بعض بعض شعروں کے تاریخی مادوں سے اس زمانے کے حالات پر روشنی پڑتی ہے - بادشاہ کے اصلی نام کی تحقیق میں بھی بہت مدد ملتی ہے - بعض واقعات کی تاریخیں بھی بدر چاچ کے شعروں سے نکلتی ہیں -

همعصر مولف

شہاب‌الدین احمد ابوالعباس کی کتاب مسالک‌الابصار مشہور ہے - اس میں سلطان محمد کے زمانے کے وہ حالات لکھے ہیں جنھیں همعصر سیاحوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ دیکھ‌کر شہاب‌الدین احمد ابوالعباس کے سامنے بیان کئے اور جنھیں اس نے قلمبند کرلیا تھا - وہ خود کبھی ہندوستان نہیں آیا - اس کی کتاب کا نام مسالک‌الابصار ہے - یہ کتاب اب ناپید ہے - برٹش میوزیم میں اور پیرس میں اس کا ایک ایک

نسخہ موجود ہے ' اُسی سے ہم نے اپنے مضامین اخذ کئے ہیں - مسالک‌الابصار میں چودہ باب ہیں - پہلے باب میں ہند و سندھ کے حالات ہیں - اُن سے چودھویں صدی عیسوی کی شائستگی اور تہذیب کا پتہ چلتا ہے -

بعد کے مورخ

ضیاالدین برنی کے بعد شمس سراج عفیف نے بھی تاریخ فیروز شاہی لکھی - اس میں اول سے آخر تک فیروز شاہ کے حالات لکھے ہیں - فیروز شاہ کو تاریخ سے بہت دل‌چسپی تھی اور وہ کسی نہ کسی طریقے سے واقعات کی یاد گار قائم کرنا چاہتا تھا - اسی غرض سے اس نے اپنے کار ناموں کو دھلی کی جامع مسجد پر کھدوا دیا جسے بعد میں کتاب کی صورت میں لکھ لیا گیا - اسی کو فتوحات فیروز شاہی کہتے ہیں -

تاریخ مبارک شاہی ایک اور مشہور کتاب ہے جسے سلطان محمد بن تغلق کی وفات کے اسّی برس بعد سلطان مبارک شاہ کے عہد میں یحییٰ بن احمد نے لکھا - تاریخ مبارک شاہی سے بھی سلطان محمد کے حالات پر روشنی پڑتی ہے -

تین چار مشہور مورخ سولھویں اور سترھویں صدی میں ہوئے ایک محمد قاسم [۱] ھندو شاہ استرآبادی جو فرشتہ کے لقب سے مشہور ہے - دوسرے ملّا عبدالقادر [۲] بدایونی جس نے شہنشاہ اکبر کے زمانے میں اپنی مشہور کتاب منتخبات‌التواریخ لکھی - تیسرے نظام‌الدین احمد [۳] بخشی جس نے اُسی زمانے میں طبقات اکبری لکھی - مگر ان سب نے ضیاالدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی کو اپنا ماخذ بنایا ہے - منتخبات‌التواریخ میں تاریخ مبارک شاہی سے بھی بہت کچھ لیا گیا ہے - اور تاریخ مبارک شاہی میں تاریخ فیروز شاہی سے کچھ کچھ اختلاف ہے - اُس میں قریب قریب ہر واقعے کی تاریخ موجود ہے - معلوم ہوتا ہے کہ یحییٰ بن احمد نے ضیاالدین برنی کی فروگذاشت کو محسوس کر کے انداز سے تاریخیں لکھدیں - لیکن اسّی سال کے بعد واقعات کی تاریخیں مقرر کرنا آسان کام نہ تھا - غلطیاں

[۱]—سنہ ۱۶۰۶ ع -
[۲]—سنہ ۱۵۹۸ ع -
[۳]—سنہ ۱۵۹۳ ع -

ہو ہو گئیں - فرشتہ نے اور ملّا بدایونی نے تین سو سال بعد تاریخ فیروز شاہی کی مدد سے تاریخیں لکھیں تو بڑی طرح ٹھوکریں کھائیں - لیکن نظام‌الدین بخشی نے تاریخوں کا انتخاب تاریخ فیروز شاہی سے نہیں کیا ہے - یہی وجہ ہے کہ طبقات اکبری میں اس قسم کی غلطیاں نہیں ہیں - مگر اُس میں تاریخ فیروز شاہی کی طرح تاریخیں بہت کم نظر آتی ہیں -

ملّا بدایونی اور محمد قاسم فرشتہ نے دکن اور بنگالے کے حالات بھی لکھے ہیں مگر وہ پورے نہیں - البتہ فرشتہ نے بعض بعض جگہہ کافی روشنی ڈالی ہے -

یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان تینوں مورخوں کے پاس عموماً اور محمد قاسم فرشتہ ' اور نظام‌الدین احمد بخشی کے پاس خصوصاً چند ایسی کتابیں موجود تھیں جو اب ناپید ہیں - مثلاً تاریخ بہمنی ' تغلق نامہ[۱] ' تاریخ بہادر شاہی - اور تاریخ فتوح‌السلاطین ' اس سبب سے ہماری نگاہوں میں سولھویں اور سترھویں صدی کے مورخوں کی بڑی وقعت ہے - ان کی کتابیں بہت کار آمد اور قابل قدر ہیں - انہیں میں سے ایک حاجی‌الدبیر ہے اس کی تاریخ گجرات ' جو سترھویں صدی کے شروع میں لکھی گئی ' عربی زبان میں ہے ' وہ زیادہ تر تاریخ فیروز شاہی اور تاریخ بہادر شاہی پر مبنی ہے ' مگر اور کتابوں کی نسبت بہت صاف ہے -

سکّے

سلطان محمد بن تغلق کے سکے اس وقت تک کثرت سے موجود ہیں - ایڈورڈ تامس کا بیان کرانیکلز آف پٹھان کنگز (Chronicles of Pathan Kings) انہیں پر مبنی ہے - اُس میں سلطان محمد کی اُن اصلاحوں پر جو اُس نے سکوں میں کیں بہت روشنی پڑتی ہے - سکوں کے ذریعے واقعات کی تاریخیں بھی قائم ہوئی ہیں - اور ثابت ہوتا ہے کہ جو تاریخیں بعد کے مورخوں نے لکھی ہیں وہ غلط ہیں -

---

[۱]—تغلق نامہ کا ایک نسخہ حبیب گنج سے حال میں ملا ہے جو حیدرآباد سے شایع ہوا ہے -

دوسرا باب

دوسرا باب

سیاسی فضا

یورپ کے ایک مورخ کا قول ہے کہ ناموروں کے حالات لکھنا ہو تو پہلے ان کے باپ دادا کے کارناموں کا نقشہ کھینچا جائے ' اُسی نقشے میں اُن ناموروں کی جن کے تفصیلی حالات لکھنے مقصود ہیں جھلک نظر آجائے گی ' یہ درست ہے - جب تک چودھویں صدی کی سیاسی فضا کا نقشہ نہ کھنچ جائے ' اور جب تک تغلق خاندان کی ابتدا ظاہر نہ ہوجائے سلطان محمد کے حالات تاریخ کی روشنی میں نہیں لائے جاسکتے -

تغلق کی اصلیت

تغلق کی اصلیت کیا ہے ؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کو فرشتہ اور سجان‌رائے بٹالوی جیسے مورخوں نے حل کرنے کی کوششیں کیں مگر بے سود - تغلق کی اصلیت کیا ہے ؟ تغلق قوم کا نام ہے ' یا قبیلے کا ' یا کسی شخص کا ' یہ معمہ ہی رہا -

لغات بتاتی ہیں کہ تغلق ایک ترکی لفظ ہے جو کبھی سردار کے لئے ' کبھی بلندی کے لئے ' کبھی برکت کے لئے ' اور کبھی پہاڑی کے لئے استعمال ہوا ہے - فرشتہ نے لکھا ہے کہ تغلق اصل میں قتلغ تھا - ہندوستانیوں نے قتلغ کا تغلق بنا ڈالا ' لیکن قتلغ کے تغلق ہو جانے کا کوئی ثبوت نہیں - اور قتلغ کے تغلق بنا ڈالنے کی نسبت ہندوستانیوں کی طرف دینا بے معنی ہے - اگر ہندوستانی قتلغ کو بگاڑ کر تغلق بناتے تو پھر تغلق ہی تغلق ہوتا - قتلغ کا پتہ بھی نہ لگتا - اتنا ضرور ہے کہ استعمال ہوتے ہوتے بعض اوقات لفظوں کی شکل بدل جاتی ہے - لیکن جب شکل بدل جاتی ہے تو بگڑی شکل عوام میں جاری ہو جاتی ہے اور اصلی اور صحیح شکل عالموں اور واقف کاروں کے پاس محفوظ رہتی ہے - برخلاف اس کے قتلغ اور تغلق کے دونوں لفظ عوام اور خواص میں یکساں استعمال ہوتے رہے - ان دونوں لفظوں کو

ہندوستانی مورخوں نے بھی استعمال کیا ہے اور ایرانی اور عربی مورخوں نے بھی - ابن بطوطہ نے تو اعراب [۱] بھی لگا دئے ہیں اور یہ بتا دیا ہے کہ صحیح تلفظ کیا ہے -

سفر نامے سے ظاہر ہوتا ہے کہ تغلق نہ کسی قوم کا نام تھا نہ قبیلے کا [۲] - بلکہ اس شخص کا نام تھا جو تاریخ میں ملک غازی یا غازی ملک کے لقب سے مشہور ہوا اور بعد میں سلطان غیاث الدین تغلق کہلایا - اس کی تائید ضیاالدین برنی اور شمس سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی سے ' یحیی بن احمد کی تاریخ مبارک شاہی سے اور بدرچاچ کے دیوان سے بھی ہوتی ہے -

نام کی تحقیق

باپ کا نام تغلق تھا تو بیٹے کا کیا نام تھا ؟ تاریخ کی موجودہ کتابوں میں تو اس کا نام محمد تغلق لکھا ہے اور یہی سب کی زبانوں پر بھی جاری ہے - محمد تغلق کی کیا اصلیت ہے ؟

سفر نامے میں لکھا ہے کہ " تخت نشینی سے پہلے بادشاہ کا نام جونا تھا - تخت نشینی کے بعد محمد مشہور ہو گیا " ضیاالدین برنی نے اور شمس سراج عفیف نے اس کا نام محمد شاہ بن تغلق شاہ لکھا ہے - تاریخ مبارک شاہی میں لکھا ہے کہ " بادشاہ کا نام محمد تھا اور اس کے باپ کا نام تغلق تھا " - تاریخ فرشتہ میں کسی ہمعصر کا یہ شعر لکھا ہے :-

شاہ محمد بخفت در دل خاک نیلگوں کن لباس ماتم را

یعنی محمد شاہ خاک کے اندر سوگیا - اس کے سوگ میں نیلا ماتمی لباس پہن لینا چاہیے -

---

[۱]—ابن بطوطہ نے تغلق کے لفظ کو صحیح مانا ہے اور اعراب لگا کر بتا دیا ہے کہ اس کا صحیح تلفظ تغلق ہے یعنی پہلے اور تیسرے حرف کو پیش ہے اور چوتھا ساکن ہے -

[۲]—ابن بطوطہ کا قول ہے کہ میں نے شیخ رکن الدین ملتانی کو کہتے ہوئے سنا کہ " سلطان تغلق قرونہ نسل کا ترک تھا " - قرونہ ترکی میں دوغلے کو کہتے ہیں - مارکو پولو نے لکھا ہے کہ وہ لوگ جن کے ' باپ تاتاری اور مائیں ہندی ہوتی تھیں قرونہ کہلاتے تھے - ان کو سوائے غارت گری اور لوٹ مار کے کچھ نہ آتا تھا ' دن دھاڑے دھاوے مارتے ' اور اسی طریقے سے اپنی روزی کماتے - ان کا سردار نکودار نامی اپنے چچا چغتائی نامی سے لڑ جھگڑ کر بھاگا اور قرونوں کی ایک جماعت کو اپنے ساتھ لے کر کشمیر کی طرف چلا گیا - کشمیر سے لاہور میں آیا - لاہور فتح کرچکا تو مغلوں سے جا بھڑا اور عرصے تک اُن سے لڑتا رہا -

اس شعر سے ظاہر ہے کہ بادشاہ کا نام محمد تھا - تغلق نہ اس کا نام تھا نہ اس کے نام کا کوئی جزو تھا - تغلق کا لفظ ولدیت ظاہر کرنے کی غرض سے سلطان محمد نے اپنے نام کے ساتھ زیادہ کردیا تھا بدر چاچ کے قصیدوں میں کثرت سے ایسے شعر موجود ہیں جن میں سلطان کا نام محمد یا محمد شاہ تغلق مع ولدیت کے نظم کیا گیا ہے اور ایک طریقے سے نہیں - طرح طرح سے اس کا نام محمد اور اس کے باپ کا نام تغلق ثابت کیا گیا ہے - کہیں علم اعداد سے ' کہیں علم جفر سے ' کہیں تشبیہ اور استعارے سے شاعر نے اپنے ممدوح کا نام محمد بتایا ہے - بعض جگہ ضرورت شعری سے اضافت حذف کردی گئی ہے اور صرف محمد تغلق لکھا گیا ہے - بعض سکوں پر بھی محمد تغلق درج ہے - اضافت جس سے ولدیت ظاہر ہوتی ہے محذوف ہے -

طبقات اکبری میں بادشاہ کا نام محمد شاہ تغلق لکھا ہے - منتخبات‌التواریخ میں محمد عادل بن تغلق شاہ اور تاریخ فرشتہ میں محمد تغلق شاہ - لیکن محمد شاہ تغلق یا محمد بن شاہ یا محمد تغلق شاہ میں معنی کے لحاظ سے کچھ فرق نہیں - قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ اول اول اس بادشاہ کا نام محمد شاہ تغلق مشہور ہوا بعد میں شاہ کا لفظ گرا دیا گیا - محمدِ تغلق (Mohammad-i-Tughluq) لکھا جانے لگا - کاتبوں نے لکھتے وقت اضافت بھی گرادی تو محمد تغلق (Mohammad Tughluq) رہ گیا - پڑھنے والوں کو دھوکا ہوا - وہ سمجھے کہ اصلی نام محمد تغلق ہی ہے - मुहम्मद तुग़लक़ اور تغلق کے لفظ سے جو باپ کے اور بیٹے کے ناموں میں یکساں موجود ہے اُن کے قبیلے کی طرف اشارہ ہے -

ملّا عبدالقادر بدایونی نے اس بادشاہ کا نام محمد عادل لکھا ہے اور ان کی طرح بعد میں منشی طوطا رام شایاں نے بھی اس کا نام محمد عادل شاہ لکھا - منشی جی نے ہندوستان کی تاریخ طلسم ہند کے نام سے انیسویں صدی کے وسط میں لکھی - اس سبب سے چنداں اہمیت نہیں رکھتی - مگر اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آج سے اسی یا اٹھاسی برس پہلے تک سلطان محمد کو محمد عادل بھی کہا جاتا تھا -

عادل کا لقب سلطان محمد کو بہت پسند تھا - اس کے سکوں میں بھی عادل کا لفظ موجود ہے اور اس کے قلعے کا نام بھی عادل‌آباد تھا -

بیٹے کی پیدائش اور باپ کی ترقی

سلطان محمد کی پیدائش کے وقت اس کا باپ گمنامی اور کس مپرسی کی حالت میں تھا - ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ تغلق نے خراسان سے ہندوستان کا رخ کیا تو بہت مفلس تھا - مفلسی ہی کی وجہ سے اس نے گھر چھوڑا - جنگلوں اور پہاڑوں کا سفر اختیار کیا اور کوسوں کی منزلیں طے کرتا ہوا سندھ پہونچا - وہاں ایک سوداگر سے ملا - سوداگر کو تغلق کے حال پر رحم آگیا - اس نے اُسے بکریوں کا چرواہا مقرر کرلیا - قسمت کہہ رہی تھی کہ کچھ دن بکریوں کی گلہ بانی کرلے - پھر آدمیوں کی نگہبانی کا منصب بھی ایک دن مل جائیگا - تغلق خوشی خوشی بکریاں چرانے لگا -

شمس سراج عفیف نے تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے کہ " سلطان علاءالدین خلجی کے عہد میں تغلق اور اس کے بھائی رجب اور ابوبکر خراسان سے ہندوستان میں آئے - بادشاہ ان پر مہربان ہو گیا ' اور اُس نے اپنے دربار کی بعض خدمتیں ان کے سپرد کردیں - جب سلطان علاءالدین خلجی نے ان تینوں کی لیاقت کا خوب اندازہ کرلیا اور ان کی بہادری اور خوش سلیقگی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو تغلق کو دیبالپور کا حاکم بنا دیا - اور رجب کو لشکر کا سپہ سالار مقرر کردیا - اس وقت تغلق نے یہ چاہا کہ سپہ سالار رجب کی شادی دیبالپور کے علاقے میں کسی راجہ کی لڑکی سے کردے " - کیوں چاہا ؟ یہ ایک معمہ ہے جس کو حل کرنے کی شمس سراج عفیف نے کوشش نہیں کی - آج کل کے اکثر مورخوں نے تغلق کی اس خواہش کو محض حیوانیت پر محمول کیا ہے - ان کا خیال ہے کہ مسلمان ہندؤں کی لڑکیاں پکڑ پکڑ کر لے جایا کرتے تھے - اس خراب عادت سے تغلق بھی نہ بچا - مگر یہ خیال غلط ہے - تاریخ سے اس کا ثبوت نہیں ملتا - یہ عادت تو مغلوں کی تھی جو مسلمان نہ تھے - مغل وسط ایشیا سے آکر ہندوستان میں لوٹ مار کیا کرتے ' سیکڑوں بے گناہوں کا خون بہاتے اور ہزاروں کو غلام بناکر لے جاتے - تغلق ہرگز ایسا نہیں کرسکتا تھا - یہ اس کی تہذیب اور اخلاق سے بعید تھا - ممکن ہے اُس نے شادی کا یہ طریقہ ہندو مسلمانوں کے درمیان اتحاد پیدا کرنے کی غرض سے اختیار کیا ہو - تاریخ فیروز شاہی کی عبارت سے ظاہر ہے کہ رجب کی شادی کسی مسلمان گھرانے میں ہو چکی تھی اور اس کے دو بیٹے بھی موجود تھے - اگر تغلق کو مصالحت منظور نہ ہوتی اور مغلوں

کی طرح اس کو بھی ہندؤں سے لڑکیاں چھیننے کی عادت ہوتی تو وہ نرمی کا برتاؤ کیوں کرتا ؟ - شمس سراج عفیف نے لکھا ہے کہ " ان دنوں میرے دادا ملک سعدالملک شہاب عفیف تغلق کی طرف سے ابوھر کے حاکم تھے - ان کے مشورے سے تغلق نے رانامل بھتی کے پاس پیام بھیجا - رانامل پیام سنتے ہی آگ بگولا ہوگیا اور تغلق کو سخت سست کہنے لگا ' اُس وقت تغلق مجبور ہو گیا - مصلحتاً ابوھر کے زمینداروں پر سختی شروع کی - سختی ذرا بڑھ گئی تو ابوھر کے باشندے چیخ اٹھے - رانامل کی بیٹی نالہ دیوی نے بڑی عقل کی بات کی اور دلیری سے کام لیا - باپ کے پاس آکر کہنے لگی " پتا جی ! اگر میری وجہ سے آپ پر اور آپ کی رعیت پر یہ مصیبتیں پڑ رہی ہیں تو بہتر ہے کہ آپ تغلق کی بات مان لیجئے اور پیام منظور کر لیجئے - یہ سمجھ لیجئےگا کہ آپ کی ایک لڑکی کو مغل [ا] چھین کر لے گئے " - بیٹی کی مرضی پائی اسپر باپ بھی راضی ہو گیا اور نالہ دیوی کی شادی رجب کے ساتھ ہو گئی -

یہ منجھلے بھائی کی شادی کا حال ہے جو شمس سراج عفیف نے اپنی تاریخ فیروز شاہی میں ضرورتاً لکھدیا - چھوٹے بھائی ابوبکر کے حالات تعجب ہے کہ تاریخ کی روشنی میں آئے ہی نہیں - لیکن اس سے بھی زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ سلطان تغلق جیسے مشہور بادشاہ کی شادی کے متعلق تاریخ کے صفحوں پر ایک حرف بھی نہیں - معلوم ہوتا ہے کہ سلطان تغلق اپنی شادی پہلے اسی طرح کر چکا تھا - دستور بھی یہی ہے کہ پہلے بڑے بھائی کی شادی ہو جاتی ہے اس کے بعد چھوٹے کی ہوتی ہے - اور تغلق کی عمر کا بھی یہی تقاضا تھا - شمس سراج عفیف نے لکھا ہے اور ابن بطوطہ نے بھی کہ تغلق عہد علائی میں ہندوستان آیا تھا - لیکن عہد علائی میں نہ شمس عفیف تھا نہ ابن بطوطہ - دونوں سلطان علاءالدین خلجی کے بہت بعد ہوئے - ان کو صحیح حالات کی واقفیت ہو کیونکر سکتی ہے ؟ جب کہ عہد علائی کے کسی ہمعصر مورخ نے تغلق کے آنے کا ذکر ہی نہیں کیا - نہ امیر خسرو نے اور نہ ضیاالدین برنی

[ا]—مغلوں کا ہندوستان میں آنا اور ہندوں کی لڑکیاں چھین کر لے جانا ایسی مشہور بات تھی کہ لڑکی کی زبان پر بھی آگئی -

نے - فرشتہ نے شمس سراج عفیف کے بیان کو اعتبار کے قابل نہ سمجھا اور تحقیق کی غرض سے نکل کھڑا ہوا - اس کے بیان سے پایا جاتا ہے کہ تغلق نے سلطان غیاث‌الدین بلبن کے عہد میں ہی نام پیدا کرنا شروع کر دیا تھا - اور ایک معزز گھرانے کی جاٹنی [۱] سے اس کی شادی بھی ہو گئی تھی جس سے سنہ ۱۲۸۶ع میں ایک لڑکا پیدا ہوا - اس لڑکے کا نام فخرالدین جونا خاں رکھا گیا جو بعد میں ہندوستان کے تخت و تاج کا وارث بنا اور سلطان‌الہند سلطان محمد شاہ یا سلطان محمد بن تغلق کہلایا - جس سال جونا خاں کی ولادت ہوئی اسی سال بلبن کی بھی وفات ہوئی - اس وقت سے لے کر علاءالدین خلجی کی تخت نشینی تک جو دس سال گزرے اُن میں تغلق کی کوئی شخصیت نہ تھی نہ سلطان معزالدین کیقباد کے عہد میں تغلق کا ذکر ملتا ہے اور نہ سلطان جلال‌الدین فیروز خلجی کے دور میں - سلطان علاءالدین خلجی کا زمانہ شروع ہوا تو جونا خاں کی عمر دس سال کی تھی - اُنھی دنوں تغلق کی رسائی بادشاہ کے بھائی الغ خاں حاکم سندھ کے دربار تک ہوگئی - تغلق ' الغ خاں کے خادموں میں داخل ہو گیا - پہلے پیادوں میں بھرتی ہوا - پھر ترقی کرکے اپنے مالک کا منظور نظر بن گیا - الغ خاں کے حکم سے تغلق کا نام سواروں کے رسالے میں لکھ لیا گیا - سواروں کے درمیان وہ مثل آفتاب کے چمکنے لگا - الغ خاں نے اس کو سواروں کا افسر مقرر کر دیا - پھر شاہی اصطبل کا [۲] داروغہ بنا دیا - کچھ عرصے بعد مرتبہ اور بڑھا اور تغلق ' اُلغ خاں کے خاص مصاحبوں اور امیروں میں داخل ہو گیا - پھر تو برابر بڑھتا ہی چلا گیا - دیکھتے ہی دیکھتے کہیں سے کہیں جا پہنچا - پیادوں میں داخل ہوا تھا مگر جلد سے جلد سواروں میں پہونچ گیا - تنگ اور چست پوشاک پہن' نیزہ ہاتھ میں لے' کلغی‌دار ٹوپی سر پر رکھ ' تیز اور قوی گھوڑے پر سوار ہو ' اپنی شجاعت اور مردانگی کے جوہر

---

[۱]—خراسان سے ہندوستان تک کے دور دراز سفر میں تغلق اپنے ساتھ کوئی عورت لےکر نہیں آیا تھا - اس زمانے میں دستور یہ تھا کہ سفر کرنے سے پہلے عورتوں کو انھیں کے وطن میں طلاق دے کر آزاد کر دیتے تھے ' خاص کر جب کہ سفر کا انجام معلوم نہ ہو - اور سفر بے سرو سامانی کی حالت میں ہو - ابن بطوطہ کو اپنی سیاحت میں کئی بار ایسا کرنا پڑا -

[۲]—شاہی اصطبل کا داروغہ اس زمانے میں میر آخور کہلاتا تھا - اور یہ ایک بڑا عہدہ تھا -

دکھانے لگا - لڑائی کے میدان میں آن کی آن میں حریفوں کو مغلوب کرتا ' دشمنوں کے منھ پھیر دیتا ' صفوں کو چیرتا ' فوجوں میں ہل چل ڈال دیتا ' حملہ آور مغلوں پر وار کرتا ' آخر فتح کا سہرا اسی کے سر رہتا - تغلق کی شہرت رفتہ رفتہ سلطان علاءالدین خلجی کے دربار تک جا پہونچی - سلطان نے تغلق کو بلایا اور بڑی قدر کی - اور غازی ملک کا خطاب عطا کیا - غازی ملک کا خطاب معمولی نہ تھا اور کسی معمولی شخص کو دیا بھی نہ جاتا تھا - یہ کچھ ایسا خطاب تھا جسے حاصل کرنے کی غرض سے ہر جنگجو سردار یا سپاھی لڑائیوں کی بھڑکتی ہوئی آگ میں گھس جایا کرتا تھا - اور اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر جب کامیاب ہوتا تو کہیں جاکر یہ خطاب اس کو نصیب ہوتا - خطاب تو ہزاروں تھے جن کو بادشاہ اپنی خوشی سے دے دیا کرتا تھا - جس کو چاھتا مویّدالملک بنا دیتا ' صدر جہاں بنا دیتا ' خانخاناں بنا دیتا - علاءالملک بنا دیتا مگر غازی کا خطاب ایسا سستا نہ تھا ' اس کے لئے تو بادشاہ خود ترستا تھا - اور جب تک دنیا غازی نہ کہہ دیتی اس وقت تک بادشاہ نہ خود کو غازی کہہ سکتا نہ دوسرے کو یہ خطاب دے سکتا - اِسی خطاب کی خاطر سلطان محمود غزنوی برسوں لڑا ' تیمور عمر بھر ماوراالنہر ' ترکستان ' ایران اور ایشائے کوچک میں لڑتا پھرا ' اور غازی بننے کے لالچ میں آخر ھندوستان آیا - یہاں بھی جان توڑ کر لڑا لیکن غازی نہ کہلانا تھا نہ کہلایا یہ حسرت دل ھی میں لے گیا - بابر بتیس برس تک ماوراالنہر ' افغانستان اور ھندوستان میں لڑتا رہا مگر غازی نہ کہلایا - جب بڑی بڑی قربانیاں کر کے کنواھا کی جنگ فتح کی تو دنیا کو اپنا انتہائی وقار دکھانے کی امنگ دل میں پیدا ہوئی - اُس وقت بابر کی نگاہ میں سوائے غازی کے کوئی خطاب نہ جچا - خود ھی غازی کا خطاب اختیار کر لیا - لیکن اصل یہ ھے کہ یہ خطاب کسی کے دینے دلانے سے نہیں ملتا - جنگجو میں کوئی خاص جوھر ہوتا تھا جسے دیکھ کر ھر شخص پکار اٹھتا تھا کہ یہ غازی ھے اور جب زمانہ تسلیم کر لیتا تھا تو اُس وقت کا بادشاہ یا خلیفہ خاص طور پر اُس جنگجو کو غازی کے لقب سے نامزد کر دیا کرتا تھا - موجودہ زمانے میں اس خطاب کا مرادف ہو ھی نہیں سکتا - اسی خطاب کے ملنے کا حال ملتان کی ایک مسجد پر تغلق نے خود لکھوایا تھا کہ " میں نے اڑتیس مرتبہ مغلوں سے لڑکر ان کو شکست دی - اس لئے ملک غازی کا خطاب

حاصل کیا "۔ ابن بطوطہ نے اس کتبے [۱] کو پڑھا تھا اور اپنے سفر نامے میں بھی لکھا ہے -

انہیں دنوں مولانا عبدالرحمن کا بیٹا علم کلام اور فقہ کا ماہر قاضی عضدالدین نامی ہندوستان میں آیا - تغلق نے تعلیم کی غرض سے جونا خاں کو اس کے سپرد کر دیا - جب تک قاضی عضدالدین دیبالپور میں رہا جونا خاں کو تعلیم دیتا رہا - جب وہ شیراز چلا گیا تو قتلغ خاں جونا خاں کا استاد مقرر ہوا - قتلغ خاں ریاضی اور سیاست میں ماہر تھا - جونا خاں نے انھی دونوں کی بدولت فقہ ' علم کلام ' ریاضی اور سیاست میں کمال حاصل کیا ' اور دوسرے علوم بھی انھی سے سیکھے ہونگے -

جونا خاں کی تعلیم و تربیت اور اس کا نمود

جونا خاں کی طبیعت قدرتاً تیز تھی - تحصیل علم کا اس کو بے حد شوق تھا - بغیر استاد کے بھی بہت کچھ نکال لیتا - استادوں کی مدد سے تو تھوڑے عرصے میں کہیں سے کہیں پہونچ گیا - تاریخ فیروز شاہی سے ظاہر ہے کہ اٹھائیس یا انتیس برس کے سن میں جونا خاں فارغ‌التحصیل ہو گیا تھا - دنیا کا کوئی علم ایسا باقی نہ رہا تھا جس سے اس کو بخوبی واقفیت حاصل نہ ہو گئی ہو - وہ علم دین میں بھی ماہر تھا اور علم حدیث میں بھی ' علم فقہ میں بھی ' علم کلام میں بھی - علم طب میں بھی اور علم ریاضی میں بھی ' علم تاریخ میں بھی ' اور علم نجوم میں بھی ' معقول میں بھی اور منقول میں بھی - اس کی عقل تیز تھی اور حافظہ غضب کا تھا - دقیق سے دقیق بات اور پیچیدہ سے پیچیدہ معاملہ جھٹ پٹ سمجھ لیتا - ایک دفعہ کسی واقعہ کو پڑھ لیتا یا سن لیتا تو پھر برسوں نہ بھولتا - اور اس کی تاریخ اور تفصیل بھی اس کے ذہن سے نہ نکلتی - وہ زیادہ تر عالموں اور فلاسفروں کی صحبت میں بیٹھا کرتا - اور شیخ نظام‌الدین اولیا اور شیخ رکن‌الدین ملتانی جیسے مشایخ سے عقیدت رکھتا - مشایخ کی صحبت میں اُسے حقایق نظر آنے لگے اور وہ تصوف کے مزے لینے لگا -

[۱]—ضیاالدین برنی نے اس کتبے کا کچھہ ذکر نہیں کیا مگر اس نے خسرو خاں اور غازی ملک کی لڑائی کے دوران میں لکھا ہے کہ غازی ملک نے تیس مرتبہ مغلوں کے لشکر کو شکست دے کر تہ و بالا کر دیا تھا -

تیر اندازی ، نیزہ بازی ، شمشیر زنی اور شہسواری میں بھی جونا خاں نے خوب مہارت پیدا کرلی - نشانے پر تیر لگانے اور بڑھ بڑھ کر نیزہ مارنے اور تلوار چلانے میں اس نے کمال حاصل کر لیا - اسی پر بس نہیں - وہ ایک فصیح‌البیان مقرر (لیکچرر) بھی تھا - اس کی تقریر میں بلا کی روانی اور شیرینی تھی ، نہ وہ رنگا رنگ مضامین کے بیان کرنے سے تھکتا اور نہ اس کا کلام سننے سے سننے والے اکتاتے - ضیا الدین برنی کا قول ہے کہ ایسا شیریں زبان اور خوش بیان بادشاہ ہندوستان میں اب تک نہ ہوا تھا - اس کی تقریر لوگ گھنٹوں سنتے لیکن سیری نہ ہوتی - وہ علم مجلس سے بھی خوب واقف تھا - ہر قسم کے آدمیوں سے ملتا ، اور ہر قوم و قبیلے کی محفل و مجلس میں بیٹھتا ، ہر ایک سے گفتگو کرتا ، اور تبادلۂ خیالات کرتا رہتا - اس طرح اس کی واقفیت بہت بڑھ گئی ، تنگ نظری دور ہو گئی - اور فراخ دلی پیدا ہو گئی - تعصب اُسے چھو بھی نہ گیا تھا - بادشاہ ہوا تو سب کو ایک نظر سے دیکھا - امیر ہو یا فقیر صغیر ہو یا کبیر ، ہندو ہو یا مسلمان ، سید ہو یا پٹھان ، سنی ہو یا شیعہ ، خارجی ہو یا رافضی مذہب کی تفریق سلطان محمد کے نزدیک کوئی چیز نہ تھی -

سلطان قطب‌الدین مبارک شاہ کا زمانہ باپ بیٹوں کے لئے نمود کا زمانہ تھا - تغلق بڑا نامی گرامی سورما تھا تو جونا خاں ایک نوجوان نامور اور بہادر شہسوار تھا - بادشاہ نے دونوں کی قدر کی ، باپ کو دیپالپور کا حاکم بنایا تو بیٹے کو شاہی اصطبل کا داروغہ -

خسرو خاں کا عروج اور سلطان قطب‌الدین کا قتل

اب اگر ناظرین کو وہ منظر دیکھنا منظور ہو جس میں دیپالپور کا حاکم تاج شاہی سر پر رکھے دھلی کے تخت پر متمکن اور جونا خاں شاہی اصطبل کا داروغہ ولیعہدی کی گدی پر بیٹھا ہوا نظر آئے تو عہد قطبی کی اس سیاسی فضا کا تصور کریں جس کا آغاز خسرو خاں کے عروج سے ہوا اور انجام سلطان قطب‌الدین مبارک شاہ کے قتل پر -

سلطان علاءالدین خلجی کے لڑکے قطب‌الدین مبارک شاہ نے تخت پر بیٹھتے ہی وہ وہ گل کھلائے کہ ان کا آج تک شور مچا ہوا ہے - سترہ برس کی عمر اٹھتی ہوئی جوانی سلطنت کی باگ ہاتھ میں آئی تو دماغ میں

دولت کا نشہ چڑھ گیا ' اور عیش و نشاط کا بازار گرم ہو گیا - ایک ہندو بچے کو خسرو خاں کا خطاب دے کر سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا - خسرو خاں کا حال تاریخ کی کتابوں میں تھوڑا تھوڑا ملتا ہے - خلاصۃالتواریخ میں لکھا ہے کہ خسرو خاں گجرات کا رہنے والا تھا - بچہ سا شاہی دربار میں آیا اور کسی ادنیٰ خدمت پر مامور ہو گیا - تاریخ مبارک شاہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ خسرو خاں سلطان علاءالدین خلجی کے زمانے میں مع اپنے بھائی کے غلام بناکر بچہ سا لایا گیا تھا - جب سلطان قطب‌الدین مبارک شاہ کا دور شروع ہوا تو اس بچے کے دن پھرے - وہ بادشاہ کا منظور نظر ہو کر خسرو خاں کہلایا - ضیاالدین برنی ' فرشتہ ' نظام‌الدین بخشی اور ملّا بدایونی نے لکھا ہے کہ " خسرو پرواری ہندو تھا بعد میں اس کا نام حسن رکھا گیا اور سلطان قطب‌الدین مبارک شاہ نے اسے اپنے امیروں میں داخل کر لیا اور بڑھا چڑھا کر وزارت کا عہدہ دے دیا - اور خسرو خاں کا خطاب عطا کیا " - ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ " خسرو خاں اصل میں ہندو تھا اور ہندوؤں کی طرف‌داری کرتا رہتا تھا - بادشاہ کا استاد قاضی خاں اسی سبب سے خسرو خاں سے نفرت کرنے لگا " - خسرو خاں سے قاضی خاں کو نفرت ہوئی کیوں ؟ اس گتھی کو ضیاالدین برنی نے خوب سلجھایا ہے - اس نے لکھا ہے کہ جس دن سے خسرو خاں بادشاہ کے ساتھ بے تکلف ہوا اُسی دن سے اس کے دماغ میں بادشاہ کے قتل کا سودا سما گیا - ایک دن موقع پاکر اُس نے بادشاہ سے یہ کہا " حضور ' میرے دشمن بہت ہیں ' اور میں یہاں اکیلا ہوں ' اگر اجازت ہو تو میں اپنے ماموں کو گجرات بھیج کر اپنے رشتہ داروں کو یہاں بلا لوں " - بادشاہ نے اجازت دے دی - اس ترکیب سے خسرو خاں نے اپنی برادری کے ہندوؤں کو بلا لیا - اُن کو نئے نئے کپڑے دیئے ' گھوڑے دیئے ' قیمتی قیمتی وردیاں دیں ' اور مال و دولت سے ان کے گھر بھر دیئے - پھر ان کے ساتھ بادشاہ کے قتل کی سازشیں کرنے لگا پرواریوں نے یہ ارادہ کیا کہ بادشاہ کو شکار گاہ میں قتل کر ڈالیں ' لیکن بعض امیروں نے جو خسرو خاں کے ساتھ سازش میں شریک تھے پرواریوں کو شکار گاہ میں قتل کرنے سے روک دیا اور یہ کہا کہ " کھلے ہوئے میدان کی نسبت بلند محل میں بادشاہ کو قتل کرنا زیادہ مناسب ہے " - ایک رات موقع پاکر خسرو خاں نے بادشاہ کی خدمت میں عرض کی - " میں خداوند کے پاس سے اندھیرے اندھیرے اُٹھ کر نیچے چلا جاتا ہوں '

مگر اس وقت دروازہ بند ہوتا ہے - وہاں انتظار کرنا پڑتا ہے - اگر میرے آدمی یہیں قلعے کے اندر نیچے موجود رہیں تو مجھے تکلیف نہ ہو - چاہتا ہوں کہ خاص دروازے کی کنجی قاضی خاں سے لے کر مجھے دے دی جائے " - بادشاہ نے منظور کرلیا - منظور کرنا تھا کہ پرواریوں کا عملہ دخلہ ہو گیا ' ہتھیار لگائے قلعے کے اندر آنے لگے ' اور نیچے کوٹھریوں میں راتوں کو رہنے لگے ' اور بے باک ہوکر بادشاہ کے قتل کی باتیں کرنے لگے - یہ باتیں قاضی خاں سنا کرتا اور سن سن کر خون کے سے گھونٹ پیا کرتا - اسی وجہ سے قاضی خاں کو خسرو خاں سے دلی نفرت ہوگئی - خسرو خاں کی سازشیں معلوم تو سب امیروں کو ہوگئیں تھیں مگر ہمت کسی کی نہ پڑتی تھی کہ بادشاہ تک یہ باتیں پہونچادے - کیوں‌کہ بادشاہ خسرو خاں کی محبت میں سرشار تھا ' اور اس کے خلاف کسی کی سننا بھی نہ چاہتا تھا - مگر قاضی خاں سے نہ رہا گیا ' ایک دن اس نے بادشاہ سے خسرو خاں کی بغاوت کا حال صاف صاف کہہ ہی دیا - لیکن بادشاہ کے کان پر جوں تک نہ رینگی - یہ وہ دن تھا جس کے بعد آنے والی رات میں خسرو خاں کی ساری کوششیں کامیاب ہوگئیں اور پرواریوں کی کل محنتیں ٹھکانے لگ گئیں ' سلطان قطب‌الدین اپنے خون میں نہایا ' اور اپنی غفلت و نادانی کی سزا کو پہونچا - غرض خسرو خاں کو خبر ملی کہ قاضی خاں نے میرا کچا چٹھا بادشاہ کے سامنے کھول دیا ہے تو وہ بادشاہ کے سامنے آکر جھوٹ موٹ رونے لگا ' اور رو رو کر کہنے لگا کہ " مجھ پر سب کا دانت اسی وجہ سے ہے کہ جہاں پناہ مجھ سے محبت رکھتے ہیں " - ابھی خسرو خاں یہ کہہ ہی رہا تھا کہ خسرو خاں کے ماموں رندھول نے جو ہتھیار لگائے اور اپنے ساتھیوں کو لئے گھات میں چھپا بیٹھا تھا ' قاضی خاں کو آن گھیرا - دوسری طرف سے جاہریا जाहरया نکل کھڑا ہوا ' اور قاضی خاں کے سینے پر تیر کھینچ کر مارا - تیر کھاتے ہی وہ بےچارا تڑپ کر مرگیا - اُس کے مرتے ہی محل میں چاروں طرف پرواری پھیل گئے ' اور ایک شور مچ گیا ' جب بادشاہ کے کانوں تک آواز پہونچی تو اس نے خسرو خاں سے دریافت کیا " خسرو ! دیکھنا یہ کیسا شور ہے ؟ " خسرو خاں باہر گیا اور واپس آکر کہنے لگا - " جہاں پناہ ' کچھ نہیں ' اصطبل میں سے چند گھوڑے کھل گئے ہیں جو صحن میں دوڑ رہے ہیں ' آدمی ان گھوڑوں کو پکڑتے پھرتے ہیں " اتنے میں جاہریا ' پرواریوں کو لے کر محل کی چھت پر

آ پہونچا - اس نے بادشاہ کے اسحاق اور ابراھیم نامی درباریوں کو مار گرایا - بادشاہ اب سمجھا کہ غدر مچ گیا - جونہاں یہن محل کی طرف دوڑنا چاھتا تھا کہ خسرو خاں نے بڑھ کر اُس کے بالوں کی لٹیں پکڑ لیں ' اور بل دینے لگا - اُس وقت بادشاہ نے مڑ کر خسرو خاں کو دونوں ھاتوں پر اُتھا لیا ' اور زمین پر دے پٹکا - پھر اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا ' مگر خسرو خاں نے بادشاہ کے بالوں کو نہ چھوڑا - ان کو اپنے ھاتھ میں لئے بل ھی دیتا رھا ' اتنے میں جاھریا जाहरपा آ پہونچا - اسے دیکھ کر خسرو خاں نے چیخنا شروع کیا - جاھریا نے ایک تیر بادشاہ کے سینے پر تاک کر مارا ' اور بال پکڑ کر اس کو خسرو خاں کے سینے سے گھسیٹ لیا اور زمین پر گراکر سر کاٹ ڈالا - دھڑ کو محل کی چھت پر سے نیچے صحن میں پھینک دیا - اُس وقت سارے محل پر ھندوں کا قبضہ ھو گیا - فتحمندی کی خوشی میں انہوں نے چراغاں کیا - اس قدر روشنی ھوئی کہ رات کا اندھیرا دور ھوگیا ' دن کا سا اُجالا پھیل گیا - خسرو خاں نے اُسی وقت دربار کیا ' امیروں اور وزیروں کو بلا بھیجا جس میں سے ایک ملک فخرالدین جونا خاں بھی تھا - صبح ھوتے ھی خسرو خاں نے اپنی بادشاھت کا اعلان کردیا ' اور سلطان ناصرالدین کا لقب اختیار کرلیا - فرشتہ نے لکھا ھے کہ یہ واقعہ جمعرات کی رات کو [۱] سنہ ۷۲۱ھ کے ربیع‌الاول میں ھوا - ابن بطوطہ کا بیان ھے کہ جس وقت خسرو خاں نے بادشاہ کو قتل کر کے امیروں اور سرداروں کو بلایا تو اُس وقت تک اِن کو اس واقعے کا کچھ علم نہ تھا - جب محل میں داخل ھوئے تو دیکھا کہ خسرو خاں تخت پر بیٹھا ھوا ھے - مجبور ھوکر سب نے اسی کو بادشاہ مان لیا - پھر صبح تک خسرو خاں نے ان کو واپس نہ جانے دیا - صبح ھوتے ھی اس نے چاروں طرف اپنی بادشاھت کا اعلان کرا دیا - اور دور دور امیروں کے نام پروانے بھیجے اور خلعت بھی روانہ کئے - سب نے خسرو خاں کی اطاعت منظور کرلی - لیکن دیپالپور کے حاکم غازی ملک کی تیور پر شروع ھی سے بل تھے ' جب اس کے پاس خسرو کا خلعت پہونچا تو اس نے ایک کہی نہ دو خلعت کو اتھا کر پھینک دیا ' اور خسرو خاں کی تحقیر میں کوئی دقیقہ اتھا نہ رکھا - بات یہ تھی کہ غازی ملک سلطان قطب‌الدین مبارک شاہ کو اپنا آقا اور مالک جانتا تھا اور اس کا بڑا احترام کرتا

[۱] -- اپریل سنہ ۱۳۲۱ م -

تھا - جس دن سے اُس نے سلطان کے قتل کی خبر سنی تھی اسی دن سے بدلہ لینے کی ٹھان لی تھی - لیکن کر کچھ نہ سکتا تھا ' مجبور تھا ' اس کا بیٹا جونا خاں دربار میں ملازم تھا - اور خسرو خاں کے بس میں تھا - غازی ملک بڑے قبیلے والا اور غیرت دار سردار تھا خسرو خاں کے ظلم و ستم کا حال سن سن کر اس کو طیش آتا اور جب یہ سنتا کہ خسرو نے علائی اور قطبی غلاموں کو چن چن کر قتل کردیا ' اور ان کی عورتوں اور بچوں کو ہندوؤں کے حوالے کردیا ' اور جس جس سے اس کو خطرہ نظر آیا اسے بے دریغ تہ تیغ کیا ' یہاں تک کہ سلطان علاءالدین کے بھانجے ملک نصرت کو بھی جو عرصے سے دنیا کو چھوڑ کر فقیر ہوگیا تھا نہ چھوڑا اور قتل کر ڈالا - شاہی حرم پر بھی ہاتھ صاف کیا سلطان علاءالدین کی بیٹی اپنے بھائی کو دے دی . اور سلطان قطب‌الدین کی ملکہ کو خود بٹھا لیا ' اور بادشاہ اور بادشاہ کے استاد قاضی خاں کے قاتل جاہریا जाहरया کو موتیوں کے ہار پہنائے اور اپنے ماموں رندھول रनधोल کو سرفراز کر کے رائے رایاں کا خطاب دیا اور قاضی خاں کا سارا گھر بار اسے بخش دیا ' اور بت پرستی شروع کرادی اور قرآن کو ذلیل کر دیا تو تغلق کے تن بدن میں آگ لگ جاتی - دل ہی دل میں کہتا " الٰہی ! کیوں‌کر اپنے آقا کے خون کا بدلہ لوں - چاروں طرف پرواریوں کا غلبہ ہے - ایسا نہ ہو کہ میں ادھر ان کے مقابلے پر اٹھوں اور اُدھر یہ میرے بیٹے اور کلیجے کے ٹکڑے جونا پر ہاتھ صاف کردیں " - ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ غازی ملک تغلق نے ملتان کے حاکم کشلو خاں کو لکھا " خان ! خسرو خاں نے جتنی زیادتیاں کیں ' جتنے بھی ستم توڑے ' اور جو ظلم ڈھائے وہ تم نے دیکھ ہی لئے ' میں بھی دیکھتا رہا - لیکن اب ضبط نہیں ہوسکتا - میں نے اس ظالم کا تختہ الٹ دینے کی ٹھان لی ہے - تم کو بھی چاہیے کہ میرا ساتھ دو ' اور سلطان قطب‌الدین مبارک شاہ کے خون کا بدلہ لینے میں میری مدد کرو " - کشلو خاں نے جواب دیا " غازی ملک تغلق کو معلوم ہو کہ مجھے تم سے پورا اتفاق ہے - لیکن جان بوجھ کر اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا نہیں جاتا - اگر میرا بیٹا خسرو خاں کے پاس نہ ہوتا تو میں بیشک تمہاری مدد کرتا " - اس پر غازی ملک نے اپنے بیٹے جونا خاں کو ایک خط لکھا جس کا مطلب یہ تھا " پیارے بیٹے ! جب سے بد بخت خسرو خاں ہمارے آقا اور محسن سلطان قطب‌الدین

مبارک شاہ کو قتل کر کے دھلی کے تخت پر بیٹھا ھے ' میری آنکھوں میں خون اتر رھا ھے - اس کے ھاتھوں اسلام کی بے حرمتی دیکھ دیکھ کر اور شاھی حرم کی مصیبتیں سن سن کر مجھ میں ضبط کا یارا نہیں - میں چاھتا ھوں کہ اپنا خون بھی شہیدوں کے خون میں ملادوں ' اور اس ظالم کو اس کے ظلم کا مزا چکھا دوں - مگر بیٹا ' تم مجھ سے دور ' اور اس خونخوار ' بد کردار کے حضورمیں ھو - تمہارے بغیر اگر میںنے کچھ کیا بھی تو مجھے اندیشہ ھے کہ یہ بد انجام تم کو زک پہونچانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیگا - خیر - اب میں تم ھی سے مشورہ لیتا ھوں ' کیا کروں ؟ اور کیوںکر کروں ؟ کیا ایسا ھوسکتا ھے کہ تم کسی طرح اس ظالم کے پنجے سے نکل آؤ ' اور ساتھ میں کشلو خاں کے بیٹے کو بھی لیتے آؤ ' وہ بھی تمہاری طرح خسرو خاں کے دربار میں ھے ''- باپ کا یہ خط بیٹے کو ملا تو اس نے فوراً یہ جواب لکھا '' بابا جان ! آپ کا خط ملا ' آپ کا حکم دل سے بجا لاؤنگا ' عنقریب میں خود بھی آپ کی خدمت میں حاضر ھوتا ھوں اور اپنے ساتھ کشلو خاں کے لڑکے کو بھی لاتا ھوں '' - اُدھر یہ خط بھیجا - اِدھر جونا خاں اپنی رھائی کی تدبیر کرنے لگا - خسرو خاں اُس کا بہت خیال رکھتا تھا ' چاھتا تھا کہ جونا خاں ھی کے ذریعے اس کے باپ پر داؤں چل جائے - اس غرض سے اُس نے جونا خاں کو آخر بیگی کے عہدے پر برقرار رکھا تھا اور اسے مالا مال کر کے دربار میں اس کا وقار بڑھا دیا تھا ' اور اس کو شاھی اصطبل کا داروغہ بھی بنا دیا تھا - بادشاہ کے سب گھوڑوں کی دیکھ بھال اسی کے سپرد تھی - ایک روز خسرو خاں نے اس سے یہ کہا کہ '' گھوڑے موٹے ھوگئے ھیں اور بدن ڈالتے چلے جاتے میں - تم ان سے محنت لو '' - جونا خاں کو موقع مل گیا - وہ ھر روز گھوڑے لے کر پھیرنے جانے لگا - کبھی ایک گھنٹے میں واپس آ جاتا - کبھی دو گھنٹوں میں - اور کبھی تین چار گھنٹوں میں آتا - ایک روز دوپہر ڈھل گئی اور جونا خاں واپس نہ آیا - بادشاہ نے سواروں کو حکم دیا کہ خبر لائیں - سواروں نے چاروں طرف تلاش کیا - کچھ پتہ نہ چلا - آخر واپس آ کر کہا '' اَن داتا - جونا خاں کا کہیں پتہ نہیں لگتا '' - خسرو خاں نے تحقیق کی تو معلوم ھوا کہ وہ اپنے باپ کے پاس دیپالپور بھاگ گیا اور اس کے ساتھ کشلو خاں کا بیٹا بھی چلا گیا -

جونا خاں ابھی ملتان کی نواح میں تھا کہ سرستی کے مقام پر محمد سرتابہ سے ملاقات ھوئی - محمد سرتابہ غازی ملک کی فوج کا سردار تھا -

اس کو غازی ملک نے دو سو سواروں کے ساتھ دیبالپور سے بھیج دیا تھا ' اس غرض سے کہ بڑھ کر دیکھے - جونا خاں آتا ہو تو اس سے جاملے اور حفاظت سے اس کو دیبالپور تک پہونچا دے - سرتابہ دیبالپور سے چل کر سرستی میں آیا - پہلے تو سرستی کے قلعے پر قبضہ کر لیا اور پھر بڑھ کر جونا خاں سے ملا - اور وہاں سے جونا خاں کے ساتھ ہو لیا اور اسے دیبالپور جا پہونچایا - باپ کی محبت بھری نگاہوں بیٹے پر پڑیں بیٹے کو صحیح سالم دیکھا تو دل باغ باغ ہوگیا - خدا کا شکر ادا کیا - خیر خیرات کی - تاریخ فیروز شاہی میں کشلو خاں کے بھتیجے کا کچھ ذکر نہیں - مگر تاریخ مبارک شاہی میں صاف لکھا ہے کہ جونا خاں اپنے ساتھ کشلو خاں کے بھتیجے کو بھی لایا تھا - یہی ابن بطوطہ کی عبارت سے ظاہر ہے - اب غازی ملک نے جنگ کی تیاریاں شروع کردیں - کشلو خاں اپنی فوج لے کر آ موجود ہوا - اور بھی بہت سے امیر اچھ سے ' سیوستان سے ' ملتان سے ' سامانہ سے ' اپنے اپنے دستے لے کر آ گئے - غرض ایک بڑا لشکر جمع ہوگیا جسے لے کر غازی ملک سرستی کے طرف روانہ ہوا -

خسرو خاں کو یہ خبر ملی تو گھبرا گیا اور اپنے بھائی خان خاناں کو ایک لشکر کا سردار بنا کر دیبالپور کی طرف روانہ کیا ' اور صوفی خان امیر کو بھی اس کے ہمراہ کردیا - پر یہ دونوں کم عمر تھے اور بالکل ناتجربہ کار - بھلا جھینگوں کا اژدر سے کیا مقابلہ ؟ تغلق کی ہیبت اژدر سے کم نہ تھی - اس کی دہشت سے سارا ہندوستان ' خراسان ' اور مغلستان لرز رہا تھا - بہرحال خان خاناں اور صوفی خاں دونوں مقابلے کی غرض سے چلے - راستے میں صوفی خاں بڑے بڑے اور مشہور درویشوں اور صوفیوں سے ملتا جاتا اور خسرو خاں کی فتح کے لئے دعائیں کراتا - خسرو خاں کی فوجیں سرستی پہونچیں تو دیکھا کہ سرستی کے قلعے پر غازی ملک نے قبضہ کر لیا ہے - خان خاناں کی اور صوفی خاں کی ہمّت نہ ہوئی کہ اس قلعے کو دشمنوں سے چھین لیں - جان بوجھ کر سرستی کو دشمن کے قبضے میں چھوڑ کر آگے بڑھ گئے ' جب غازی تغلق نے یہ سنا کہ خسرو خاں کا لشکر سرستی سے گزر کر دیبالپور کے قریب آ پہونچا ہے تو وہ اپنی فوجوں کو لے کر دیبالپور سے نکلا اور دریائے سرستی کے پار جا اُترا ' وہاں ایک وسیع میدان میں سرستی اور دیبالپور کے درمیان اپنا لشکر جا اُتارا - دوسرے روز لڑائی چھڑ گئی -

غازی ملک نے ایک ہی حملے میں خسرو خانیوں کے منھ پھیر دیئے - خسرو خاں کا لشکر بھاگ گیا ' اور اس کا سارا مال تغلق کے ہاتھ آیا - غازی ملک نے ایک ہفتے اسی میدان میں قیام کیا - پھر اپنے لشکر کو درست کر کے دھلی کی طرف بڑھا -' جب یہ خبر خسرو خاں کو ملی تو اُس نے خود مقابلے کا قصد کیا - ضیاالدین برنی کا خیال ہے کہ خسرو خاں کو پہلے ہی سے اس مہم کا انجام اچھا نظر نہ آتا تھا - اس سبب سے چلتے وقت اس نے کل شاہی خزانے اپنے ہمراہ لے لئے اور آنکھ بند کرکے لٹانے لگا - سپاہیوں کو مالا مال کر دیا - مقصد یہ تھا کہ اگر تغلق کو جیت ہو بھی جائے تو خزانے کی جھنجی کوڑی اُس تک نہ پہونچے - لشکریوں کا یہ حال تھا کہ روپیہ پیسہ تو خوشی خوشی خسرو خاں کے ہاتھ سے لے لیتے مگر لیتے ہی اپنے گھر کی راہ لیتے ' اور دل ہی دل میں خسرو خاں کو لعنت ملامت کرتے جاتے - ان کو یقین سا ہوگیا تھا کہ اس جنگ میں فتح غازی ملک کی ہوگی -

جمعرات کے دن غازی ملک اندرپت کے قریب پہونچا - رات کو وہیں ڈیرہ ڈالے پڑا رہا - صبح کو جمعہ کے دن اندرپت سے روانہ ہوا ' اور لہراوت کے میدان میں پہونچ کر اس نے اپنا مورچہ جما دیا - دن ڈھلے لڑائی شروع ہوئی اور تیسرے پہر تک فوجیں ایک دوسرے کے مقابلے پر اڑی رہیں - لڑائی کا بازار گرم تھا کہ عصر کی نماز کا وقت آگیا - غازی ملک نے لڑائی کے میدان میں تلواروں کی چھاؤں میں عصر کی نماز پڑھی - نماز سے فارغ ہو کر وہ بپھرے ہوئے شیر کی طرح خسرو خاں کے لشکر پر جا پڑا - لشکر کے بیچو بیچ پہونچ کر اس نے ایک حملہ کیا جس کی تاب خسرو نہ لاسکا - اس کا دل ٹوٹ گیا ' اور لشکر تہ و بالا ہوگیا - خسرو خاں کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے - بھیس بدل کر لشکر گاہ سے نکلا ' اور تلپت کی طرف بھاگ گیا - اس کے ساتھی بھاگ بھی نہ سکے - ناچار غازی ملک کی طرف جھکے - اور خسرو خاں کا کل ساز سامان غازی ملک کے سامنے لا کر رکھ دیا ' اور معافی کے خواستگار ہوئے - شام ہوگئی تھی - غازی ملک اپنی لشکر گاہ میں پہونچا اور رات کو وہیں آرام کرنا چاہا - فوجوں کو واپسی کا حکم دے دیا - سپاہی فتح کی خوشیاں مناتے ہوئے میدان سے نکلے اور جُھٹ پٹے کے وقت اندرپت میں پہونچے - رات کو وہیں آرام کیا - یہ رات ان کے لئے تو بڑے چین کی تھی مگر

خسرو خاں کے لئے بےچینی کی - وہ گرتا پڑتا پہلے تو تلپت پہونچا - وہاں پناہ نہ ملی تو مُڑا اور کچھ دور چل کر ملک شادی کے باغ میں جا چھپا - جوں توں کرکے رات کٹی مگر پو پھٹتے ہی اجل سر پر آگئی - دشمن پیچھے لگے ہوئے تھے - انھوں نے پتہ لگا لیا اور پکڑ کر قتل کردیا [۱] -

خسرو خاں کے قتل سے فراغت ہوگئی تو غازی ملک لشکر گاہ سے پایۂ تخت سیری کی طرف روانہ ہوا - اُس وقت اُس کے ساتھ بڑی جماعت تھی - راستے میں اور بھی بہت سے امیر آملے - غازی ملک سیری پہونچ کر ہزار ستون محل میں داخل ہوا - وہاں بہت سے امیر اور سردار جمع تھے - تغلق اُنھیں میں جا ملا - اُس وقت بڑی خاموشی تھی ، اُداسی سی چھائی ہوئی تھی ، معلوم ہوتا تھا کہ گویا صفِ ماتم بچھ گئی ہے - غازی ملک علائی خاندان کی مصیبتیں یاد کر کرکے رونے لگا - اور بھی سب رونے لگے - جب گریہ کم ہوا تو تغلق نے خدا کا شکر ادا کیا اور سب سے مخاطب ہوکر کہا - " صاحبو ! میں سلطان علاءالدین اور سلطان قطب‌الدین کا نمک خوار اور

[۱]—یہاں ابن بطوطہ نے ضیاالدین برنی سے اختلاف کیا ہے - اس کا بیان کیا ہے کہ " خسرو خاں اور غازی ملک کے درمیان لڑائی شروع ہوگئی تو ہندوؤں نے جو خسرو خاں کے لشکر میں تھے بڑی جرأت سے مقابلہ کیا - نتیجہ یہ ہوا کہ غازی ملک کے لشکر میں بھاگڑ پڑگئی اور اس کا ڈیرہ لٹ گیا " - اس وقت غازی ملک نے لشکر کے سرداروں کو جمع کیا اور کہا " یارو - اب بھاگنے سے بھی تمھاری جانیں بچ نہیں سکتیں - مرنا تو ایک نہ ایک دن ہے ہی - بہتر یہ ہے کہ لڑائی کے میدان میں پہلے دشمن کو مارو پھر مرو " اس تقریر سے سرداروں میں جوش پیدا ہو گیا - بھاگتا ہوا لشکر پھر سمٹا اور خسرو خاں پر جا پڑا - بڑے گھمسان کا رن پڑا - خسرو خاں کے سپاہی مقابلے پر ٹھہر نہ سکے جس کا جدھر منہ اُٹھا چلا گیا - خسرو اکیلا رہ گیا - ناچار گھوڑے سے اُترا - ہتھیار اُتار کر پھینک دیئے ، اور فقیروں کا بھیس بناکر سر کے بال پیچھے لٹکا لئے - اور بھاگ کر ایک باغ میں چھپ گیا - اس عرصے میں اُمرا تغلق کو مبارک باد دینے جوق جوق آنے لگے اور تغلق شہر کی طرف روانہ ہوگیا - شہر کے کوتوال نے آکر سرکاری خزانے کی کنجیاں اُس کے حوالے کردیں - کنجیاں لے کر تغلق ہزار ستون محل میں آیا - وہاں گھوڑے سے اُترا اور ایک مقام پر بیٹھ گیا اور کشلو خاں سے کہا " تم بادشاہ بن جاؤ " کشلو خاں نے انکار کیا اور کہا " نہیں - آپ ہی بنئے " - دونوں میں تکرار ہونے لگی - آخر کشلو خاں بولا - " خیر تم نہیں بنتے تو تمھارا بیٹا بنا دیا جائے گا - ہم اسی کو تخت پر بٹھائیں گے اور بادشاہ تسلیم کرلیں گے " یہ بات غازی ملک کو پسند نہ آئی - اس نے بادشاہ بننا منظور کرلیا ، اور فوراً تخت پر بیٹھ گیا - سب نے اس کی بادشاہت کو مان لیا -

ان کا ایک ادنی غلام ہوں - ان کی سلطنت برباد ہوتے اور ان کی نسل مٹتے دیکھی تو میرے خون میں جوش آیا - جوش کی حالت میں میں اپنی جان سے ہاتھ دھو کر اُٹھ کھڑا ہوا - اپنے مال اور اپنے بال بچوں کو میں نے خطرے میں ڈال دیا ' اور حق کی حمایت میں تلوار کھینچ لی - آخر خدا نے مدد کی ' اور ظالموں سے میں نے بدلہ لے لیا - اب بادشاہت کا سوال در پیش ہے اس کے بارے میں یہ کہتا ہوں کہ تم سب علائی اور قطبی امیر ہو ' سلطان علاءالدین اور سلطان قطب‌الدین کے درباری ہو ' واقف کار ہو ' جیسا چاہو کرو اگر شاہی خاندان میں سے کوئی شہزادہ باقی ہو تو اُسے لے آؤ ' اور اُسی کو تخت پر بیٹھا دو ' بادشاہ بنا دو - میں اس کے سامنے غلاموں کی طرح کمر باندھ کر کھڑا ہو جاؤں‌گا اور ہر طریق سے اس کی اطاعت کروں گا لیکن اگر دشمن کے ہاتھوں شاہی خاندان تباہ ہو چکا ہے اور تخت کا حقیقی وارث کوئی باقی نہیں بچا تو تمہیں اختیار ہے جس کسی کو بادشاہت کے لایق سمجھو چن لو - میں بھی اُسی کو بادشاہ تسلیم کر لوں‌گا - یقین جانو - میں نے جو کچھ کیا سلطنت کے لالچ سے نہیں کیا - میری اصلی غرض یہ تھی کہ قاتلوں سے اپنے مالک کے خون کا بدلہ لوں اور مظلوموں کی فریاد کو پہنچوں - خدا کا شکر ہے وہ پوری ہو گئی......" - اتنا کہہ کر غازی ملک تو چپ ہوگیا مگر اور سب ایک زبان ہوکر بولے " صاحب ! علائی اور قطبی خاندان میں سے تو کوئی بھی نہیں بچا - جس روز سلطان قطب الدین قتل ہوا اسی روز سے خسرو خاں کا راج اور پرواریوں کا دور دورا ہوگیا تھا ' اور اِس دم تک جو بدامنی پھیل رہی ہے وہ ظاہر ہے - ہر طرف سے فتنے اور فساد کی گھٹائیں اُمڈی چلی آتی ہیں - یہ بھی آپ ہی کے کئے دور ہوں گی - ہماری رائے میں بادشاہت آپ ہی کے لئے موزوں ہے - آپ میں وہ سب خوبیاں موجود ہیں جو ایک بادشاہ میں ہونی چاہئیں ' اور آپ کا تو ہم پر احسان بھی ہے - اتنے عرصے تک آپ ہمارے ملک کو مغلوں کے حملوں سے بچاتے رہے ' اور اب بھی آپ ہی نے ہم کو پرواریوں اور ہندوں کے پنجوں سے چھڑایا ہے - سچ یہ ہے کہ اس بھرے مجمع میں بادشاہت کی لیاقت ہمیں سوائے آپ کے کسی ایک میں بھی نظر نہیں آتی " - اتنا کہہ کر چند بڑے بڑے سردار اُٹھ کھڑے ہوئے اور غازی ملک کا ہاتھ پکڑ کر انہوں نے اس کو تخت پر جا بٹھایا - غازی ملک نے بادشاہت منظور کرلی اور سلطان غیاث‌الدین کا لقب اختیار کیا -

تخت نشینی کے بعد سلطان غیاث الدین تغلق تن من سے سلطنت کے کاموں ، مصروف ہوگیا ، اور ہر طریقے سے ملک کی بہتری اور رعایا کی بہبودی کی کوشش کرنے لگا - خسرو خاں کی غلط کاریوں کے سبب جو بدنظمی پیدا ہو گئی تھی اُسے دور کرنے کی تدبیریں سوچنے لگا - یہ بات غور کے قابل ہے کہ سلطان غیاث الدین نے صرف خسرو خاں کے قتل پر کفایت کی حالانکہ اُس کے جرموں میں بہت سے پرواری اور ہندو شریک تھے - بہتیرے ہندو خسرو خانی لشکر میں ایسے تھے جو غازی ملک کو قتل کرنے کی غرض سے سیری سے نکلے تھے اور اُس سے لڑے بھی تھے - ان سب کو سلطان تغلق شاہ نے معاف کر دیا ، اور کسی کو ایذا نہ دی - سرکاری روپیہ جو خسرو خاں نے برباد کر دیا تھا بہزار دقت و دشواری وصول کیا ، بدمعاشوں اور بدکاروں کو سزا دیں ، نیکوں کے ساتھ نیک سلوک کیا اور نرمی سے پیش آیا ، مستحقوں کو بڑے عہدے اور اعلیٰ منصب دئیے ، اور خطاب عطا کئے - بہرام ایبہ [۱] کو کشلو خاں کا خطاب دے کر ملتان کا حاکم بنایا ، اپنے منھ بولے بیٹے تتار ملک کو تاتار خاں کا خطاب دے کر ظفرآباد کا حاکم بنایا ، اپنے بھتیجے ملک اسد الدین کو باربک کا خطاب دیا ، اور اپنے بھانجے ملک بہاالدین کو عرض ممالک کا عہدہ دے کر سامانے کا حاکم بنایا - اسی طرح اور بھی بہت سے آدمیوں کو ان کی لیاقت اور قابلیت کے مطابق عہدے دئیے -

سلطان غیاث الدین تغلق کا دستور تھا کہ جب تک کسی شخص میں خاص قابلیت یا جوہر نہ دیکھ لیتا اُس وقت تک اسے کوئی عہدہ نہ دیتا - اس بادشاہ کی عطا و سخاوت محل اور موقع کے مطابق ہوا کرتی - وہ کبھی کسی قابل آدمی کو بیکار رکھ کر اُس کی بےقدری نہ کرتا - نہ کبھی کسی نالایق آدمی کو دولت و حکومت دے کر سر چڑھاتا - یہی حال اس کا اپنی اولاد کے ساتھ تھا - خدا نے اسے علاوہ بیٹیوں کے پانچ بیٹے دئیے تھے - وہ سب سے یکساں محبت کرتا - مگر اُس کی متجسس نگاہوں نے جونا خاں میں فضیلت اور بزرگی کے کچھ جوہر ایسے دیکھ لئے تھے کہ اسی کو اس نے اپنا ولیعہد بنا لیا -

---

[۱]—بہرام ایبہ وہ شخص ہے جس سے تغلق نے خسرو خاں کے خلاف مدد چاہی تھی - اسی بہرام ایبہ کے لڑکے کو جونا خاں اپنے ساتھ دشمنوں کے پنجوں سے نکال کر لایا تھا -

الغ خاں کا خطاب دیا اور خطاب کے ساتھ ساتھ چتر عنایت کیا - باقی شہزادوں کو بھی محروم نہ رکھا ' انعام اکرام سے ان کو خوش کر دیا اور خطاب عطا کئے - ایک کو بہرام خاں کا ' دوسرے کو ظفر خاں کا ' تیسرے کو محمود خاں کا اور چوتھے کو نصرت خاں کا -

تیسرا باب

تیسرا باب

ولیعہدی

ہونہار اور سعید بیٹے کو ولیعہد بنا چکا تو سلطان غیاث الدین تغلق نے اسے اپنی افضلیت ثابت کرنے اور مردانگی کے جوہر دکھانے کا موقع دیا - وارنگل کے حاکم لدر دیو نے بغاوت کا جھنڈا بلند کر دیا تھا ' اور خراج دینے سے انکار کر دیا تھا ' بادشاہ نے ولیعہد کو ایک بڑا لشکر عطا کرکے وارنگل کی طرف روانہ کیا -

وارنگل کی پہلی مہم

بادشاہ نے عہد علائی کے نامی سورما اور اپنے خاص آزمودہ کار سپہ‌سالار شہزادے کے ہمراہ کئے ' اور چندیری - بداؤں اور مالوے کی فوجیں بھی اس کے ساتھ کر دیں - شہزادہ جب دیو گڑھ پہونچا تو وہاں سے اور بھی بہت سے بہادر اور صف شکن ساتھ لئے - مہینوں کی راہ کو شہزادے نے ہفتوں میں طے کیا اور تلنگانے میں داخل ہوکر وارنگل کے قلعے پر حملہ کر دیا - راجہ لدر دیو مارے خوف کے قلعے کے اندر جا بیٹھا - شہزادہ الغ خاں نے قلعے کا محاصرہ کر لیا - یہ قلعہ دوہرا تھا - ایک اندر کی طرف اور دوسرا باہر کی جانب ' اندر کا قلعہ پتھر کا تھا ' باہر کا مٹی کا - مٹی کا قلعہ پتھر کے قلعے سے زیادہ مضبوط سمجھا جاتا تھا - اسی کے اندر راجہ نے پناہ لی تھی - شاہی لشکر عرصے تک اس قلعے کو گھیرے رہا - مگر قلعہ فتح نہ ہوا - لشکر میں رسد کی ضرورت پڑی تو الغ خاں نے اپنی کچھ فوج رسد لانے کی غرض سے تلنگانے کے اور شہروں میں بھیج دی اور سپاہیوں کو ہدایت کر دی کہ شہروں کو خوب لوٹیں - لوٹ مار کے ذریعے لشکر میں رسد پہونچ گئی تو سپاہی جان توڑ کر لڑے ' آگ برسائی گئی ' گوپھیوں اور کلوں کے ذریعے قلعے پر پتھروں کی بوچھار ہوئی لیکن قلعے

پر کچھ اثر نہ ہوا - ہر روز قلعے کے اندر سے ہتھیار بند سپاہی جنگ کے لئے نکلتے اور شاہی فوجوں کے ساتھ لڑائی میں جُت جاتے اور خوب کس بل دکھاتے - قلعے کے اندر سے راجہ کے سپاہی شاہی لشکر پر اکثر آگ برساتے - ادھر سے بھی بچاؤ کی ترکیبیں کی جاتیں - حملے بھی ہوتے - دونوں طرف قتل و غارت کے سامان تھے - خون کی ندیاں بہ رہی تھیں - آخر قلعے کی بیرونی فصیل پر جو مٹی کی بنی ہوی تھی شہزادے کا قبضہ ہوگیا - یہ دیکھ کر راجہ ڈرا اور اس نے اپنے سیٹھوں اور ٹھاکروں کو بھیج کر الغ خاں سے صلح کی درخواست کی - جنگ کے مصارف ادا کرنے ' نذرانہ پیش کرنے اور آیندہ خراج بھیجتے رہنے کا وعدہ کیا اور بہت کچھ سبز باغ دکھائے - پر اللہ رے الغ خاں کا عزم ! وہ ڈٹا ہی رہا - اس نے دولت لینے سے انکار کر دیا اور قلعے کو فتح کر لینے کا اُس نے مصمم ارادہ کر لیا مگر انجام کی خبر نہ تھی - دھلی سے ڈاک آنی بند ہو گئی - یا تو ہفتے میں دو تین مرتبہ دربار سے فرمان آیا کرتے تھے اور بادشاہ کی خیریت معلوم ہوتی رہتی تھی یا ایک مہینہ گزر گیا - دھلی سے نہ خیر ہے نہ خبر - الغ خاں نے خیال کیا کہ راستے میں کچھ بدنظمی ہو گئی ہے - تھانے چوکی کا انتظام اچھا نہیں - اس سبب ڈاک رک گئی ہے - لیکن کیمپ میں طرح طرح کی افواہیں اڑنے لگیں ' جتنے منہ اتنی باتیں - عبید شاعر - سعد فلسفی اور شیخ زادۂ دمشقی تو زمین آسمان کے قلابے ملانے والے تھے ہی ' دم کے دم میں یہ پھونک دیا کہ سلطان غیاث الدین تغلق کا دھلی میں انتقال ہوگیا - یہ خبر آناً فاناً لشکر میں پھیل گئی - خبر کا پھیلنا تھا کہ شورش مچ گئی ' یہ اڑ گئی کہ دھلی کے تخت پر کوئی اور قبضہ کر بیٹھا ہے - عبید شاعر اور شیخ زادۂ دمشقی نے اسی پر بس نہیں کی بلکہ مل کر ملک تمر ' ملک تگین اور ملک مل افغان جیسے بڑے بڑے سرداروں کے پاس پہونچے اور کہا " تم لوگ عہد علائی کے پرانے اور تجربہ کار سپہ‌سالار ہو ' تمہاری طرف سے الغ خاں کو خوف ہے ' وہ دھلی کے تخت پر بیٹھنا چاہتا ہے لیکن تمہاری طرف سے اُس کو کھٹکا ہے ' وہ سمجھتا ہے کہ سلطنت پر تمہارا دانت ہے ' اور بات ہے بھی یہ کہ تم چاہو جسے تخت پر بٹھا دو ' تو بس سمجھ لو اب تمہاری خیر نہیں - اُلغ خاں نے تمہارے قتل کی ٹھان لی ہے ' دن رات وہ اسی فکر میں لگا ہوا ہے - ہمارا تو یہ خیال ہے کہ کوئی گھڑی کی دیر ہے موقع پا کر وہ ایک ہی ہلّے میں تم سب کو

پکڑ لے گا اور ایک ہی تلوار سے تم سب کی گردنیں اُڑا دے گا" - ان کو اس بات کا یقین آ گیا ' اور یقین کیوں کر نہ آتا ؟ عبید شاعر اور شیخ زادۂ دمشقی دونوں ہر وقت شہزادے کے ساتھ ساتھ رہا کرتے تھے - لوگوں کا گمان تھا کہ یہ دونوں شہزادے کے ارادوں اور منصوبوں سے واقف ہیں - غرض وہ سب اپنی اپنی جانیں بچانے کی فکریں کرنے لگے - انہوں نے شہزادے کا ساتھ چھوڑ دیا ' اور رسالے لے لے کر لشکر سے نکل آئے ' ان کا نکلنا تھا کہ قیامت آ گئی ' لشکر میں بھاگڑ پڑ گئی ' نفسی نفسی ہوگئی ایک کو دوسرے کی خبر نہ رہی - راجہ کے سپاہیوں کی جو قلعے کے اندر بند تھے مراد بر آئی ' وہ حملہ کرکے باہر آ گئے - اور شاہی لشکر کا ساز و سامان جو کچھ ان کے ہاتھ پڑا لوٹ کر لے گئے - الغ خاں دشمنوں میں گھر گیا ' مجبور ہو کر بھاگا اور دیو گڑھ کا رخ کیا ' رستے ہی میں تھا کہ بادشاہ کے قاصد دہلی سے آتے ہوئے ملے - بادشاہ کی سلامتی ' دربار کی خیریت اور گھر بار کی عافیت کی خبر سنائی - ملک تگین اور ملک تمر وغیرہ میں جو شہزادے سے منہ موڑ کر اور اس کے لشکر کو چھوڑ کر جوڑ توڑ میں جا لگے تھے پھوٹ پڑگئی ' ان کے ساتھی اُن سے پھر گئے ' جدھر جس کا منہ اُٹھا نکل گیا - تلنگانے کے دشمنوں کو موقع ملا تو بڑھ کر اُنھوں نے بھگوڑوں پر حملہ کر دیا - ان کا مال اسباب لوٹ لیا ' ان کے گھوڑے چھین لئے اور ہتھیار ہتھیا لئے - شہزادے کی بگڑی بن گئی - دہلی کی خیریت سن لی تو جان میں جان آئی - محاصرہ اُٹھ ہی چکا تھا - بنا کام بگڑ چکا تھا ' لشکر بکھر چکا تھا ' دشمن سُدھر چکا تھا ' الغ خاں نے یہی بہتر سمجھا کہ دیو گڑھ پہونچ جائے - دیو گڑھ پہونچا تو نحوست دور ہوئی ' ہر طرف دھرم ہوئی ' باغیوں کے سر پر آبنی - ملک تمر تو اپنے چند ساتھیوں کو لے کر ہندوانے کی طرف نکل گیا اور وہیں مرگیا - ملک تگین کو اودھ کے ہندؤں نے مار ڈالا ' اور اس کی کھال کھینچ کر شہزادے کے پاس دیو گڑھ بھیج دی - ملک مل افغان ' عبید شاعر اور بعض اور باقی گرفتار ہوئے ' ان کے بال بچّے بھی پکڑے گئے - اور سب دیو گڑھ بھیج دئے گئے - شہزادے نے ان کو اسی طرح بادشاہ کی خدمت میں دہلی پہونچا دیا ' وہاں بادشاہ نے دربار عام کیا اور بھرے مجمع میں بعض مجرموں کو سولی پر چڑھوا دیا ' باقیوں کو بال بچّوں سمیت ہاتھیوں کے پاؤں سے کچلوا دیا - عبید شاعر کو قتل کرادیا ' ملک کافور کے لئے ایک

نوک دار سیدھی لکڑی زمین میں گڑوادی ' اور اس کا سر نیچے کی طرف کر کے وہ لکڑی اس کی گردن میں چبھودی - لکڑی کا نوک دار سرا اُس کے بدن کو چھیدتا ہوا اس کی پسلی سے باہر نکل گیا - اس روز دھلی میں قیامت سی برپا تھی - مصیبت کے مارے مجرم چیخ رہے تھے اور فریادیوں کی فریادوں سے زمین ہل رہی تھی - دھلی والے اس ہولناک منظر کو دیکھ دیکھ کر کانپے جاتے تھے اور بادشاہ کے غصّے سے پناہ مانگ رہے تھے [۱] -

[۱]—اس مہم کا جو بیان ابن بطوطہ نے دیا ھے وہ سب سے الگ ھے - اس نے لکھا ھے کہ جب شہزادہ تلنگانے میں پہونچا تو اس نے بغاوت کا ارادہ کیا - عبید شاعر جو فقہ کے اصول سے اور مسئلے مسائل سے واقف تھا شہزادے کا مصاحب تھا ' شہزادے نے اس سے مخاطب ہوکر کہا " عبید ' تم لوگوں تک یہ خبر پہونچادو کہ بادشاہ کا انتقال ہوگیا " الغ خاں کو یہ اُمید تھی کہ بادشاہ کی وفات کی خبر سن کر لشکر کے سب افسر مجھے بادشاہ تسلیم کرلیں گے مگر اس خبر سے لوگوں کے دلوں میں طرح طرح کے شبہے پیدا ہوگئے - امیروں نے شہزادے کی مخالفت کرنی شروع کردی - بہتیروں نے اس سے علیحدگی اختیار کرلی - بڑے بڑے اور نامی افسروں میں سے کوئی بھی جونا خاں کے ساتھ نہ رہا ' بعضوں نے اس کو قتل کردینے کا ارادہ کرلیا - مگر آپس میں پھوٹ پڑگئی ' یکجہتی سے کام نہ کرسکے ' شہزادے کا وقت ابھی نہ آیا تھا - ملک تیمور نے ان کو شہزادے کے قتل سے باز رکھا - شہزادے کو یہ حال معلوم ہوا تو گبھرا گیا ' جان بچانے کی غرض سے دھلی کی طرف بھاگا - بھاگتے وقت اُس کے ساتھ صرف دس مصاحب تھے جن کو وہ یارانِ موافق کہا کرتا تھا -

ابن بطوطہ کی واقفیت ادھوری ھے اور اس کا بیان ادھورا ھے - اس نے وارنگل کی دوسری مہم کا قطعی ذکر نہیں کیا اور پہلی مہم میں سوائے الغ خاں کی سازش کے کچھ لکھا ھی نہیں - نہ تلنگانے کے راجہ کی بابت کچھ لکھا - نہ اس کی بغاوت کی بابت - نہ جنگ کے متعلق - غور طلب بات یہ ھے کہ یہ واقعات سنہ ۱۳۲۲ اور ۱۳۲۳ عیسوی میں ہوے جب کہ ابن بطوطہ کا سایہ بھی ہندوستان کی سرزمین پر نہ پڑا تھا - تلنگانے کی فتح کے دس سال بعد وہ اس ملک میں آیا ' اُس وقت سلطان محمد کے بدنام کرنے والے بہت سے کھڑے ہوگئے تھے - گلی گلی کُوچے کُوچے میں اس کے ظلم کے چرچے ہونے لگے تھے - ان ھی چرچوں کو ابن بطوطہ نے آکر سنا ' جتنا سنا اور جس طرح سنا وہ اس کے بیان سے ظاہر ھے - ایک پر کے چالیس کوّے بنا دئے گئے - موجودہ زمانے کے بعض مورخین نے ابن بطوطہ کی روایت کو صحیح اور قابل اعتبار سمجھ کر سلطان محمد بن تغلق کو مجرم ٹھیرا دیا ھے - مگر اس بارے میں ضیاالدین برنی کا بیان زیادہ اعتبار کے قابل ھے - وہ وارنگل کی دونوں مہموں کا حال لکھتا ھے - شہزادے کی بغاوت کی خبر کسی طرح چھپ نہیں سکتی تھی - اگر کچھ اصلیت ہوتی تو ضیاالدین برنی اُسے ظاہر کردیتا - ظاہر نہ کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی - اور اگر وہ ظاہر نہ بھی کرتا تو اُس کے بیان میں واقعے کی جھلک آ جاتی - اور اگر اس کے بیان میں نہ آتی تو کسی اور مورخ کے بیان میں آجاتی لیکن

وارنگل کی دوسری مہم

چار مہینے تک الغ خاں دیو گڑھ میں رہا - وہیں بادشاہ نے دہلی سے ایک لشکر اس کی مدد کے واسطے بھیجا جسے لے کر شہزادے نے پھر تلنگانے کا رخ کیا - پہلے بیدر کا قلعہ فتح کیا جو ان دنوں تلنگانے کے حدود میں داخل تھا اور راجۂ وارنگل کے قبضے میں تھا - بیدر کے علاوہ راستے میں اور جتنے قلعے پڑے وہ بھی فتح کرلئے ' پھر وارنگل کے مٹھیالے قلعے کا محاصرہ کر لیا - پتھر برسائے گئے ' تیر مارے گئے - نیزے چلائے گئے ' آگ برسائی گئی ' بڑی کوشش محنت اور جانفشانی کے بعد شہزادے نے دونوں قلعے اندرونی بھی اور بیرونی بھی فتح کر لئے - راجہ لدر دیو مع اپنے ٹھاکروں گرفتار ہوگیا ' اسے الغ خاں نے قدر خاں کے اور حاجی نائب کے ہمراہ دہلی بھیج دیا اور ساتھ ہی تلنگانے کے ہاتھی اور خزانے وغیرہ بھی بھیجے - جونہی اس فتح کی خوش خبری دہلی میں پہونچی وہاں خوشیاں منائی جانے لگیں - قُبّے بنائے گئے - شادیانے بجائے گئے - ضیاالدین برنی نے لکھا ہے کہ اُس دن دہلی میں نو طرح کے نقارے بجے ' پھر شہزادے نے تلنگانے کا نیا انتظام کیا - اس کو کئی حصوں میں تقسیم کر دیا ' اور ہر حصے پر والی ' عامل ' مقطع اور متصرّف مقرر - وارنگل کا نیا نام سلطان پور رکھا - پھر تلنگانے سے ایک سال کا خراج وصول کیا - خراج کی کل رقم دہلی بھیج کر الغ خاں نے اُڑیسہ پر چڑھائی کردی -

اُلغ خاں کی فراخ‌دلی

یہ بات ذکر کے قابل ہے کہ تلنگانے کو فتح کر کے اُلغ خاں نے بڑی فراخ‌دلی ' بردباری ' ہمدردی او فیّاضی سے کام لیا - نہ ہندؤں کو غلام بنایا ' نہ ان کے گھروں کو بے چراغ کیا - نہ محلوں کو برباد کیا - نہ مندروں کو مسمار کیا - نہ عورتوں کی بےحرمتی کی - چاہتا تو سب کچھ کرسکتا تھا ' مگر اُس کی انسانیت نے کمزوروں اور زیر دستوں پر کسی قسم کی زیادتی روا نہ رکھی ' اور اس بات کا الغ خاں نے پورا اہتمام کیا ہوگا ورنہ اُس زمانے کے ترکی سپاہی ایسے نہ تھے کہ موقع ملے اور پھر لوٹ مار سے باز رہیں - تقریباً ستّر برس پہلے دشت قبچاق کے مغل بادشاہ باتو نے کیوک اور ملکو نامی مغلیہ شہزادوں کو بہت سا لشکر

جیسا بیان ضیاالدین برنی کا ہے ویسا ہی فرشتہ کا ہے ' ویسا ہی ملاّ عبدالقادر بدایونی کا ہے ' ویسا ہی نظام‌الدین بخشی کا ہے -

دے کر فتوحات کی غرض سے روس (Russia) اور بلغار (Bulgaria) کی سمت بھیجا تھا - شہزادوں نے وہاں پہونچ کر مدّت تک جنگ کی اور شہر مگس کا محاصرہ کرلیا - جب شہر فتح ہوگیا تو شہزادوں نے قتل عام کا حکم دے دیا ' اور اس پر بس نہیں کی ' قتل کے بعد حکم دیا کہ ہر نعش کا داھنا کان کاٹ ڈالا جائے ' حکم کی فوراً تعمیل کی گئی - آخر میں شمار کیا گیا تو معلوم ہوا کہ دو لاکھ ستّر ہزار آدمیوں کو قتل کیا گیا اور ان کے کان بھی کاٹ ڈالے گئے - شہزادہ الغ خاں نے نہ قتل عام کرایا - نہ مقتولین کے کان کٹوائے - نہ درختوں کو کرایا - نہ آبادی کو ویران کیا - اُس نے تو راجہ کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کیا - بڑے احترام سے اس کو دھلی کی طرف روانہ کیا - اسی احترام کی بدولت دھلی دربار میں راجہ کے مرتبے کا لحاظ کیا گیا - بادشاہ نے بھی راجہ کے ساتھ اچھا سلوک کیا ' اور اس کا راج پاٹ اسی کو بخش دیا - حقیقت یہ ھے کہ تلنگانے کی فتح میں شہزادے کو بڑی مشکلوں کا مقابلہ کرنا پڑا ' اس نے سخت مصیبتیں برداشت کیں ' مگر اس کے ساتھ اس نے غضب - صبر اور استقلال اور بلا کی ھمت و مردانگی کے جوھر بھی دکھائے - تقریباً سوا سو برس [۱]پہلے قطب‌الدین ایبک نے انہلواڑہ فتح کیا اور راجہ بھیم کے لشکر کو شکست دی تھی تو پندرہ ہزار آدمیوں کے علاوہ جو لڑائی میں قتل ہوئے بیس ہزار زندہ گرفتار کئے گئے تھے اور انہلواڑے کو قطب‌الدین ایبک کی فوج نے لوٹ لیا تھا - وارنگل کی مُہمّوں سے کوئی نوّے برس پہلے جب سلطان شمس‌الدین التمش نے مالوے پر حملہ کیا تھا اور بھیلسا اور اُجّین کے قلعے فتح کئے تھے تو اُجّین کو شاھی فوجوں نے لوٹ لیا تھا - اور وھاں کے مندروں کو مسمار کر دیا تھا - سلطان غیاث‌الدین بلبن نے اپنے عہد کے شروع میں کٹھر کے باشندوں کی بغاوت کا حال سنا تو دھلی سے فوجیں لے کر روانہ ہوا - ساتھ گھنٹے کے اندر کٹھر جا پہونچا ' باغیوں کو پسپا کیا اور ان میں سے جتنے مرد تھے انہیں قتل کر دیا - نو برس تک کی عمر والے لڑکوں کو بھی نہ چھوڑا ' اور عورتوں کو زندہ گرفتار کر لیا - کٹھر کے ہر گانوں میں مقتولوں کی نعشوں کے ڈھیر لگ گئے جو کئی روز تک سڑا کئے ' جن سے دور دور تک کی ہوا خراب ہو گئی - الغ خاں کی فوج کشی سے چودہ برس پہلے سلطان علاءالدین خلجی نے ملک کافور کو تلنگانہ فتح کرنے بھیجا

[۱]—سنہ ۱۱۹۷ع میں -

تو اس نے بھی بہت خونریزی کی تھی اس کے بعد سلطان قطب‌الدین مبارک شاہ نے دیوگڑھ پر حملہ کیا تو راجہ ہرپال دیو کو شکست دے کر گرفتار کر لیا ' پھر اسے قتل کرایا اور اس کی کھال کھچوا ڈالی - ان سب کے مقابلے میں شہزادہ اُلغ خاں کی روش کیسی ہے ؟ تعریف کے قابل یا ملامت کے ؟ ناظرین خود اندازہ کرلیں - یہ سب مثالیں بادشاہوں کی ہیں - شہزادوں میں سے اگر کوئی مثال ہے تو علاءالدین خلجی کی - لیکن علاءالدین خلجی اور اُلغ خاں کی روش میں زمین آسمان کا فرق ہے - علاءالدین سلطان جلال‌الدین کی بغیر اجازت دکن چلا گیا تھا - اُلغ خاں باپ کے حکم سے گیا تھا - علاءالدین کا کل کام مکر تھا - اس کا دکنی کارنامہ اُس درد ناک سانحہ کا پیش خیمہ تھا جس میں ستّر برس کے بوڑھے اور بیگناہ بادشاہ جلال‌الدین خلجی کو مانک پور اور کڑے کے درمیان دریاے گنگا کے کنارے بےرحمی اور دغا سے قتل کر دیا گیا - علاءالدین کے سامنے دکن میں دولت پیش کی گئی تو منہہ میں پانی بھر آیا- دولت لے کر واپس چلا گیا ' اور دکن جیسا تھا ویسا کا ویساهی رہا - شہزادہ اُلغ خاں کا دکنی کارنامہ بالکل بر عکس ہے - اس نے اوّل سے آخر تک کل کام نیک نیتی ' دیانت داری ' سعادت مندی اور وفاداری سے کیا - وہ ہوا و ہوس کے پنجے میں گرفتار نہ ہوا - اس کا ضمیر پاک تھا - دولت کا نشہ اس پر نہ چڑھا اور حکومت کے جادو نے اُس پر ذرا اثر نہ کیا - دکن کی مہم سے اس کا اصلی مقصد باپ کا حکم بجا لانا تھا ' نہ دولت گھسیٹنا نہ حکومت چھیننا - اس نے محاصرے سے ہاتھہ نہ اٹھایا - بڑی بہادری سے لڑا اور آخر میں فتح پائی - اُس کی بدولت تلنگانہ پھر سلطنت دہلی میں شامل ہو گیا ' اور پندرہ سال تک دکن میں کوئی خلش نہ ہوئی - شہزادہ اُلغ خاں نے تلوار کے زور سے تلنگانہ فتح کیا اور فتح ہی نہیں کیا بلکہ حسن تدبیر سے اس کا انتظام بھی کیا جس کی بدولت دہلی میں انقلاب ہو جانے پر بھی دکن میں کوئی ناگوار واقعہ پیش نہ آیا -

جاج نگر کی فتح

تلنگانے سے اُلغ خاں نے اُڑیسے کے پایہ تخت جاج نگر پر چڑھائی کر دی ' اور اسے بھی فتح کر لیا - راجہ نے اطاعت قبول کی اور چالیس ہاتھی نذر کئے جنھیں شہزادے نے بادشاہ کی خدمت میں دہلی بھیج دیا - ضیاالدین برنی کا قول ہے کہ شہزادہ

جاج نگر کو فتح کر چکا تو بڑی شان و شوکت سے پھر تلنگانے میں داخل ہوا اور وہیں ٹھہرا رہا ' یہاں تک کہ سلطان غیاث‌الدین تغلق نے ایک ضرورت سے اس کو دھلی بلا بھیجا - فرشتہ اور ملا عبدالقادر بدایونی نے ضیاالدین برنی سے ذرا اختلاف کیا ھے ' لکھا ھے کہ تلنگانے کا انتظام کرکے شہزادہ خود ھی بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا -

لکھنوتی کی مہم

سلطان معزالدین کیقباد کے زمانے سے بنگالے میں ایک خود مختار حکومت قائم ھو گئی تھی جس پر سلطان غیاث‌الدین بلبن کی اولاد حکومت کرتی چلی آتی تھی - جب بلبن کے آخری پوتے شمس‌الدین فیروز شاہ کا انتقال ہوگیا تو اس نے چار بیٹے چھوڑے (۱) شہاب‌الدین بغرا شاہ (۲) ناصرالدین (۳) غیاث‌الدین بہادر (۴) قتلو خاں - ان سب میں غیاث‌الدین بہادر شاہ تیز ' طاقتور اور حوصلہ مند تھا - باپ کے جیتے جی وہ سنار گانوں کا حاکم بن گیا تھا اور سارے بنگالے پر حکومت کرنے کے منصوبے باندھنے لگا تھا - اس نے اپنے نام کا سکّہ بھی جاری کر دیا تھا - باپ کے مرتے ھی اُس نے اپنے بھائیوں پر ھاتھ صاف کرنا شروع کیا - قتلو خاں کو تلوار کے گھاٹ اُتارا - شہاب‌الدین بغرا شاہ کو نکال باھر کیا - شہاب‌الدین اور ناصرالدین دونوں بھاگ کر دھلی آے - سلطان غیاث‌الدین سے فریاد کی اور مدد کی درخواست کی - یہ بیان ابن بطوطہ کا ھے - ضیاالدین برنی نے لکھا ھے کہ بنگالے سے چند امیر تغلق آباد آے اور بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا : " اے بیکسوں کے فریادرس - اے دین و دنیا کے پشت و پناہ ذرا تکلیف کیجئے اور ھمیں ظالم بہادر شاہ کے پنجے سے چھڑائیے " - بادشاہ نے ان کو تشفی دی اور خود جاکر بنگالے کی شورش رفع کرنے کا وعدہ کیا -

بادشاہ نے تغلق آباد میں اپنی نیابت کے لئے شہزادہ اُلغ خاں سے بہتر کسی کو نہ پایا - پایہ تخت میں اس کو اپنی جگہ بٹھایا اور سلطنت کے کل کام اس کے سپرد کرکے خود بنگالے کی طرف روانہ ھو گیا - ضیاالدین برنی نے لکھا ھے کہ شاھی لشکر ترھت میں پہونچا تو ناصرالدین لکھنوتی میں موجود تھا - بادشاہ کی خدمت میں حاضر ھو کر اطاعت [۱] قبول کرلی

---

[۱]—ایسا معلوم ھوتا ھے کہ سلطان غیاث‌الدین تغلق کے پہونچنے سے پہلے ناصرالدین نے لکھنوتی میں اپنا کچھ اثر قایم کرلیا تھا لیکن لکھنوتی کی پوری حکومت اس کو بعد میں سلطان غیاث‌الدین تغلق شاہ ھی کے ذریعے نصیب ھوئی -

باقی امیروں نے بھی ایسا ہی کیا - بادشاہ کو تلوار نکالنے تک کی ضرورت نہ پڑی - غیاث‌الدین بہادر نے کچھ مقابلہ کیا تو بادشاہ کے منھ بولے بیٹے تاتار خاں نے اُس کا منھہ پھیر دیا - آخر گرفتار ہوا ' اور بادشاہ کے سامنے لایا گیا - حکم ہوا کہ قیدی بنا کر دھلی بھیجا جائے - خود بھی بادشاہ نے واپسی کا ارادہ کیا لیکن روانگی سے پہلے مغربی بنگالہ جس کا پایۂ تخت لکھنوتی تھا ناصرالدین کے حوالے کر دیا اور مشرقی بنگالہ جس کا پایۂ تخت سنار گانوں تھا تاتار خاں کو عطا کر دیا - راستے میں ترھت کے راجہ سے مقابلہ ہوا - ترھت پر اُس وقت کرناٹا خاندان کا ایک راجہ ھری سنگھ دیو حکومت کرتا تھا ' اس کو سلطان غیاث‌الدین تغلق نے شکست دی - راجہ شکست کھا کر نیپال کی طرف بھاگ گیا اور وہیں رہنے لگا - ترھت دھلی کی سلطنت میں شامل کر لیا گیا [۱] -

سلطان غیاث‌الدین کی وفات

ترھت فتح کر چکا تو سلطان غیاث‌الدین تغلق تیزی سے تغلق آباد کی طرف چلا - فوج اس کے ساتھ اتنی تیزی سے سفر نہ کر سکی ' پیچھے رہ گئی - ابن بطوطہ کا بیان ھے کہ " جب بادشاہ پایۂ تخت کے قریب پہونچا تو اُس نے اُلغ خاں کے نام حکم بھیجا - ' بیٹا - میرے لئے افغان پور میں ایک نیا محل تیا کراو ' - " اُلغ خاں نے تین دن میں محل کھڑا کرا دیا - یہ محل لکڑی کا تھا - اس کی بنیاد ایک لکڑی کے چبوترے پر اس حساب سے رکھی گئی تھی کہ اگر چبوترے کے خاص حصے پر ھاتھی کھڑے کئے جائیں تو سارا محل گر پڑے - ایک دن تیسرے پہر کے قریب بادشاہ کے آنے کی خبر سنی تو شہزادہ اُلغ خاں اپنے خاص خاص مصاحبوں کو لےکر استقبال کے لئے روانہ ہوا - اُس وقت تغلق‌آباد سے لےکر افغان پور تک خوشیاں منائی گئیں ' آرائش کی گئی ' نقارے بجائے گئے - ھر طرف " خوش آمدید " اور " مبارک باد " کا شور اٹھا - بیٹے نے باپ کی زیارت کی آداب بجا لایا ' قدم چومے ' پھر باپ کو لےکر افغان پور کے محل میں آیا - وھاں بادشاہ کے لئے دسترخوان بچھایا گیا - کھانا چنا گیا - بادشاہ نے مع اپنے مصاحبوں کے کھانا شروع کیا - مصاحب کھا کر چلے گئے تو جونا خاں نے بادشاہ سے عرض کیا " میں ھاتھی پیش کرنا چاھتا ہوں

[۱]—یہ واقعہ سنہ ۱۳۲۴ ع میں ہوا -

اجازت ہو تو حاضر کروں " - بادشاہ نے اجازت دے دی تو ایک ہاتھی جو خوب سجا ہوا تھا سامنے لایا گیا - شیخ رکن‌الدین ملتانی کہتے ہیں کہ اُس وقت میں بادشاہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا - اور بادشاہ کا لاڈلا بیٹا محمود بھی وہیں تھا ' جونا خاں نے مجھ سے کہا " مولانا عصر کی نماز کا وقت قریب ہے ' آئیے نماز پڑھ لیں" اس کے کہنے سے میں باہر نکلا - میرے نکلتے ہی ہاتھی لائے گئے - ہاتھیوں کا محل میں پہونچنا تھا کہ سارا محل بادشاہ کے اور شہزادے کے سر پر گر پڑا - اس وقت ایک شور مچ گیا - میں بغیر نماز پڑھے چلا آیا - دیکھتا کیا ہوں کہ محل گرا پڑا ہے - جونا خاں حکم دے رہا ہے کہ " کدال پھاوڑے لاو اور کھود کر بادشاہ کو نکالو - مگر اشارے سے کہتا جاتا ہے کہ جلدی نہ لانا " نتیجہ یہ ہوا کہ جب کدال پھاوڑے لائے گئے اور کھودنا شروع کیا گیا تو سورج چھپ چکا تھا - بہت کھودنے کے بعد بادشاہ دکھائی دیا ' مگر اب وہ مردہ تھا - اس کی نعش ایک اور چھوٹی سی نعش کے اوپر جھکی ہوئی تھی - یہ نعش شہزادہ محمود کی تھی - ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بادشاہ بیٹے کو موت سے بچانے کے لئے اس کی سپر ہو گیا - بعض کہتے ہیں کہ اُس خرابے میں سے بادشاہ زندہ نکلا - بعد میں اس کا کام تمام کیا گیا اور راتوں رات اسے اُس مقبرے میں پہونچایا گیا جو اس نے اپنے لئے تغلق‌آباد میں بنوایا تھا - وہیں اس کو دفن کیا گیا -

ضیاالدین برنی نے صرف اتنا لکھا ہے کہ جب بادشاہ اور اس کے مصاحب کھانے سے فارغ ہو گئے تو اکثر مصاحب ہاتھ دھونے کی غرض سے باہر نکل آے لیکن بادشاہ چند امیروں کے ساتھ وہیں بیٹھا رہا - ناگہاں آسمان سے بجلی گری اور محل کی چھت زمین پر آن پڑی - بادشاہ اور اُس کے پانچ چھ مصاحب جو بیٹھے رہ گئے تھے دب کر مر گئے -

کیا اُلغ خاں اپنے باپ کا قاتل تھا؟

کیا اُلغ خاں اپنے باپ کا قاتل تھا ؟ یہ نہایت مشکل سوال ہے - موورخوں میں اختلاف ہے - ضیاالدین برنی کے بیان سے تو اُلغ خاں کا دامن باپ کے قتل سے بالکل پاک نظر آتا ہے - تاریخ فیروز شاهی میں لکھا ہے کہ " صاعقۂ بلاے آسمان بر زمینیاں نازل شد " یعنی زمین کے رہنے والوں پر آسمان سے بلا کی بجلی گر پڑی - بعض موورخوں نے " صاعقہ " اور " بلا " کے معنی اور ترکیب میں تاویلیں کر کے یہ دکھایا ہے

کہ ضیاالدین برنی واقعے کی اصلیت ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا - اسی سبب سے ایسے الفاظ استعمال کئے - لیکن ہمارے نزدیک " صاعقہ " اور " بلا " کے معنی میں نہ اشکال ہے نہ ابہام - صاعقہ عربی لفظ ہے جو گرنے والی بجلی کے لئے مخصوص طور پر بولا جاتا ہے - نہ گرنے والی بجلی کے لئے دوسرا لفظ " رعد " ہے " برق " ہے - اگر بجلی کا گرنا ظاہر کرنا مقصود نہ ہوتا تو ضیاالدین برنی " صاعقہ " کا لفظ استعمال نہ کرتا - " صاعقہ " کی بجائے " رعد " لکھتا یا " برق " لکھ دیتا - اسی طرح بلا کا لفظ عربی میں مصیبت اور آزمایش کے لئے مخصوص ہے - انہیں معنوں میں یہ دونوں لفظ قرآن شریف میں بھی آے ہیں - ضیاالدین برنی دوسرے معنی کیوں کر لے سکتا تھا ؟ یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ " صاعقہ بلاے آسمانی " کی بجاے " بلاے صاعقہ آسمانی " کہہ دینے سے مطلب میں کچھ فرق نہیں آتا - مگر فصیح اور با محاورہ " بلاے آسمانی " ہے نہ کہ " صاعقہ آسمانی " - یہ بات منہاج‌السراج کی تاریخ آل چنگیز سے ظاہر ہے - اس میں شک نہیں کہ ضیاالدین برنی نے یہاں بے حد اختصار کیا ہے - اُسے واقع کا پورا علم تھا - وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اصلیت ظاہر نہ ہوگی تو بعد میں الزام رکھنے والے بادشاہ پر الزام رکھیں گے ' پھر بھی اُس نے تفصیل نہ دی - سب سے زیادہ اِس واقعے کا علم سلطان فیروز شاہ کو ہوگا لیکن اس نے زندگی بھر اس کے متعلق کچھ نہ کہا گویا یہ ایک ایسی کھلی ہوئی بات تھی کہ کہنے سننے کی ضرورت ہی نہ تھی - اگر فیروز شاہ سلطان محمد کو اپنے چچا سلطان تغلق کا قاتل سمجھتا تو جیتے جی کبھی اس سے اتنی محبت نہ کرتا اور نہ بعد مرنے کے اس کے ساتھ اتنی عقیدت رکھتا ' مگر وہ تو سلطان محمد کا برابر دم بھرتا رہا - فتوحات فیروز شاہی میں وہ خود بیان کرتا ہے کہ " جن لوگوں پر سلطان محمد نے ظلم کئے تھے ان کے وارثوں کو میں نے جمع کیا اور انہیں معاوضے دے دے کر ان سے ایک معافی نامہ لکھوایا جو سلطان محمد کی قبر کے سرہانے دفن کر دیا " - اگر سلطان محمد ' سلطان تغلق کا قاتل ہوتا تو فیروز شاہ سب سے پہلے تغلق ہی کے وارثوں سے معافی نامہ لکھواتا - سلطان تغلق کی بیٹی خداوندزادہ وہ موجود تھی - ممکن ہے اور بھی وارث ہوں - خداوندزادہ کے پاس تو سلطان فیروز اکثر جایا کرتا تھا ' اور

---

[۱]—کرنیل ہیگ نے " صاعقہ آسمانی " اور بلاے صاعقہ آسمانی کے معنے میں بڑی بحث کی ہے - جولائی سنہ ۱۹۲۲ع کا رائل ایشیاٹک سوسائٹی کا جرنل ملاحظہ ہو -

گھنٹوں بیٹھ بیٹھ کر باتیں کیا کرتا تھا - ایسی نہج کی گفتگوؤں میں بھی اس معاملے کی طرف نہ کوئی اشارہ ملتا ہے نہ کنایہ - تاریخ مبارک شاہی کا مصنف یحیٰی بن احمد واقعے کی حقیقت غالباً جانتا ہوگا - اس نے لکھا ہے کہ "سلطان تغلق کے حکم سے وہ ہاتھی جو لکھنوتی سے لوٹ میں آئے تھے محل کے ایک طرف دوڑائے گئے ' جس کے صدمے سے محل کی زمین ہل گئی اور محل گر پڑا جو خدا کا حکم تھا وہ ہوا" - اس عبارت سے ظاہر ہے کہ یہ حادثہ اتفاقیہ تھا - سازش اور فریب کو اس میں دخل نہ تھا ' لیکن شبہ کرنے والے نہ چُوکے - طبقات اکبری سے اور منتخبات التواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان محمد پر شبہے کئے گئے اور روائیتیں بھی اُس کے خلاف گھڑ لی گئیں -

طبقات اکبری کی اور منتخبات التواریخ کی عبارت بہت ملتی جلتی ہے - الفاظ بھی ایک سے ہیں - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُن دونوں کا ماخذ ایک ہی ہے - تعجّب ہے! دونوں میں سے ایک نے بھی تنقید نہیں کی جو کچھ پڑھا یا سنا وہی لکھ دیا - فرشتہ نے ذرا غور سے کام لیا ہے - لکھا ہے کہ "اُلغ خاں کی موت نہیں آئی تھی ورنہ وہ بھی بادشاہ کے ساتھ دب کر مر جاتا - جس وقت سے بادشاہ اس محل میں آیا تھا اُسی وقت سے اُلغ خاں برابر بادشاہ کی خدمت میں موجود رہا - کھانا کھلانے کے بعد ہاتھی گھوڑے اور تحفے بادشاہ کی خدمت میں پیش کرنے کی غرض سے ذرا باہر آیا تھا کہ قیامت آگئی محل گر پڑا ' اور بادشاہ مع پانچ مصاحبوں کے دب کر مر گیا" - بعضوں نے لکھا ہے کہ یہ محل کمزور تھا ' بڑی عجلت میں بنایا گیا تھا اور بالکل تازہ بن کر تیار ہوا تھا ' اس سبب سے ہاتھیوں کی دوڑ سے ہل گیا اور گر پڑا - بعضوں نے یہ لکھا ہے کہ اُلغ خاں کو ایسا کمزور محل بنانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ ہو نہ ہو یہ اس کی سازش ہو کہ اپنے باپ کا کام اس طرح تمام کردے - ضیاالدین برنی نے فیروز شاہ تغلق کے خوف سے اصلی وجہ نہیں لکھی ' بجلی کی کہانی گھڑ لی ' لیکن اس بات کو کوئی عقلمند آدمی ماننے کے لیے تیار نہ ہوگا ' اس لیے کہ اُلغ خاں سلطان غیاث الدین کے پاس ہی تو تھا - دستر خوان پر بھی موجود تھا - اس میں جادو کا یہ اثر کہاں سے آگیا کہ باہر آتے ہی سارا محل زمین پر گرا دیا - صدر جہاں گجراتی نے جادو ہی کا اثر بتایا ہے - لکھا ہے کہ "اُلغ خاں نے

محل جادو کے ذریعہ کھڑا کرایا تھا - جادو کا اثر جاتا رہا تو وہ گر پڑا " - حاجی محمد قندھاری نے لکھا ہے کہ " جس وقت بادشاہ ہاتھ دھونے میں مشغول تھا اُس وقت یکایک آسمان سے بجلی گری اور محل کی چھت بادشاہ کے سر پر پھٹ پڑی " یہ روایت قرین قیاس معلوم ہوتی ہے - ممکن ہے کہ صحیح ہو -

ان میں سے کسی مورخ نے نہ ابن بطوطہ کا حوالہ دیا نہ شیخ رکن الدین ملتانی سے کوئی روایت نقل کی - یہ کیسے ممکن ہے کہ شیخ صاحب نے اتنا بڑا اور اہم واقعہ بیان کیا تو بس ابن بطوطہ سے - نہ ابن بطوطہ کے آنے سے پہلے کسی سے ذکر کیا نہ اس کے جانے کے بعد - ہمارے نزدیک ابن بطوطہ کا بیان نہ بالکل جعلی ہے اور نہ بہت مستند - جس وقت یہ واقعہ ہوا اس وقت وہ ہندوستان میں آیا ہی نہ تھا - وہ اس واقعہ کے دس سال بعد آیا - دس سال پہلے کی روائتیں اس نے سنیں - پھر انہیں بیس یا بائیس سال کے بعد لکھا - دس سال کے اندر بڑا انقلاب ہوگیا تھا - سلطان محمد کے مزاج میں اور رعیت کی حالت میں زمین آسمان کا فرق پیدا ہو گیا تھا - اس کو ظالم اور خونخوار بتایا جارہا تھا اور اُس کے خلاف بغاوتیں پھیل رہی تھیں - ایسی حالت میں اس کے سر باپ کا قتل تھوپ دیا گیا تو کیا تعجّب ! اُس زمانے میں تخت و تاج کی خاطر باپ اور بیٹے میں فساد ہوجانا معمولی بات تھی - سلطان علاءالدین خلجی اپنے چچا سلطان جلال الدین خلجی کو قتل کرھی چکا تھا مگر وہ اپنے کئے کی سزا بھگت چکا تھا ' نہ وہ خود رہا نہ اس کا تخت و تاج - اس کا خاندان مٹ گیا اور اس کی نسل قطع ہوگئی - علاءالدین کی بُری مثال سے سلطان محمد کو ضرور عبرت ہوئی ہوگی - اس کی تربیت ' علمیت ' واقفیت اور انسانیت کا یہ تقاضا نہیں ہوسکتا کہ وہ چند روزہ سلطنت کے لیے اپنے ہاتھ بوڑھے باپ کے خون میں رنگین کرے ' اور سلطنت تو کئی برس پہلے سے اس کی ہوچکی تھی - سلطان غیاث الدین تغلق اس کو اپنا جانشین اور ولیعہد بنا ہی چکا تھا -

چوتھا باب

چوتھا باب

بادشاہت

سلطان محمد تھا بڑے نصیبے والا - اس کو باپ کی طرف سے اتنی بڑی اور ایسی نایاب وراثت ملی کہ جہاں‌گیر اور شاہ جہاں کو بھی نصیب نہ ہوئی' خزانہ ایسا بھرپور ملا جس کی کچھ انتہا نہیں - تاریخ کی کسی کتاب سے اُن رقموں کا جو سلطان غیاث‌الدین تغلق نے خزانے میں چھوڑیں تھیں اندازہ نہیں ہوسکتا - اتنا ظاہر ہوتا ہے کہ سلطان غیاث‌الدین تغلق نے سونا چاندی بہت جمع کیا تھا - ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ " تغلق‌آباد میں سلطان غیاث‌الدین تغلق کا خزانہ اور محل میں نے دیکھا - محل بہت بڑا تھا اور اس کی اینٹوں پر سونا چڑھا ہوا تھا - جس وقت سورج نکلتا تھا اس وقت سونے کی دمک سے کوئی شخص محل کی طرف آنکھ جما کر نہیں دیکھ سکتا تھا - اُس میں سلطان غیاث‌الدین تغلق نے بہت سامان جمع کر رکھا تھا ' کہتے ہیں کہ سلطان نے اُس میں ایک حوض بنوایا تھا جس میں سونا پگھلا کر بھروا دیا تھا - سونا جم‌کر ایک ڈلا ہوگیا تھا " - غرض سلطان محمد کو وراثت میں بےشمار دولت ملی تھی جس کی تائید تاریخ فیروز شاہی سے ہوتی ہے - اس دولت کے علاوہ جو ملک ملا وہ بھی لق و دق تھا - اگر یہ کہا جائے کہ جتنی بڑی اور جتنی وسیع سلطنت اورنگ‌زیب کو نہیں ملی تو غلط نہ ہوگا - اس لئے کہ اورنگ‌زیب کو جو سلطنت ورثے میں ملی اس کی جنوبی حد احمد نگر تک تھی - برخلاف اس کے سلطان محمد کی سلطنت انتہاے جنوب تک پھیلی ہوئی تھی - البتہ اورنگ‌زیب کی طرح سلطان محمد کی سلطنت میں نہ کشمیر شامل تھا اور نہ سندھ کے اس پار کا علاقہ - مغلیہ بادشاہوں کے پاس اورنگ‌زیب کے زمانے تک غزنی اور کابل کے علاقے تھے جن پر سلطان محمد کا قبضہ نہ تھا - اس زمانے میں ان علاقوں پر چنگیز خانی مغل حکمراں تھے - مگر کشمیر

اور افغانستان کو چھوڑ کر سلطان محمد کی سلطنت میں قریب قریب کل هندوستان شامل تھا جس کا شمال مشرقی کنارہ کوهستان همالیہ تک چلا گیا تھا اور شمال مغربی دریاے سندہ تک - مشرق اور مغرب میں اس کی سرحدیں سمندر سے ملي هوئی تھیں - جنوب میں اس کا سلسلہ راس کماري تک اور شمال میں کشمیر تک پہونچا هوا تھا البتہ مشرقی اور مغربي گھاتوں پر چند بندرگاهیں سنداپور ' هنور ' منجور ' جرافتن ' دلیفتن ' فندرینہ ' کالی کٹ اور پٹن آزاد تھیں - لیکن یہ سب کی سب سلطان محمد کی عظمت و جلالت سے سہمی هوئی تھیں اور اس کو ایک زبردست اور عظیم‌الشان بادشاہ تسلیم کرتی تھیں - اس بات کي تائید ابن بطوطہ سے هوتی ھے اور ابو صفا عمر سے بھی - ابو صفا عمر نے اپنی آنکھوں سے سلطان محمد کا زمانہ دیکھا تھا - وہ لکھتا ھے کہ " آج سلطان محمد کی یہ شان ھے کہ اس کا حکم سارے هندوستان پر جاري ھے ' وہ خشکی و تري کا مالک ھے ' وہ سچ مچ سلطان‌الہند ھے ' سلطنت میں اس کا کوئی حریف باقی نہیں " -

سلطان محمد کی اس وسیع سلطنت میں ضیاالدین برنی کے نزدیک بارہ صوبے تھے - (۱) هندوستان (۲) گجرات (۳) مالوہ (۴) مہاراشٹر (۵) تلنگانہ (۶) کنپیلہ (۷) دھور سمدر (۸) معبر (۹) لکھنوتی (۱۰) ستگانوں (۱۱) سنار گاؤں (۱۲) ترهت ' لیکن مسالک‌الابصار میں اودہ کے رئیس سراج‌الدین ابوالفتح عمر کی زبانی تیئیس صوبے لکھے هیں : (۱) دهلی (۲) دیوگیر (۳) ملتان (۴) کہرام (۵) سامانہ (۶) سیوستان (۷) اچھ (۸) هانسی (۹) سرستی (۱۰) مالابار (۱۱) تلنگانہ (۱۲) گجرات (۱۳) بدایوں (۱۴) اودہ (۱۵) قنوج (۱۶) لکھنوتی (۱۷) بہار (۱۸) کڑہ (۱۹) مالوہ (۲۰) لاهور (۲۱) کلانور (۲۲) جاج نگر (۲۳) دوار سمدر - ان کے علاوہ ابن بطوطہ نے معبر کا صوبہ اور لکھا ھے -

معبر دکن کے مشرقی ساحل پر اُس قطعے کا نام تھا جو آج کل کوروملڈل (Coromandal) اور کرناٹک کہلاتا ھے - بعضوں کو معبر پر مالابار کا شبہہ هوا ھے - انہوں نے معبر اور مالابار کو ایک هی صوبہ سمجھا ھے مگر اصل یہ ھے کہ معبر اور مالابار سلطان محمد کی سلطنت کے الگ الگ حصے تھے - سر تامس هالڈچ (Sir Thomas Holdich) نے لکھا ھے کہ " آٹھویں صدي سے

سلطان محمد کی سلطنت ابتدا میں
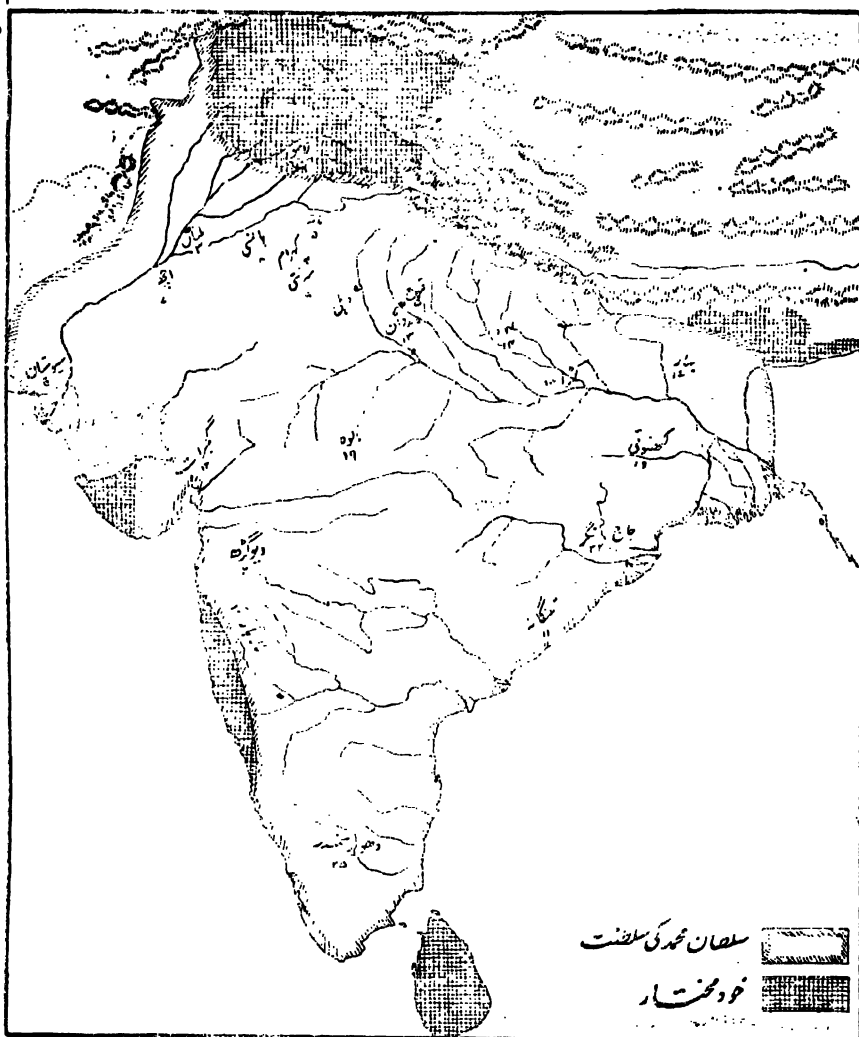
لےکر گیارھویں صدی عیسوی تک عرب سمندر کے اور کل تجارتی راستوں کے مالک تھے - جس زمانے ان کا تسلّط ھندوستان کے شمال میں سیستان اور افغانستان پر ھوا اُسی زمانے ان کا اقتدار جنوبی ھندوستان کے ساحلوں پر بھی قائم ھو گیا تھا - وہ جنوبی ھند کے مغربی ساحل کو ملیبار اور مشرقی ساحل کو معبر کہا کرتے تھے - معبر کے معنی گھاٹ کے ھیں - عربوں نے گھاٹ کا ترجمہ معبر کیا ھے '' -

یہ ثابت ھوگیا کہ معبر اور چیز ھے اور مالابار اور ' لیکن یہ نہیں کھلا کہ معبر اور کرناٹک میں کیا فرق ھے ؟ اور معبر کی حد کہاں سے کہاں تک ھے اور مالابار کی کہاں سے کہاں تک ؟ قدیم زمانے میں ھندوستان کے مشرقی ساحل کو جو دریائے کاویری سے پالار تک پھیلا ھوا تھا چولامنڈل کہا جاتا تھا - جب پندرھویں صدی میں پرتگیز آئے تو اسی رعایت سے وہ کاویری سے لےکر پالار تک کے ساحل کو کورومنڈل کہنے لگے - بعد میں اس ساحل کا نام کرناٹک بھی پڑ گیا مگر کرناٹک اصل میں دکن کے اس علاقے کا نام ھے جو دریائے کرشنا کے جنوب میں پہاڑوں کے درمیان واقع ھے اور جہاں کنڑی زبان بولی جاتی ھے - معبر کے باشندوں کی زبان تامل ھے - اس کے جنوب مشرق میں معبر اور جنوب مغرب میں ملیبار کے ساحل واقع ھیں اور درمیان میں دراویڈیوں کا ملک ھے جو تامل کنڑی کہلاتا ھے ' اسی میں معبر کا علاقہ بھی شامل ھے - ابوالفدا نے لکھا ھے کہ '' معبر اور مالابار کو راس کماری جدا کرتی ھے یعنی راس کماری پر مالابار کی حد ختم ھوتی ھے اور وھاں سے معبر شروع ھوجاتا ھے' جس کا سلسلہ نیلور سے جا ملا ھے'' - عبداللہ بن فضل اللہ وصّاف کی بھی یہی تحقیق ھے - اسنے لکھا ھے کہ '' معبر کولم سے شروع ھوکر نیلور پر ختم ھوتا ھے '' -

اس وسیع سلطنت پر سلطان محمد نے نام کو تو پچیس برس بادشاھت کی لیکن اصل میں صرف دس سال ' اس لئے کہ دسویں سال معبر خود مختار ھوگیا اور پھر سلطنتِ دھلی میں شامل نہ ھوا - اس وقت سے سلطنت گھٹتی ھی گئی اور باقی پندرہ سال بڑی کشمکش میں گذرے - سلطان محمد کا انتقال ھوا تو آدھی کے قریب سلطنت ھاتھ سے نکل چکی تھی ' سارا دکن خود مختار تھا ' وجیا نگر کو بساکر بکا [illegible] اور ھری ھر

करीहर نے اپنی راجدهانی بنا لیا تها - حسن گنگو بهمنی نے گلبرگه
میں بهمنی سلطنت کی بنیاد قائم کر دی تهی ' اڑیسه میں سلطان محمد کا
فتح کیا هوا علاقه جاج نگر آزاد هوگیا تها ' گجرات میں بادشاه کی بڑی
مخالفت هو رهی تهی اور باغیوں نے ایک آگ سی لگا دی تهی جس کے
شعلے دکن سے لےکر سنده تک بهڑک رهے تهے - ان بغاوتوں نے بادشاه کے
پچیس ساله عهد حکومت کو دو بڑے حصوں میں منقسم کر دیا - ایک
حصه دس ساله هے اور دوسرا پندره ساله - پهلے دس سال میں سلطان محمد
کا ستاره عروج پر تها اور اقبال اس کے ساتهه ساتهه تها ' ملک میں امن چین
تها ' بس قحط کی ایک آسمانی بلا ایسی تهی جس سے یه زمانه بهی نه بچا -
جب هی سے صورت بدلنے لگی - اقبال نے پشت پهیرنی شروع کی اور اِدبار
شروع هوگیا -

مؤرخوں کا اتفاق هے که شروع شروع میں سلطان محمد هر دل عزیز تها -
ضیاالدین برنی نے لکها هے که سلطان '' محمد کی بادشاهت شروع هوتے هی
اسلام کا بول بالا هو گیا - اول اول چالیس دن تک سلطان تغلق‌آباد میں
رها - جهاں وه پهلی بار تخت نشین هوا - بعد میں تغلق‌آباد سے نکل‌کر
دهلی کے اندر آگیا - دهلی قدیم زمانے سے پایۂ تخت چلا آتا تها - وهاں
پهونچ‌کر دوباره تخت نشین هوا اور نیک فال سمجهه‌کر اس تخت پر
بیٹها جس پر اس وقت تک بادشاه بیٹهتے چلے آتے تهے - شاهی سواری
پهونچنے سے پهلے شهر کو خوب سجایا گیا ' جا بجا قبّے بنائے گئے '
بازاروں میں گلی کوچوں میں بیش قیمت رنگیلے اور زردوزی کپڑے
بچهائے گئے ' شادیانے بجائے گئے ' بادشاه نے حکم دے دیا تها که جب هماری
سواری شهر میں داخل هو تو اس پر سونے چاندی کی نچهاور کی جائے -
سرکاری افسر جو شاهی سواری کے ساتهه ساتهه چلیں قدم قدم پر اشرفیوں اور
روپیوں کی مٹهیاں بهر بهر کر نچهاور کرتے جائیں ' کچهه تو زمین پر بکهرتے رهیں '
کچهه محلے محلے مکانوں کی چهتوں پر پهینکتے جائیں اور کچهه تماشائیوں
کی گودوں میں ڈال دیں - حکم کی تعمیل کی گئی - ادهر بادشاه کی
سواری بداوں دروازے سے گزر کر محل سرا میں پهونچی - اُدهر سلطنت کے
اراکین نے جو هاتهیوں پر سوار شاهی سواری کے ساتهه ساتهه چل رهے تهے
اشرفیوں اور روپیوں سے مٹهیاں بهر بهر کر پهینکنی شروع کر دیں - ایسا معلو

ہوتا تھا کہ سونے چاندی کا مینہ برس رہا ہے - سب آدمی بڈھے ہوں یا بچّے ' جوان ہوں یا ادھیڑ ' آزاد ہوں یا غلام ' مسلمان ہوں یا ہندو ' دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹ رہے تھے ' بادشاہ کو دعائیں دیتے جاتے تھے اور اسکی تعریف کے گیت گاتے جاتے تھے - اسوقت کا سما دیکھنے کے قابل تھا - شہر کیا تھا ایک چمن تھا جس کی زمین چاروں طرف سے زرد اور سفید پھول اگل رہی تھی - آسمان سے بھی پھول برس رہے تھے اور زمین پر بھی رنگ برنگ کے غنچے کھل رہے تھے - کلیاں چٹک رہی تھیں - ایسی بخششیں تو کسی بادشاہ کے عہد میں آج تک نہ ہوئی تھیں - اس کی بدولت غریب اور محتاج ہمیشہ کے لئے دولت مند ہوگئے ' اور بڈھے نئے سرے سے جوانی کا دم بھرنے لگے - نا امیدوں کو پھر امیدوں کا سبز باغ نظر آنے لگا - زندگی جو بے لطف ہوگئی تھی پھر مزا دینے لگی - ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمین تو زمین آسمان بھی اس امڈی ہوی دولت کے نشے میں جھوم رہا ہے - دھلی کا وہ کونسا گھر تھا جس میں بادشاہ کے آنے کی خوشیاں نہ منای گئیں ہوں - جس میں ڈھولک نہ کھڑکی ہو ' اور دف نہ بجا ہو - اور وہ کونسا مقام تھا جس کے رہنے والوں نے مرد ہوں تو عورتیں ہوں تو بادشاہ کے جینے کی دعایں نہ کی ہوں " -

تخت نشینی کے روز سلطان محمد نے ملکی اور فوجی عہدوں پر نئے نئے تقرر کئے ' اور نئے عہدے داروں کو خطاب بھی دیئے - اپنے چچازاد بھائی ملک فیروز کو نائب باربک بنا یا - ملک بیدار خلجی کو لکھنوتی کا حاکم مقرر کیا اور قدر خاں کا خطاب دیا - قوام الدین قتلغ خاں کو وکیلدر بنایا - ملک مقبول کو سلطنت کا وزیر مقرر کیا اور عمادالملک کا خطاب دیا - احمد بن ایاز کو گجرات کا سپہ سالار بنایا ' اور خواجہ جہاں کا خطاب دیا - ملک مقبل کو گجرات کا حاکم بنایا ' اور خاں جہاں کا خطاب دیا - قتلغ خاں کے بیٹے محمد کو گجرات کے صوبے میں جاگیر دار بنایا ' اور ملک شہاب‌الدین ایاز خاں کو نوساری میں جاگیر بخشی - محمد بن قتلغ خاں کو الپ خاں کا خطاب دیا ' اور ملک شہاب‌الدین کو ملک‌التجار کا - ملک خرّم کو ظہیرالجیوش کا خطاب دیا ' اور ملک عزالدین کو اعظم‌الملک کا - ستگانوں کے چلد پرگنے بھی اس کے حوالے [ا] کئے -

---

[ا]---سفر نامے میں لکھا ہے کہ جلوس کے پہلے ہی سال سلطان محمد نے غیاث‌الدین بہادر کو جسے سلطان تغلق شاہ بنگال سے قید کر کے لایا تھا اور جو اس وقت تک دھلی میں قید تھا

سلطان محمد نے بھائیوں کے ساتھ بھی نیک سلوک کیا - بڑی عطا و سخا کی - علاوہ ملک فیروز کے جو چچا زاد بھائی تھا ' سلطان محمد کے سات بھائی تھے - بہرام خاں ' ظفر خاں ' نصرت خاں ' محمود خاں' مبارک خاں اور مسعود خاں - محمود خاں' ظفر خاں اور نصرت خاں کا انتقال ہوچکا تھا - بہرام خاں کو سلطان محمد نے بنگال میں حکومت بخشی اور مبارک خاں کو دیوان عدالت کا سردار بنایا ' ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ " مسعود خاں پر سلطان محمد کو بغاوت کا شبہہ ہوگیا تھا - جب اُس نے اپنے جرم کا اقرار کرلیا تو سلطان نے اس کے قتل کا حکم دے دیا " - لیکن یہ قتل تخت نشینی سے تقریباً بارہ سال بعد ہوا - سفر نامے کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے پہلے مسعود خاں پایۂ تخت دهلی میں کسی بڑے عہدے پر مامور تھا - وهاں اس کی اتنی جمیعت اور شان تھی کہ اس کو بغاوت کی سوجھ گئی - سلطنت کی آزادی کی اور خود مختاری کی امنگیں دل میں اسی وقت پیدا ہوسکتی ہیں جبکہ جمیعت بھی ہو ' اور سرمایہ بھی - یہ دونوں باتیں مسعود خاں کو حاصل تھیں - جب ہی اس نے سرکشی کی ٹھانی اور بغاوت کے منصوبے باندھے -

ملک فیروز پر بھی سلطان محمد بے حد مہربان تھا - پہلے تو اس کو ملک بنایا - پھر نائب باربک اور پھر باربک - وہ ہر ممکن طریقے سے اس کا خیال رکھتا ' اسکو ترقی کے موقع دیتا ' اور دل سے اس کی بہتری چاہتا تھا - ملک فیروز بھی اپنی اهلیت کا ثبوت دیتا رہا - نائب باربک کی حیثیت میں اس نے اپنی قابلیت دکھائی ' اور اپنے فرائض منصبی کو بہترین طریقے سے ادا کیا تو سلطان محمد نے اسے باربک بنا دیا - اور جب وہ اس عہدے کا بھی اہل ثابت ہوگیا تو سلطان نے اسے عدالت خاص کا سردار مقرر کردیا - پھر دهلی میں اپنی نیابت پر مقرر کرکے خود گجرات اور سندھ کی مہموں پر چلا گیا جن سے اس کو واپس آنا نصیب نہ ہوا - غرض سلطان محمد آخر وقت تک ملک فیروز پر عنایتیں کرتا رہا -

---

رها کر دیا - اور رها هي نهیں کیا بلکہ اس کو سنار گاؤں کا حاکم بھي بنا دیا - اتني احتیاط کي کہ اپنے سوتیلے بھائي بهرام خاں کو اس کا نگہبان بنا کر اس کے ساتھہ ساتھہ کر دیا ۰ اور اُسي غرض سے بهرام خاں کو لکھنوتي کا حاکم بنایا -

جو بادشاہ اپنے چچا کے بیٹے پر اتنا مہربان ہو کہ اول سے آخر تک اس کا خیال رکھے ' اُسپر نوازشیں کرتا رہے ' اس کی تعلیم و تربیت کا بھی انتظام کرے اور اس کا مرتبہ بھی بڑھاتا رہے ' کیوں کر ممکن ہے کہ وہ اپنے باپ کی نشانیوں اور مانجائیوں پر سختی کرے - اور ان پر بجائے مہربان ہونے کے قہربان ہو - جو وجہ ان بھائیوں کے حق میں قہر کرنے کی ہو سکتی تھی بعینہ وہی ملک فیروز میں بھی موجود تھی - اگر مبارک خاں اور بہرام خاں تخت و تاج کے دعویدار ہوسکتے تھے اور سلطان محمد کے حریف بن سکتے تھے تو ملک فیروز بھی یقیناً سلطان محمد کا حریف اور بڑا زبردست حریف تھا - یہیں سے ثابت ہے کہ اس قسم کا خیال سلطان محمد کے دل میں ہرگز نہ تھا - اتنی بات ضرور تھی کہ بھائیوں پر سلطان محمد کی داد و دهش ان کی اہلیت کے مطابق تھی - اُس نے اپنے کسی بھائی کو ولایت اور نیابت کا اہل نہیں پایا - اسی سبب والی اور نائب کے عہدے اس نے کسی بھائی کو نہیں دیئے - ملک فیروز کو بھی نہیں دیئے - نیابت کا عہدہ اسے دیا تو بالکل آخیر میں اور اُس وقت بھی ملک قبول اور احمد ایاز کی شراکت میں -

سلطان محمد کے عہد حکومت میں بلکہ اس کے عہد کے ہر دور میں ' دس سالہ ہو یا پندرہ سالہ عجیب و غریب رنگ نظر آتے ہیں - مورّخوں کا اتفاق ہے کہ شروع شروع میں اُس نے سلطنت کا بڑی خوبی سے انتظام کیا - تاریخِ فیروز شاہی میں لکھا ہے کہ سلطان محمد کے حکم سے ہر صوبے کی آمدنی کا ' اور جمع و خرچ کا علیحدہ علیحدہ حساب اگایا گیا - اور ہر صوبے کے والی اور متصرف اپنے اپنے محکموں کا حساب دارلسلطنت کے دیوانِ وزارت میں بھیجنے پر مامور ہوے ' دهلی ' گجرات ' مالوے ' دیو گڑھ ' تلنگانے ' کنپیلہ ' دهور سمدر ' معبر ' ترهت ' لکھنوتی ' ستگانوں ' اور سنارگانوں کے صوبوں کا کل انتظام بڑی مضبوطی اور احتیاط سے کیا گیا - تاریخِ فرشتہ میں لکھا ہے کہ شروع دور میں سلطان محمد لشکر کو درست کرنے اور صوبجات کا انتظام کرنے میں مصروف ہوا - تھوڑے سے عرصے میں اس نے سارے ملک کا بہت ہی اچھا انتظام کرلیا - دور کے صوبے ہوں یا قریب کے ' دوار سمدر ہو یا معبر ' کنپیلہ ہو یا وارنگل ' لکھنوتی ہو یا سنارگانوں بادشاہ نے سب ہی میں ایسا بندوبست کیا جیسا کہ قریب قریب کے اضلاع میں اور دهلی کی گرد و نواح میں ' کرناٹک کا علاقہ دوار سمدر تک پھیلا ہوا تھا - اس کے بعض بعض

حصّوں پر تو بادشاہ نے پورا تصرّف کرلیا - لیکن بعض حصّوں کو وهیں کے راجاوں کے حوالے کردیا - راجاوں سے هر سال شاهی خزانے میں خراج پهونچا دینے کا وعدہ لے لے لیا - خراج کا روکنا کیسا ؟ کسی سرکش اور سرزور کو اتنی بهی جرأت نہ هوسکتی تهی کہ شاهی خراج کی ایک پائی اِدهر اُدهر کرسکے - سب علاقوں کے اهل کار ' مقدم راجہ اور زمیندار اطاعت گزار بن‌کر مالگزاری ' محصول اور لگان ادا کیا کرتے تهے ' پایۂ تخت میں هر طرف سے اس قدر مال آتا تها کہ بادشاہ بے غَلّ و غش خرچ کرتا تها اور اس پر بهی خزانے میں ذرا کمی نظر نہ آتی تهی -

تخت نشین هوے ایک سال سے کچھ هی زیادہ گزرا تها کہ سلطان محمد کو دو ناگوار واقعے پیش آے' تاریخ فرشتہ میں لکها هے کہ " سلطان محمد کی تخت نشینی کو پورے دو سال بهی نہ هونے پاے تهے کہ ماوراءالنهر کا حاکم داور خاں چغتائی کا بیٹا ترمہ شیریں خاں بڑی بهاری فوج لےکر هندوستان فتح کرنے کی غرض سے آیا - لمغان اور ملتان سے هوکر اس نے دهلی کا رخ کیا - راستے میں شہر شہر کو پامال کرتا اور هر ایک پر اپنا قبضہ جماتا چلاگیا - جب بڑهتے بڑهتے دهلی پر جا چڑها تو سلطان محمد نے اس سے لڑنا مناسب نہ سمجها - خوشامد کرنے لگا اور بڑے بڑے امیروں کو بیچ میں ڈال کر ترمہ شیریں سے صلح کرلی - صلح کرنے میں بہت مال صرف کیا - جس قدر دولت ترمہ شیریں نے طلب کی اسی قدر سلطان محمد کو دینی پڑی گویا یہ قیمت تهی جسکی عوض اُس نے اپنی سلطنت ترمہ شیریں سے پهر خریدی - ترمہ شیریں کو منهہ مانگی دولت مل گئی تو اس نے اپنا لشکر اٹها لیا اور واپس چلا گیا ' مگر چلتے چلتے راستے میں لُوٹ [۱] مار کرتا گیا - گجرات میں پهونچا تو وهاں بهی لُوٹ مار مچائی - ایک عالم کے پاس کچھ مال دیکها تو اُسے چهین لیا اور بہت سے گجراتیوں کو قیدی بنا لیا " - فرشتہ کے اس بیان سے ظاهر هوتا هے کہ سلطان محمد کمزور اور بزدل تها - لیکن واقعات بتاتے هیں کہ وہ بڑا

---

[۱]—ملفوظات تیموری میں جو ترمہ شیریں کا ذکر هے وہ غالباً اسی بنا پر هے - ترمہ شیریں کی لوٹ مار اس قدر زبان زد خلائق هوگئی تهی کہ جب تیمور نے میرٹهہ پر چڑهائی کی تو میرٹهہ والوں نے بات بنائی اور کهدیا کہ یہ قلعہ ترمہ شیریں بهی فتح نہ کرسکا تها - اِس فقرے سے همارے بهی بیان کی تائید هوتی هے - ترمہ شیریں کا باقاعدہ حملہ کرنا ثابت نہیں هوتا -

دلیر ' نڈر اور جانباز تھا - ترمہ شیریں ہندوستان پر حملہ کرنے کی غرض سے نہ آیا تھا - وہ تو پناہ لینے آیا تھا - مدد کا خواستگار ہوکر آیا تھا - جنگ تو اُس سے کی جاتی ہے جو جنگ کے لئے آے - ترمہ شیریں مہمان بن‌کر آیا تھا - فرشتہ کا یہ بیان کہ " ترمہ شیریں لمغان اور ملتان سے لوٹ مار کرتا ہوا دھلی تک پہونچا " بالکل غلط ہے ملتان میں اس وقت بہرام ایبہ کشلو خاں جیسا بہادر اور تجربہ کار سپہ‌سالار موجود تھا - کیا وہ بھی ترمہ شیریں سے خوف کھا گیا ؟ اور مقابلے کو نہ نکل سکا ؟ جن لوگوں کو سلطان محمد پر بزدلی اور کمزوری کا شبہہ ہے ان کی ذهنیت پر تعجّب ہے - وہ اسی سپوت غازی کا پوت تھا جس نے لڑ لڑ کر مغلوں کے دانت - کھٹے کردئے تھے ' اسی کی گود میں اُس نے پرورش پائی تھی اور اسی کے سائے میں بڑھا اور پلا تھا - اُس نے تو کبھی کسی دشمن کو اپنی تلوار کا مزا چکھائے بغیر نہ چھوڑا - ترمہ شیریں کے سامنے وہ کیوں کر ہتھیار ڈال دیتا ؟

سلطان محمد نے ترمہ شیریں کے ساتھہ دوستوں کا سا برتاو کیا - ترمہ شیریں نے بھی دوستی کا ثبوت دیا - سلطان محمد تک ایران و خراسان کے مغلوں کی خبریں پہنچائیں - جن کی بدولت سلطان نے ان ملکوں کی فتوحات کے منصوبے باندھے - ماوراالنهر پہونچ کر ترمہ شیریں نے اپنے داماد امیر نوروز کو بہت سے مغلیہ سرداروں کے ساتھہ سلطان کے دربار میں بھیج دیا - امیر نوروز اور اس کے ساتھی دھلی پہونچ کر شاہی فوج میں شامل ہوگئے ' معلوم ہوتا ہے کہ اسی دن سے دھلی اور غزنی کا اتحاد قائم ہوگیا - ضیاالدین برنی نے اس بات کی بار بار شکایت کی ہے کہ " بادشاہ ہندوستان کے باہر غزنی میں دولت بھیجتا ہے " - شیخ ابو بکر بن خلّال بزّی صوفی کا بیان [۱] ہے کہ " سلطان محمد نے چند آدمیوں کو تین لاکھہ سونے کے سکّے دےکر ماوراالنهر کی طرف بھیجا - اُن آدمیوں میں میں بھی شامل تھا ... " - اگر ماوراالنهر کے مغلوں سے سلطان کا اتحاد نہ ہوتا تو وہ اپنی دولت وہاں ہرگز نہ بھیجتا - اگر ترمہ شیریں نے ہندوستان پر حملہ کیا ہوتا اور دھلی کی سلطنت کو نقصان پہونچایا ہوتا تو سلطان محمد اسے بھولنے والا نہ تھا - موقع پاکر بجائے خراسان کے سمرقند ہی

[۱] — مالک‌الابصار ملاحظہ ہو -

پر حملہ کرنے کی ٹھان لیتا - اُسی کو پامال کرتا اور وهاں کے آدمیوں پر هرگز رحم نہ کرتا - مگر رحم کیسا وہ تو ان پر برابر مہربانیاں کرتا رها - ایسا نیک سلوک تو صرف اُس ملک کے ساتھ کیا جاتا ہے جس سے کوئی عداوت نہ ہو - عداوت کی صورت میں نیکیاں اور احسانات ناممکن ہیں - خراسان سے هندوستان آتے هوئے بخارا میں ابن بطوطہ ترمہ شیریں سے ملا تھا اور اس کے ساتھ رہا بھی تھا - اُس کی بابت جو کچھ ابن بطوطہ معلوم کرسکا وہ اُس نے سفر نامے میں لکھدیا - لیکن اُس نے ترمہ شیریں کے حملے کی بابت ایک حرف بھی نہیں لکھا - حملہ کیسا ؟ اُس نے تو یہ لکھا ہے کہ چغتائی مغلوں کے اور هندوستان کے قرونہ ترکوں کے درمیان مصالحت اور اتحاد ہے -

ضیاالدین برنی نے یہ واقعہ نہیں لکھا - لیکن اُس نے سلطان محمد کے دربار میں کثرت سے مغلوں کا آنا لکھا ہے - ترمہ شیریں بھی انہیں میں شامل تھا - ضیاالدین برنی نے سلطان محمد کی تاریخ بڑے اختصار سے لکھی ہے - صرف مشہور مشہور واقعات کا ذکر کیا ہے ' اور ان کے بھی اسباب بیان نہیں کئے اور نہ کا پتہ نہیں دیا - ترمہ شیریں کا آنا ایک پیچیدہ مضمون تھا ' جس کے لئے بڑی تفصیل کی ضرورت تھی - اس سبب نظرانداز کر گیا - اس کے نظرانداز کردینے سے نہ ضیاالدین برنی کے مقصد میں کوئی کمی واقع هوئی نہ تاریخ فیروزشاهی میں نقص آیا - تاریخ فرشتہ میں ہے کہ ضیاالدین برنی نے یہ واقعہ سلطان فیروز شاہ کے خیال سے نہیں لکھا - لیکن یہ بات قابل قبول نہیں - تاریخ فیروز شاهی میں ضیاالدین برنی نے سلطان محمد کے عیب ایک ایک کرکے بیان کئے ہیں اور اس کی بےرحمیاں دل کھول کر لکھی ہیں - ترمہ شیریں کے متعلق ایک بات بھی ایسی نہ تھی جس کا چھپانا لازمی ہوتا - اُس نے تو غزنی کے قریب ایلخانی مغلوں سے شکست کھائی تھی اور شکست کھا کر سیدھا هندوستان چلا آیا تھا -

ترمہ شیریں چلا گیا تو سلطان محمد کو ایک بغاوت کی خبر ملی - یہ بغاوت سلطان کے پھوپھی زاد بھائی بہاالدین گشتاسپ کی تھی جو ساگر میں هوئی - سفر نامے میں لکھا ہے کہ " سلطان تغلق نے بہاالدین گشتاسپ کو کسی علاقے کا حاکم مقرر کردیا تھا ' جب اس کا ماموں مرگیا تو اس نے سلطان محمد کی بیعت سے انکار کردیا - یہ شخص بڑا بہادر تھا ' بادشاہ نے

ملک مجیر کی اور خواجہ جہاں کی ماتحتی میں اس کی طرف ایک لشکر بھیجا - بہاالدین نے شاہی لشکر کا مقابلہ کیا مگر شکست کھائی - اور راے کمپیلہ کے ملک میں بھاگ گیا - شاہی فوجوں نے بہاالدین کا تعاقب کیا اور کمپیلہ کا سختی سے محاصرہ کرلیا - جب راجہ کے پاس ذخیرہ ختم ہوگیا اور اُسے گرفتار ہو جانے کا خوف ہوا تو اس نے بہاالدین کو بلاکر کہا " تمہارے سبب میں ہلاکت میں پڑگیا خیر - میں نے تو ٹھان لی ہے اپنی جان پر کھیل جاؤنگا اور اپنے پیاروں کو بھی قربان کردونگا بہتر ہے کہ تم دوسری ریاست میں چلے جاؤ " یہ کہہ کر راجہ نے بہاالدین کو دوسری ریاست میں پہونچا دیا اور اپنے لئے ایک بڑی آگ جلوائی اور اپنا تمام مال و اسباب اسمیں ڈلوا دیا پھر اپنی بیٹیوں اور عورتوں سے کہا " میں تو اب آگ میں جل کر خاک ہو جاونگا تم میں سے جس کو میری موافقت کرنی ہو کرے " - راجہ کی تقریر سُن کر سب عورتیں مرنے پر تیار ہو گئیں - ایک ایک عورت غسل کرتی تھی اور صندل مل مل کر راجہ کے سامنے زمین چومتی اور آگ میں کود پڑتی - راجہ کے بہت سے امیر اور وزیر بھی جل کر مر گئے - پھر خود راجہ نے مرنے پر کمر باندھی ' غسل کیا ' صندل ملی اور ہتھیار باندھے - مگر زرہ نہ پہنی اور اپنے چند سپاہیوں کو لے کر بادشاہ کے لشکر پر جا پڑا - جب سب مر کھپ گئے تو کمپیلہ پر سلطان محمد کا قبضہ ہوگیا اور شاہی فوجیں اُس علاقے میں داخل ہوگئیں - بہاالدین نے جہاں پناہ لی تھی وہاں کے راجہ نے بہاالدین کو پکڑ کر شاہی لشکر کے حوالے کر دیا - بہاالدین کے پاؤں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں ہتکڑیاں ڈالی گئیں اور اسی ہیئت سے اس کو بادشاہ کے پاس بھیج دیا گیا - بادشاہ نے پہلے اُسے عورتوں میں بھجوا کر ذلیل کرایا - پھر اُس کی کھال کھچوا ڈالی اور اس میں بھوسا بھروا کر غیاث‌الدین بہادر کی کھال کے ساتھ سارے ملک میں گھمایا - بہاالدین کے گوشت کے دو حصے کئے گئے - ایک حصّہ تو چاولوں میں پکوا کر اس کے گھر بھیج دیا اور دوسرا سیٹی میں رکھ کر ایک ہتنی کے سامنے رکھ دیا جسے اُس نے بھی نہ کھایا " -

ضیاالدین برنی نے بہاالدین گشتاسپ کی بغاوت کا بالکل ذکر نہیں کیا - تاریخِ مبارک شاہی میں صرف اتنا لکھا ہے کہ " پایہ تخت کی تبدیلی کے [۱] بعد سنہ ۷۲۷ھ کے آخر میں ملک بہاالدین گشتاسپ بخشی فوج

---

[۱]--سنہ ۱۳۲۶ ع -

نے ساگر میں بغاوت کي - بادشاہ نے خواجہ جہاں کو ایک بڑے لشکر کا سردار بنا کر بہاالدین کي سرکوبی کی غرض سے روانہ کیا - جب خواجہ جہاں وہاں پہونچا تو بہاالدین گشتاسپ اپنی جمعیت لے کر مقابلے پر آیا اور جان توڑ کر لڑا مگر کچھ نہ بنا - مغلوب ہوگیا - ہندوؤں نے اُسے گرفتار کر لیا - اور بادشاہ کے سامنے پیش کیا - بادشاہ نے اُسے قتل کرا دیا [۱] "

تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ بہاالدین گشتاسپ کی لگائی ہوئی آگ بجھ گئی تو سلطان محمد کو خیال آیا کہ بہت سے علاقے میری سلطنت میں شامل ہیں - میرا پایہ تخت ایسی جگہ ہونا چاہئے جو سلطنت کے بیچ میں ہو - ہر مقام سے فاصلہ برابر ہو تاکہ ہر طرف سے خبریں پایہ تخت میں برابر پہونچا کریں - اگر کسی علاقے میں کوئی واردات ہو جائے یا کوئی آفت آ جائے یا کوئی وبا پھیل جائے تو جلد اس کا تدارک ہو سکے - مشیروں اور وزیروں کو ملک کے گوشے گوشے سے واقفیت تھی - انھوں نے اجین کو تجویز کیا اور کہا کہ اجین طول و عرض کے اعتبار سے ہندوستان کے بیچ میں واقع ہے - بکرماجیت کھتری نے بھی اسی وجہ سے اس کو اپنا پایہ تخت بنایا تھا مگر بادشاہ کی خواہش یہ تھي کہ دیو گڑھ پایہ تخت بنے - دیو گڑھ کی طرف بادشاہ کا میلان دیکھ کر بعض وزیروں نے کہہ دیا - " دیو گڑھ ہندوستان کے بیچ میں واقع ہے اسی کو پایہ تخت بنایا جائے " -

ضیاالدین برنی کا بیان ہے کہ " سلطان محمد نے یہ خیال کیا کہ اور شہروں کی نسبت دیو گڑھ سلطنت کے بیچ میں ہے ' دھلی ' گجرات ' لکھنوتي ' ستگانو ' سنار گانو ' تلنگ ' معبر ' دھور سمدر اور کمپیلہ سے دیو گڑھ تک فاصلہ قریب قریب برابر ہے - خیال کا دل میں آنا تھا کہ بغیر مشورہ کئے اور بغیر نفع نقصان سوچے بادشاہ نے دھلی جیسے پایہ تخت کو جو ایک سو ساٹھ یا ایک سو ستر برس میں کہیں خدا خدا کرکے آباد ہوا تھا اور اب واقعي ایک بڑا وسیع شہر ہوگیا تھا اور بغداد اور مصر کا ہمپلہ تھا ویران اور برباد کر دیا ' اور شہر کے ساتھ ہی ساتھ اس کی سراؤں کو بھی مٹا دیا اور چار چار پانچ پانچ میل کی نواح میں جتني بستیاں تھیں ان کا نام

---

[۱]—یحیی بن احمد نے غلطی کي ہے - قرینے بتاتے ہیں کہ ملک بہاالدین گشتاسپ کي بغاوت پایہ تخت کی تبدیلي کے بعد ہوئی پہلے نہیں ہوي جیسا تاریخ مبارک شاھی میں لکھا ہے -

نشان بھی نہ چھوڑا - یوں سمجھو کہ دھلی میں اور دور دور تک اس کی گرد و نواح میں کتے بلیاں تک نہ رھیں - سب دھلی والوں کو مع ان کے قبیلوں کے ' عورتوں کے ' بچوں کے اور غلاموں کے دیو گڑھ روانہ کر دیا - لوگ تو مدتوں دھلی میں رھتے رھتے اس کی سر زمین سے مانوس ھوگئے تھے - دور دراز کے سفر کی مشقتیں نہ جھیل سکے ' راستے میں مر مر گئے جو بچ کر دیو گڑھ پہونچے بھی انھیں وھاں کی سر زمین نہ بھائی - ان کا دل دھلی ھی میں پڑا رھا - آخر وھیں مر کھپ گئے - دیو گڑھ جیسے قدیم کفرستان میں ھر طرف مسلمانوں کے قبرستان نظر آنے لگے - اگرچہ دھلی سے روانہ کرتے وقت بادشاہ نے رعیت پر بہت کچھ انعام اکرام کیا اور جب دھلی والے دیو گڑھ پہونچے تو اس وقت بھی ان پر بڑی فیاضیاں اور بخششیں کیں ' مگر بخششیں اور فیاضیاں ان کے کس کام کی تھیں ؟ ان کی تو جانوں پر آ بنی تھی - کچھ تو سفر کے دوران میں ختم ھو گئے اور کچھ دیو گڑھ پہونچنے کے بعد مر گئے - بہت ھی کم ایسے تھے جنھیں پھر جان کی سلامتی میں دھلی آ کر رھنا نصیب ھوا - اُس دن دھلی کا شہر جو ساری دنیا کے شہروں کی ناک تھا برباد اور ویران ھوگیا " -

ابن بطوطہ نے لکھا ھے کہ سلطان محمد کی اس حرکت پر کہ اُس نے دھلی کے کل باشندوں کو شہر سے نکال دیا بہت ھی ملامت کی جاتی ھے - سبب یہ تھا کہ لوگ خطوں میں گالیاں لکھ لکھ کر رات کو بادشاہ کے دیوان خانے میں ڈال جایا کرتے تھے - بادشاہ اُن خطوں کو پڑھ پڑھ کر دل ھی دل میں گھٹتا تھا - آخر اُس نے لوگوں کو سزائیں دینے اور شہر سے نکال دینے کی ٹھان لی - اس نے لوگوں کے مکان خرید لئے اور مکانوں کے مالکوں کو قیمتیں دے دیں - پھر حکم دیا کہ تین دن کے اندر سب لوگ شہر خالی کرکے دولت آباد کی طرف روانہ ھوجائیں - اس حکم کی بہتیروں نے تو تعمیل کی - دھلی چھوڑ چھوڑ کر وہ دولت آباد کی طرف چلے گئے ' مگر بعض اپنے گھروں میں چھپ کر بیٹھ رھے - بادشاہ نے تلاش کرایا تو ایک گلی میں سے دو آدمی نکلے - ایک اندھا تھا اور دوسرا لولا - ان دونوں کو پیش کیا گیا تو بادشاہ نے لولے کو منجنیق سے اڑا دیا - اور اندھے کے لئے حکم دیا کہ دھلی سے دولت آباد تک اسے گھسیٹ کر لے جائیں - دھلی سے دولت آباد تک چالیس دن کا راستہ تھا - اندھا کہاں تک گھسٹتا ؟ راستے میں اس کے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے ھوگئے -

صرف ایک پانوں دولت آباد پہونچا - لوگوں نے یہ حال دیکھا تو وہ اپنا مال اسباب چھوڑ چھوڑ کر نکل گئے - شہر سنسان ہوگیا - ایک معتبر آدمی نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک رات بادشاہ محل کی چھت پر چڑھا - جب شہر کی طرف سے نہ دھواں اٹھتا دیکھا نہ چراغ جلتا نظر آیا تو بولا " میرا جی اب ٹھنڈا ہوا " - پھر اور شہروں کے باشندوں کو حکم دیا کہ دهلی میں آن کر رهیں - نتیجہ یہ ہوا کہ وہ شہر بھی برباد ہوگئے اور دلی آباد نہ ہوئی -

ابن بطوطہ کی یہ روایت بے سروپا ہے - اس نے کسی راوی کا حوالہ نہیں دیا - معلوم ہوتا ہے کہ یہ باتیں اس نے دهلی کے بازار میں اس وقت سنیں جبکہ سلطان محمد بدنام ہو گیا تھا - کرنیل هیگ نے ابن بطوطہ کی اس روایت کو کہ بادشاہ نے دهلی والوں کے گالیوں سے بھرے ہوئے خطوں کو دیکھ دیکھ کر ان سے دهلی خالی کرائی صحیح مانا ہے - لیکن انہوں نے اس بات کا احساس کر لیا ہے کہ مؤرّخوں کے بیانات اس بادشاہ کے متعلق بےترتیب ہیں' اور بےترتیبی کے سبب سلطان محمد کی تاریخ بدنما ہوگئی ہے - بدنمائی کو ایک حد تک صاحب موصوف نے دور کیا ہے - لکھا ہے کہ " بعض مؤرّخوں نے سنہ ۱۳۲۹ع کے واقعے کو سنہ ۱۳۲۷ع کے واقعے سے خلط ملط کر دیا ہے - ان کا قول ہے کہ سنہ ۱۳۲۷ع میں بادشاہ نے دهلی کی ساری خلقت کو زبردستی نکال دیا - مگر یہ غلط ہے - سنہ ۱۳۲۷ع میں صرف سرکاری دفتر بھیجا گیا تھا - اور خاص خاص امیر اور سردار دولت آباد آئے تھے - سنہ ۱۳۲۹ع میں سب دهلی والے جبراً بھیجے گئے - یہ کسی سیاسی مصلحت یا انتظامی ضرورت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس سبب کہ بادشاہ دهلی والوں سے ناراض ہو گیا تھا - سزا دینے کی غرض سے اُس نے انہیں تکلیف میں ڈالا " -

مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ سزا دینے کا شگوفہ ابن بطوطہ نے نکالا ہے - سلطان محمد دهلی والوں سے بھلا کیوں ناخوش ہوتا ؟ اور ناخوش ہوتا بھی تو دهلی والے بچّوں اور نادانوں کی طرح سے گالیاں لکھ لکھ کر قلعے میں کیوں ڈالنے لگے تھے ؟ اور بالفرض ایسا ہوتا بھی تو سلطان پہلے معاملے کی تحقیق کرتا - خطوں کی عبارتیں پڑھتا - ان پر غور کرتا - اور طرز تحریر سے لکھنے والوں کا پتہ چلا لیتا - خط لکھنے والے ہوں گے کتنے ؟ سفر نامے سے کچھ پتہ نہیں چلتا لیکن یہ یقینی ہے کہ دهلی کے کل باشندے ایک دم ایسے خط

نہیں لکھ سکتے تھے - پھر کل باشندوں کو کیوں کر سزا دی جا سکتی تھی ؟ - سلطان محمد شریعت کا عالم تھا اور عادل ہونے کا دعوی کرتا تھا وہ جزو کے سبب کل کو کیوں کر قصور وار ٹھہرا سکتا تھا ؟ اور معدودے چند کی وجہ سے ہزاروں کو کیوں کر ہلاک کر سکتا تھا ؟ یہ بات تو سراسر عقل کے خلاف ہے اور شریعت کے خلاف بھی - ابن بطوطہ کی روایت سے یہ بھی نہیں کھلتا کہ سلطان محمد مسلمانوں سے ناخوش ہوا تھا یا ہندوؤں سے اور اس نے جلا وطنی کی سزا دی تو صرف مسلمانوں کو دی یا ہندوؤں کو بھی - تاریخ فیروز شاہی میں ہے کہ اس بارے میں جتنی تکلیفیں پڑیں مسلمانوں پر پڑیں - عالم غربت میں انہیں کا مرنا اور کفرستان میں انہیں کی قبریں بننا لکھا ہے - سلطان محمد ہندوؤں سے ناخوش نہ تھا - وہ انہیں کیوں جلا وطن کرتا ؟ ان سب کو جلا وطن کرنا ممکن بھی نہ تھا .. کل مسلمانوں کا بھی دہلی سے منتقل کر دینا مصلحت کے خلاف تھا - اگر دہلی مسلمانوں سے خالی ہو جاتی اور فوجیں بھی نہ رہتیں تو وہاں مغلوں کے حملے کا اور ہندوؤں کے فساد کا اندیشہ تھا - قریشی بتاتے ہیں کہ ابن بطوطہ کی یہ روایت بے سروپا ہے اور لطف یہ ہے کہ اس نے کسی راوی کا حوالہ بھی نہیں دیا - معلوم ہوتا ہے کہ یہ افیمیوں کی بڑ تھی جسے ابن بطوطہ نے دہلی کے بازاروں میں سن لیا - جیسا سنا ویسا ہی لکھ دیا - ہمارے نزدیک نہ سلطان محمد دہلی والوں سے ناخوش ہوا تھا ' نہ اس نے انہیں سزائیں دیں ' نہ سب کو دولت آباد بھیجا -

ضیاالدین برنی اور ابن بطوطہ دونوں ہمعصر ہیں مگر دونوں میں سے ایک بھی نہیں بتاتا کہ پایہ تخت کی تبدیلی کس طرح سے ہوئی - ایک دم ہوئی یا رفتہ رفتہ - ملّا بدایونی جو ہمعصر نہیں ہے لکھتا ہے کہ پایہ تخت کی تبدیلی رفتہ رفتہ عمل میں آئی - پہلی مرتبہ سلطان محمد اپنے گھر بار کو اور امرا و اراکین کو لے گیا - امرا بھی اپنے گھر والوں کو لیتے گئے - دوسری مرتبہ باقی دہلی والوں کو دولت آباد جانے کا حکم ہوا - حاجی الدبیر نے تو صرف امرا اور اراکین کا جانا لکھا ہے - کل آبادی کا منتقل ہونا لکھا ہی نہیں - ضیاالدین برنی کا بیان ہے کہ دہلی میں کتے بلیاں بھی نہ رہیں بالکل بے معنی ہے -

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ضیاالدین برنی اور ابن بطوطہ نے آخر کیوں غلط بیانیاں کیں ؟ جواب یہ ہے کہ جان بوجھ کر ان دونوں میں سے کسی نے بھی جھوٹ نہیں لکھا - انہوں نے اپنی قلم سے جو کچھ لکھا سچ جان کر لکھا مگر اصلیت اور حقیقت کو سمجھنا اور واقعات کی تہ تک پہونچنا آسان نہ تھا - ضیاالدین برنی سلطان محمد ہی کو نہ سمجھ سکا اس کی حکمت عملی اور سیاست ملکی کو کیوں کر سمجھ سکتا تھا ؟ ابن بطوطہ اس واقعے کے بہت بعد ہندوستان میں آیا اور جب آیا تو سلطان محمد بدنام ہوچکا تھا - ایسی حالت میں سلطان کو کیا کچھ نہ کہا جا رہا ہوگا ؟ ابن بطوطہ کو تحقیق کی نہ فرصت تھی نہ ضرورت - وہ خود سلطان محمد سے بیزار ہوگیا تھا - اسی سبب اس نے ملازمت ترک کردی تھی - اس کی جان کے لالے پڑگئے تھے - خدا خدا کر کے جان بچی اور جوں توں کر کے ہندوستان سے نکلا تو مصیبتوں اور مجبوریوں [۱] پر بھی سلطان کو منھ نہ دکھایا ایسی حالت میں سلطان محمد کے متعلق بہترین واقفیت اُنہیں سیاحوں کو ہوسکتی تھی جو صرف خبریں حاصل کرنے اور نئی باتیں معلوم کرنے کی غرض سے ہندوستان میں آتے تھے - اور وہاں جو کچھ دیکھتے یا سنتے وہ لکھ لکھ کر مصر لے جاتے - انہیں میں سے ایک سراج الدین شبلی ہے اس نے لکھا ہے کہ " سلطان محمد کا اصلی منشا دہلی کو ویران کرنا نہ تھا - وہ یہ چاہتا تھا کہ دیو گڑھ بادشاہت کا صدر مقام بنے اور دہلی وزارت کا " -

سلطان محمد دیوگڑھ کو اپنی بادشاہت کا صدر مقام بنا چکا تو اس نے کندھانے کا علاقہ فتح کیا - ضیاالدین برنی نے تو فتوحات کا ذکر نہیں کیا - صرف اتنا لکھا ہے کہ " شروع شروع میں بادشاہ نے کئی علاقے فتح کئے " - تاریخ فرشتہ میں ہے کہ " جب بہاالدین سے فراغت ہوگئی ...... تو بادشاہ کندھانہ فتح کرنے کی غرض سے دولت آباد سے نکلا - کندھانہ خیبر کی نواح میں ہے - ناگ نائک کولیوں کا سردار کندھانے کا حاکم تھا - کندھانے کا قلعہ پہاڑ پر واقع ہے اور بڑا مستحکم اور مضبوط ہے - اس کا فتح کرلینا کوئی آسان

[۱]—ابن بطوطہ چین کی سفارت پر گیا تھا - راستے میں جہاز ٹوٹ گئے اور شاہی تحفے غرق ہوگئے - ابن بطوطہ کو چاہئے تھا کہ سلطان محمد کے پاس جاکر سفارت کی ناکامی کا حال سناتا - اس کے دل میں یہ بات آئی بھی مگر سلطان محمد سے برگشتہ ہوچکا تھا اس سبب ٹل گیا -

کام نہیں - بادشاہ آٹھ مہینے تک کندھانے کا محاصرہ کئے رہا - آٹھ مہینے کے بعد ناک نائک نے قلعہ بادشاہ کے حوالے کردیا - اور اماں کا خواستگار ہوا - بادشاہ نے اس کو اپنے امیروں میں داخل کرلیا - فتح پاکر بادشاہ خوشی خوشی دولت‌آباد میں واپس آیا " -

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ کندھانے کی فتح بہاالدین گشتاسپ کی بغاوت ہی کے بعد نہیں ہوئی بلکہ دارالسلطنت کے دیو گڑہ منتقل ہو جانے کے بعد - سلطان محمد دیو گڑہ کو دولت‌آباد بنا چکا تو پونا کے قریب کندھانے [۱] پر جا چڑھا - دولت‌آباد سے ہی فوجیں لے کر نکلا تھا اس سبب فتح ہوگئی تو دولت‌آباد ہی واپس ہوا - یہاں پہونچ کر اس نے خراسان پر چڑھائی کرنے اور مغلستان کو خاک میں ملانے کی کوششیں شروع کردیں - اور پونے چار لاکھ کا ایک بہت بڑا لشکر جمع کیا - یہ لشکر علاوہ ان فوجوں کے تھا جو پہلے سے چھاونیوں میں موجود تھیں - غرض خرچ دگنا تگنا ہوگیا - خیال کیا جاتا ہے کہ اس سبب سے بادشاہ نے ایک ترکیب کی - بجائے چاندی کے تانبے کی مہریں چلادیں - ضیاالدین برنی نے لکھا ہے کہ " سلطان محمد نے خرید فروخت کے معاملات میں دخل اندازی کی اور تانبے کی مہریں چلادیں - اُس نے ساری دنیا کی فتح کا ارادہ کیا تھا - جس کے لئے بہت بڑے لشکر کی ضرورت تھی - اتنا بڑا لشکر بے شمار دولت کے بغیر کیسے جمع ہوسکتا تھا ؟ خزانے میں تو ادھادھند بخششوں کے سبب پہلے ہی کمی ہوگئی تھی - مجبور ہوکر سلطان محمد نے تانبے کی مہریں چلادیں - حکم دے دیا کہ جس طرح لین دین میں چاندی سونے کے سکے چلتے ہیں اسی طرح اب تانبے کی مہریں چلا کریں - نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوؤں نے گھر گھر ٹکسالیں بنالیں - اور شہر شہر کے ہندوؤں نے لاکھوں اور کروروں تانبے کی مہریں گھڑ لیں - انہیں کو وہ خراج میں دیتے اور انہیں کے بدلے اچھے اچھے گھوڑے اور ہتھیار خریدتے - شہری اور دیہاتی ہندو ' مقدم ' خوط وغیرہ بڑے روپے والے ہوگئے مگر سلطنت میں کمزوریاں پیدا ہوگئیں - کچھ عرصے کے بعد دور دور کے صوبوں میں لوگوں نے ان تانبے کی مہروں کو چاندی کے عوض لینے سے انکار کردیا - ایک

[۱] -- سین گڑہ مراد ہے -

سنہری تنکے کا بھاو تانبے کے سو تنکوں کے برابر ہوگیا اور ہر سنار اپنے گھر میں تانبے کے سکے بنانے لگا - تانبے کی مہروں سے خزانہ بھر گیا - اور ان کی ایسی بے قدری ہوئی کہ وہ ٹھیکریوں اور کنکریوں کے برابر سمجھے جانے لگے - پرانے چاندی کے سکے کی قیمت چوگنی پچ گنی ہوگئی - جب چاروں طرف خرابی پڑگئی تو بادشاہ جز بز ہوا - حکم دیا " کہ جس جس کے پاس تانبے کی مہریں ہوں خزانے میں لے آئے اور ان کے بدلے چاندی کے سکے لے جائے " یہ حکم سنتے ہی ہزاروں آدمی جن کے گھروں میں تانبے کے سکے ڈھیر کے ڈھیر پڑے ہوئے تھے لے لے کر خزانے میں آگئے - اور تانبے کے ہر سکے کے عوض شش گانی اور دوگانی بلکہ روپہلی اور سنہری تنکے لے لے گئے - اس طریقے سے اتنے تانبے کے سکے خزانے میں آئے کہ تغلق آباد میں پہاڑ کی طرح اونچے اونچے ڈھیر لگ گئے - خزانے میں بڑی کمی ہوگئی - اس سبب سلطان محمد کا دل رعایا کی طرف سے ہٹ گیا " تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ " جب سلطان محمد کو یہ خیال آیا کہ سکندر کی طرح ساری دنیا کو فتح کرلے اور اس بڑے کام کے لئے اپنے لشکر کو اور خزانے کو اس نے کافی نہ پایا تو اس نے اپنا مقصد پورا کرنے کی غرض سے تانبے کے سکے چلا دیئے - حکم دیا کہ جس طرح چین کے ملک میں چاو چلتا ہے اسی طرح ہندوستان میں بجائے سنہری اور روپہلی تنکوں کے تانبے کے سکے چلائے جائیں معمولی خرید فروخت میں بھی تانبے ہی کے سکے کام آئیں - چاو اصل میں کاغذ کا ایک ٹکڑا ہوتا تھا جس پر چین کے بادشاہوں کا نام اور لقب نقش کردیا جاتا تھا ' چین کے بازاروں میں بجائے اشرفیوں اور روپیوں کے چاو ہی چلتا تھا ' لیکن ہندوستان میں چین کی سی بات نہ بن سکی ' مختلف صوبوں میں ہندوؤں نے تانبے کے سکے بنانے شروع کردئے اور اس کثرت سے بنائے کہ اور سب سکوں کی جگہہ تانبے کے سکے ہی نظر آنے لگے - تانبے کے سکے لاکھوں اور کروروں کی تعداد میں ہندوؤں نے اپنے پاس جمع کرلئے - انہیں کو بازار میں چلاتے اور انہیں کے ذریعے بڑی بڑی قیمتیں ادا کر کے ہتھیار مول لیتے اور قسم قسم کی چیزیں خرید کر تجارت کی غرض سے دور دور بھیجتے - انہیں کے ذریعے سونے چاندی کے تنکے بھی خرید لیتے - کچھہ عرصے تو یہی حال رہا - آخر میں دور دور کے صوبوں نے تانبے کے سکوں کو لینے سے انکار کردیا اور بغاوتیں شروع ہوگئیں . تانبے کے سکے بالکل بے قدرے

ہوگئے - یہ دیکھ کر بادشاہ پچھتایا - مجبور ہوکر حکم دیا کہ جس کسی کے پاس تانبے کے سکے ہوں وہ انھیں خزانے میں داخل کردے اور ان کے عوض سونے چاندی کے سکے لے آئے - بادشاہ کو خیال تھا کہ شاید اسی طریقے سے تانبے کے سکے کی وقعت بڑھ جائے اور وہ پھر رواج پاجائے مگر لوگوں نے تو تانبے کے سکوں کو مٹی کے ڈھیلوں اور کنکروں کی طرح اپنے گھروں میں ڈال رکھا تھا - وہ ڈھیر کے ڈھیر اٹھا کو خزانے میں لے آئے اور ان کے بدلے سونے چاندی کے سکے لے گئے - نتیجہ یہ ہوا کہ خزانہ خالی ہوگیا - تانبے کے سکوں کی بے قدری تو جیسی تھی ویسی ہی رہی ' اوپر سے سلطنت میں بڑی کمزوریاں پیدا ہوگئیں - رخنہ پڑ گیا " -

کرنیل ہیگ نے تاریخ فیروز شاہی کی بنا پر لکھا ہے کہ " سلطان محمد کے دماغ میں ساری دنیا فتح کرنے کا خبط سما گیا تھا اس وجہ سے اس کو بے شمار دولت کی ضرورت ہوئی - اس نے بلا سوچے سمجھے یہ حکم جاری کردیا کہ تانبے اور پیتل کے سکے سونے چاندی کے بدلے چلائے جائیں - نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں جعلی سکے بننے لگے - صرف تین چار سال تک تانبے کے مصنوعی سکے چلے - بارے سلطان نے جلدی اپنی غلطی کا احساس کرلیا اور تانبے کے تمام سکے واپس لے لئے - مگر اُس کو تانبے کے عوض چاندی دینی پڑی اور تانبے کے سکوں کے پہاڑ لگ گئے جو سو برس بعد تک تغلق آباد میں دیکھے گئے " -

انڈورڈ طامس کی رائے مختلف ہے - اس کے نزدیک " سلطان محمد دھاتوں اور سکوں کے علم کا امام تھا - سلطان کو معلوم تھا کہ کئی صدی پہلے سے چین میں کاغذ کا نوٹ چل رہا ہے - چین کی پیروی اب سے قریب قریب سو برس پہلے ایران کے بادشاہ کیخاتو خاں نے بھی کی تھی - وہ جانتا تھا کہ ایران میں چاو کیوں کر جاری ہوا اور کیوں ناکام رہا - وہ تبریزی چاو کی ناکامی سے اور کیخاتو خاں......کی بدنیتی سے خوب واقف تھا - لالچ اس کی طبیعت میں نام کو نہ تھا - اُس نے کیخاتو خاں کی بری مثال سے قطع نظر کر کے چینی اصول پر کار بند ہونا چاہا تاکہ سلطنت کے اعتبار پر کارو بار چلے مگر اس میں وہ ناکام رہا - وجہ یہ تھی کہ سرکاری ٹکسال میں ٹھپہ لگانے کے لئے مخصوص آلے نہ تھے جو آلے سرکاری اہل‌کاروں کے پاس تھے ' وہی

هر سنار کے پاس موجود تھے - یہی وجہ تھی کہ انہوں نے آسانی سے تانبے کے پیسوں پر ٹھپے لگانے شروع کردئے " -

پروفیسر براؤن نے لکھا ہے کہ " کچھ عرصے سے دنیا میں چاندی کی کمی ہوگئی تھی - هندوستان میں چاندی کی کمی محسوس ہوئی تو دهلی کی سلطنت بہت وسیع ہوچکی تھی اور جس قدر وسیع ہوگئی تھی اُسی قدر سکوں کی ضرورت بڑھ گئی تھی - چاندی زیادہ مقدار میں درکار تھی - چاندی کی کمی ایک تو اس وجہ سے تھی کہ لوگ چاندی کے گہنے زیادہ بنوانے لگے تھے - گھر کے استعمالی برتن بھی اکثر چاندی کے بنائے جاتے تھے اور دوسرے چاندی ہوتی بھی کم تھی - هندوستان کے باہر بھی ملک ملک میں چاندی کا قحط تھا - ٹرانسلوینیا (Transylvania) سیکسنی (Saxony) هسپانیہ (Spain) میں چاندی بہت کم پائی جاتی تھی - انگلستان ' مصر ' جاپان ' فلانڈرز (Flanders) ایران اور اسکاٹ لینڈ (Scotland) میں بھی یہی حالت تھی - سلطان محمد کو یہی مشکل پیش آئی " -

اصلیت کچھ هو - اتنا یقینی ہے کہ ضیاالدین برنی کے بیان میں بڑا مبالغہ ہے - سلطان محمد پر خزانہ خالی کردینے کا الزام لگایا نہیں جاسکتا - اُس کا خیال پاکیزہ تھا - اور اس کی ترکیب درست تھی - ممکن ہے کہ اُس کو ایک بڑا لشکر فراہم کرنے کی ضرورت نے آمدنی بڑھانے کی تدبیریں سُجھائی ہوں اور جس طریقے سے آج کل گورنمنٹ رعایا سے قرض لیتی ہے اور قرضے پر سود ادا کرتی ہے سلطان محمد نے بھی ایساهی سوچا ہو [۱] یہ هرگز نہیں کہہ سکتے کہ سلطان محمد کا خزانہ خالی هو گیا تھا - یا رعیت کو مفلس کرنے یا سرکاری خزانہ بھرنے کی غرض سے اُس نے تانبے کے سکے چلائے تھے - خزانہ پہلے هی سے بھرا هوا تھا اگر بھرا هوا نہ هوتا تو دو سال بعد جب یہ طریقہ ناکام ٹھہرا اور بادشاہ نے اپنا حکم منسوخ کیا '

---

[۱]—تانبے کی مهریں کتنی بنائیں گئیں ' اور کتنی چلائی گئیں ' اس کا کچھ ذکر تاریخ میں نہیں ملتا درایت سے معلوم هوتا ہے کہ یہ مهریں بے حد اور بے شمار نہ تھیں - اندازے سے بنائی گئی تھیں اور اندازے سے چلائی گئی تھیں - خزانہ بھر پور تھا - تانبے کی مهروں کا سلطان محمد کے حکم سے چلنا ایسا هی تھا جیسا آج کل رعایا کا سلطنت برطانیہ کو قرض دینا ' جسے اسٹیٹ لون کہتے هیں -

اور تانبے کی کُل مہریں واپس لے لیں تو لاکھوں بلکہ کروڑوں " نقلی سکوں " کے عوض کھرے اور چمکتے ہوئے چاندی سونے کے سکے کہاں سے دے دئے ؟ اور جس وقت بادشاہ نے تانبے کی مہریں چلائیں اُس وقت تک تو اُسے کوئی بڑی مہم بھی پیش نہ آئی تھی ' نہ کوئی چڑھائی ہوئی تھی ' نہ بغاوت ' نہ جلگ ' کیوں کر ممکن ہے کہ وہ خزانہ جو تخت نشینی کے وقت بھر پور تھا ' اور جس میں تخت نشینی کے بعد چاروں طرف سے خراج لا لا کر جمع کیا گیا تھا ' اتنی جلدی خالی ہو جائے ؟ مسالک‌الابصار میں لکھا ہے کہ " دکن سے جو خزانے سلطان محمد کے ہاتھ لگے تھے اُن میں سے اُس نے ایک کوڑی بھی صرف نہ کی تھی - سب کو مہریں لگا لگا کر رکھ دیا تھا " -

ابھی تانبے کی مہروں کو چلائے عرصہ نہ گزرا تھا اور بادشاہ لشکر کے انتظام میں مصروف تھا کہ ملتان سے ملک بہرام ایبہ کشلو خاں کے باغی ہو جانے کی خبر آئی - تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ جب بادشاہ نے دولت آباد کو اپنا پایۂ تخت بنا لیا تو سب امیروں اور منصب داروں کے نام فرمان بھیجے کہ اپنے اپنے گھر بار کو لے کر دولت آباد میں آجائیں اور وہیں اپنے مکان بنوائیں ' اسی اثنا میں بادشاہ نے علی نامی محصّل (Tax-collector) کو ملتان بھیجا ' اور اس کے ذریعہ بہرام ایبہ کو دربار میں طلب کیا - علی سختی سے پیش آیا - ایک روز بہرام ایبہ کا داماد اپنے گھر سے نکل کر دیوان خانے کی طرف جارہا تھا کہ علی نے اسے جا پکڑا ' کہنے لگا " اپنے خسر کو تم دولت‌آباد کیوں نہیں جانے دیتے ؟ تمہارے دل میں کیوں حرم زدگی سمائی ہے " ؟ بہرام ایبہ کے داماد نے جواب دیا " حرام زادہ کسے کہتے ہیں " ؟ علی بولا " حرام زادہ اُسے کہتے ہیں جو گھر کے اندر ہو بیٹھے اور بادشاہ کے حکم کو نہ مانے " پھر تو اُن دونوں میں خوب چلی ' نوبت یہاں تک پہونچی کہ علی نے بہرام ایبہ کے داماد کے بال پکڑ لئے اور کئی مُکّے مارے ' اُس نے بھی زور کیا اور اپنے بال چھوڑا کر علی کو زمین پر دے مارا - اس کے اردلی نے بڑھ کر علی کا سر کاٹ لیا جسے سارے شہر میں پھرایا گیا - بہرام ایبہ نے یہ حال سنا تو سمجھ گیا کہ اب خیر نہیں - بادشاہ مجھے زندہ نہ چھوڑے گا - یہ سوچ کر بغاوت کی ٹھان لی -

جب کشلو خاں کی بغاوت ملتان میں ہوئی تو بادشاہ دولت آباد میں تھا ' بغاوت کی خبر سن کر دولت آباد سے ملتان آیا ' ادھر کے

میدان میں لڑائی هوئی ' بادشاہ نے بڑی هوشیاری کی - چتر کے نیچے اپنی جگہ شیخ رکن‌الدین ملتانی کے بھائی شیخ عمادالدین کو کھڑا کر دیا ' اور خود فوج کا ایک دستہ لے کر کسی سمت نکل گیا ' عمادالدین بادشاہ سے بہت مشابہہ تھا ' کشلو خاں کے لشکر نے عمادالدین کو بادشاہ سمجھ کر قتل کر دیا اور لوٹ پر ٹوٹ پڑا - بادشاہ نے موقع پایا ' جھپٹ کر کشلو خاں پر آن پڑا ' اور اس کا سر کاٹ ڈالا - کشلو خاں کا لشکر بھاگ نکلا - بادشاہ کو فتح هوئی -

ملتان سے فارغ هو کر سلطان محمد دهلی آیا تو وهیں ٹھہر گیا ' دولت‌آباد نہ گیا - اُن هی دنوں بقول ضیاالدین برنی ' اُس نے دوآبے کے کل علاقوں کا لگان دس گنا اور بیس گنا کردیا ' اور اِتنے ٹیکس لگا دئے کہ غریب رعایا بِن آئے مرگئی - کچھ تو ٹیکس تھے هی زیادہ اور کچھ وصول کرنے کا طریقہ ایسا سخت تھا کہ معمولی درجے کے آدمی برداشت نہ کرسکے ' برباد هوگئے - جو ذرا مالدار تھے وہ باغی هوگئے - بہت سے علاقے ویران هوگئے ' کھیتیاں اُجڑ گئیں ' کسانوں نے کھیتی باڑی چھوڑ دی ' تجارت کم هوگئی ' اِدھر اُدھر سے غلہ آنا بند هوگیا اور دهلی کے نواح میں بلکہ سارے دوآبے میں قحط پڑ گیا - بارش بند هوگئی اور قحط کی سختی بڑھتی هی چلی گئی ' برسوں یہی حال رها - لاکھوں آدمی تباہ هوگئے ' اور بڑے بڑے گھرانے خاک میں مل گئے -

ضیاالدین برنی کے الفاظ سے ظاهر هوتا هے کہ اس لشکر کو برقرار رکھنے کی غرض سے جسے خراسان کی فتح کے لئے جمع کیا گیا تھا بادشاہ نے دوآبے میں نئے نئے محصول لگائے تھے ' اور جب رعایا ان محصولوں کو ادا نہ کرسکی تو سلطان محمد ان کا شکار کرنے کے لئے نکلا ' اور بیگناهوں کا دل کھول کر خون بہایا - لیکن ضیاالدین برنی کا بیان سراسر غلط هے - اس کی نا تمام اور ادھوری عبارت نے غضب ڈھایا هے - اُس نے لکھا کہ " سلطان محمد بہرام ایبہ کی بغاوت فرو کرکے دهلی آیا تو دو سال تک دهلی رها - اس عرصے میں لگان بہت بڑھادئے گئے - کچھ تو محصولوں کی زیادتی کے سبب اور کچھ محصلوں (Tax-collector) یعنی ٹیکس کلکٹروں کے تشدد کے سبب گنگا اور جمنا کے درمیان کا سارا ملک ویران اور برباد هوگیا - هندؤں نے اپنی اپنی

کھیتیوں کو آگ لگادی ' اور مویشیوں کو گھروں سے نکال کر جنگلوں میں ہنکا دیا - بادشاہ نے شق‌داروں اور فوجداروں کو حکم دیا کہ رعیت کو لوٹ لیں - حکم کی تعمیل ہوئی بہت سے خوطہ اور مقدم قتل کر دئے گئے - بہت سے اندھے کر دئے گئے' جو بچ نکلے جتھے بنا بنا کر جنگلوں میں جا چھپے - بستیاں ویران ہوگئیں - اسی زمانے میں بادشاہ شکار کے طور پر برن کی طرف گیا اور سارے برن کو لوٹ لیا ' اور اسے پامال کر ڈالا - ہندؤں کے سروں کو کاٹ لیا ' اور بہت سے سر برن کے قلعے پر لٹکا دئے گئے " - اسی بنا پر الفنسٹن - لین پول اور ڈاکٹر اسمتھ نے لکھ دیا کہ " بادشاہ نے برن میں جا کر جانوروں کی طرح آدمیوں کا شکار کیا " - کرنیل ھیگ کے نزدیک " برن کے رہنے والے بھیڑوں اور بکریوں کی طرح ذبح کئے گئے - جو بچ نکلے وہ جنگلوں میں جا چھپے - وہاں جانوروں کی طرح ان کا شکار کیا گیا " - کیا واقعی بادشاہ نے جانوروں کی طرح آدمیوں کا شکار کیا ؟ اور اگر کیا تو کیوں ؟ ان سوالوں کا جواب دینے سے پہلے یہ بات معلوم کرنی ضرور ہے کہ دوآبے میں بغاوت ہوئی کیوں ؟ اور اس کا سرغنہ کون تھا ؟

دوآبے میں بغاوت کی وجہ بیان کی جاتی ہے کہ سلطان محمد نے لگان [۱] بڑھا دیا تھا اور قحط کی آسمانی بلا نازل ہوگئی تھی ' مگر لگان

---

[۱]—تاریخ فیروز شاہی میں ہے کہ " خراج ولایت دوآب یکے بلا دہ ویکے بلا بست می باید ستد " جس کا مطلب عام طور سے سمجھا جاتا ہے کہ سلطان محمد نے محصولوں کو دس گنا اور بیس گنا بڑھا دیا - مگر یہ تو سراسر مبالغہ ہے - منتخبات‌التواریخ کی عبارت ٹھیک معلوم ہوتی ہے - اس میں لکھا ہے کہ خراج آں ولایت را دہ بست مقرر سازند " یعنی جہاں پہلے دس وصول ہوتے تھے وہاں اب حکم ہوا کہ بیس وصول کئے جائیں - لیکن تاریخ فیروز شاہی کی عبارت مقبول عام ہے - جو کچھ اس میں لکھا ہے وہ ہی تاریخ مبارک شاہی میں موجود ہے اور وہ ہی طبقات اکبری میں ہے - تاریخ فیروز شاہی کی عبارت پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ضیاالدین برنی کو خود یقین نہیں کہ ٹیکس بڑھایا کتنا گیا تھا ' اسی لئے اس نے ایسی گول بات لکھ دی - ملّا عبدالقادر بدایونی نے عقل لڑائی اور تاریخ فیروز شاہی کی مشکل اور مبہم عبارت کا مغز نکال کر قریب قریب ٹھیک بات لکھ دی - محمد قاسم فرشتہ نے لکھا ہے کہ محصول تگنا اور چوگنا کر دیا گیا اور یہی حاجی‌الدبیر نے لکھا ہے - کرنیل ھیگ نے فرشتہ اور ملّا بدایونی کے بیانوں کو قرین قیاس مانا ہے - گارڈنر براون نے لکھا ہے کہ " سلطان محمد کا بڑھایا ہوا محصول جتنا بھی ہو سلطان علاءالدین خلجی کے محصولوں سے کہیں کم تھا - علاءالدین خلجی کا تو حکم تھا کہ کسان پیداوار کا آدھا سرکار کو دیں اس کے علاوہ سلطان علاءالدین نے دودھ دینے

اتنا زیادہ نہیں بڑھایا گیا تھا جو ناقابل برداشت ہوتا ' اور قحط بھی ایسا سخت نہ تھا جو عام ہلاکت کا باعث ہوتا - لگان کے سبب بغاوت ہوتی تو سلطان علاءالدین خلجی کے زمانے میں ہوتی جب کہ لگان پچاس فی صدی تک پہونچ گیا تھا اور محصول بھی بڑھا دئے گئے تھے - قحط کے سبب بغاوت ہوتی تو پانچ سال بعد ہجری ۷۳۵ اور عیسوی ۳۵-۱۳۳۴ کے قریب ہوتی جب کہ ہندوستان میں ست سالہ قحط پڑا جس میں بھوک کے مارے آدمی جانوروں تک کا خون پی پی گئے ' اور ان کی کھالیں بھی جوش کر کر کے کھا گئے - دوآبے کی بغاوت کے وقت تو ملک میں غلہ کثرت سے تھا اور لوگ خوش حال تھے ' پھر بھی بغاوت ایسی سخت ہوئی کہ غلّے کے انبار آگ سے پھونک دئے گئے اور مویشی جنگلوں میں ھکا دئے گئے اور مکان خالی کر دئے گئے ' بستیاں ویران ہوگئیں - اس بغاوت کا بڑا سبب یہ تھا کہ بادشاہ نے ملتان سے واپس ہونے پر خراسان فتح کرنے کا ارادہ ترک کر دیا اور وہ پونے چار لاکھ سپاہی جو جمع کئے تھے لشکر سے برخاست کر دئے - وہ سپاہی بیکاری کے سبب بددل ہوگئے - اور پھر اِدھر اُودھر جا کر رعایا کو بھڑکانے لگے - بہت سے آدمی بادشاہ سے پہلے ھی بدظن تھے اور کئی جماعتیں بادشاہ کی مخالفت پر آمادہ تھیں - انہوں نے بادشاہ کو بدنام کرنا شروع کر دیا - اس واقعے کے سال ڈیڑھ سال بعد

والے جانوروں پر خاص کر گائیوں اور بھینسوں پر چرائي کا محصول لگا دیا تھا - اور مکانوں پر بھي محصول لگایا تھا - یہ محصول سلطان قطب‌الدین مبارک شاہ کے عہد میں بہت کم ہوگئے تھے - یہہ نہیں کہا جا سکتا کہ کتنے کم ہوئے تھے - غالباً بیس بائس في صدي کم ہوئے ہوں گے - بعد میں سلطان غیاث‌الدین تغلق نے اور کم کر دئے - اس نے دیوان وزارت کو حکم دے دیا کہ دس یا گیارہ فی صدي سے زیادہ کا مطالبہ نہ کریں - سلطان محمد نے بجائے دس کے بیس في صدي طلب کیا - دوآبے کي زرخیزي کو مدِّنظر رکھہ کر اس محصول پر غور کیا جائے جو سلطان محمد نے لگایا تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ بادشاہ نے کوئي ظلم کیا یا کسي قسم کا تشدد روا رکھا - بیس پچیس سال پہلے جو لوگ پچاس فی صدي ٹیکس ادا کر چکے تھے اُن پر اب بیس في صدي کا ٹیکس مصیبت کیوں ہوگیا ؟ وجہ یہ تھي کہ محصول بڑھتے ھي دوآبے میں بلکہ کل شمالي ہندوستان میں قحط پڑ گیا اور رعایا بد حال ہوگئي - جو مصیبتیں قحط کي وجہ سے لوگوں پر پڑیں ان کو ضیاالدین برني نے سلطان محمد کے سر تھوپا اور اس کي حماقتیں ثابت کرنے کي غرض سے محصولوں کي زیاتي کو رعیت کي تمام پریشانیوں اور تکلیفوں کا باعث ٹھہرایا " -

گارڈنر براون کا خیال ممکن ھے درست ہو - لیکن یہ ظاہر ھے کہ قحط شروع سے نہ تھا اگر شروع سے ہوتا تو سلطان محمد محصول لگاتا ھي کیوں -

ابن بطوطہ ہندوستان میں آیا اور آتے ہی اس نے بہت سی باتیں بادشاہ کے خلاف سنیں جنہیں اس نے جگہہ جگہہ اپنے سفر نامے میں درج کر دیا - عالموں کی جماعت بہت مخالف تھی - ایک تو اس سبب کہ تخت نشینی کے بعد ہی بادشاہ نے کچھہ اصلاحیں کرنی چاہیں تھیں اور ان رسموں کو مٹانا چاہا تھا جنہیں علماء نے مذہب میں داخل کر لیا تھا - دوسرے اس سبب کہ بادشاہ نے خود علماء کی اصلاح کرنی چاہی- ان کا کیرکٹر (Character) بنانا چاہا - جن عالموں کا کیرکٹر کمزور ثابت ہوا انہیں سزائیں دیں - سلطان محمد کے نزدیک صرف ان عالموں کی قدر تھی جن کے اخلاق درست تھے ' جن کا ظاہر و باطن یکساں تھا اور جن کا کیرکٹر اچھا تھا - ایسے عالم زیادہ تر غیر ملک کے ہوتے تھے - مولانا عضدالدین ' قاضی مجدالدین شیرازی ' مولانا ناصرالدین ترمذی سب غیر ملکوں کے رہنے والے تھے - بادشاہ نے ان کے وظیفے مقرر کئے اور ان سب کی بڑی عزت کی یہ بات ہندوستان کے عالم گوارا نہ کر سکتے تھے - انہوں نے ملک میں فتنے فساد برپا کرنے اور سلطنت کو کمزور بنانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا - انہوں نے دوآبے کی بغاوت میں بھی مدد دی ہو تو کیا تعجب !

گنگا جمنا کا علاقہ جسے ضیاالدین برنی نے دوآبہ لکھا ہے ہمیشہ سے سرکشوں اور باغیوں کا مرکز رہا تھا- سلطان غیاث‌الدین بلبن کے زمانے سے سلطان علاءالدین خلجی کے زمانے تک دوآبے میں برابر بغاوتیں ہوتی رہیں تھیں - سلطان علاءالدین جیسا اولوالعظم بادشاہ بھی دوآبے والوں کی مخالفتوں اور سرکشیوں سے نہ بچا - اس نے ان کی بغاوت کو دور کیا اور ان کو مطیع و محکوم بنایا تو اس طریقے سے کہ ان کو مال و دولت سے محروم کرکے کسب معاش میں مشغول کر دیا - سلطان محمد سلطان علاءالدین خلجی کے طرز حکومت سے واقف تھا اور دوآبے والوں کی ذہنیت بھی جانتا تھا - یہ بھی جانتا تھا کہ پونے چار لاکھہ فوج کا جس میں اکثر دوآبے کے راتھور ہیں پراگندہ ہو جانا کس قدر بے امنی کا باعث ہوگا - اسی سبب اس نے یہ احتیاط کی کہ ان لوگوں کو کسب معاش میں مشغول رکھنے کی غرض سے نئے نئے محصول لگا دئے - زمیندار فوجی خدمتوں سے بر طرف ہو گئے تو انہوں نے لوٹ مار شروع کردی - جو لوگ امن چین سے زندگی بسر کر رہے تھے وہ بھی اپنے اپنے مکان چھوڑ کر جنگلوں میں بھاگ گئے - جو کچھہ مال متاع یہ چھوڑ کر بھاگے تھے وہ لٹیروں کے ہاتھہ

آیا - اور جو کچھ وہ لے جا نہ سکے اس میں انہوں نے آگ لگادی - بہت سی کھیتیاں بھی جلا دیں - شاہی ملازم لگان وصول کرنے آئے تو ان کے ساتھ برا سلوک کیا - بادشاہ پر لٹیروں کا سزایں دینا اور دوآبے کا فساد دور کرنا فرض ہو گیا - اس نے شقداروں اور فوج‌داروں کے نام حکم بھیجا کہ دوآبے میں جاکر شورش کو دور کریں - لٹیروں سے لوٹ کا مال چھینیں اور سرکشوں کو مغلوب کریں - جب کسی طریق سے امن قائم نہ ہوا تو وہ خود نکلا اور برن کا رخ کیا - تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے " همدرآں ایام سلطان محمد بر طریق شکار درولایت برن رفت و فرمان‌داد تا تماملی ولایت برن را نہب و تاراج کردند و سر ھاے هندواں آوردند و در کلگرهاے حصار برن بیاویختند " یعنی انہی دنوں بغاوت فرو کرنے کی غرض سے بادشاہ برن آیا - وھاں پہونچ کر برن کی تاراجی کا حکم دے دیا - بہت سے هندؤں کے سر کاٹ لئے گئے - جنھیں برن کے قلعے پر لٹکا دیا گیا - لیکن ترجمہ کرنے والوں نے " بر طریق شکار " کے جملے سے دھوکا کھا کر یہ لکھ دیا کہ " سلطان محمد نے اپنی فوج کو شکار کی تیاری کا حکم دیا اور شکار کے دستور کے موافق هندوستان کے ایک بڑے خطے کو جا گھیرا اور حکم دے دیا کہ جو شخص اس گھیرے کے اندر آ جائے وہ قتل کر دیا جائے - شاہی فوجوں کے سپاهی چاروں طرف سے قتل کرتے ہوئے بیچ میں آکر ایک دوسرے سے مل گئے - جو لوگ اس طرح مارے گئے وہ اکثر گنوار تھے اور بالکل بے گناہ - اس قسم کا شکار کئی مرتبہ کھیلا گیا " لیکن یہ سراسر تہمت ہے جو سلطان محمد پر لگائی گئی ہے -

ابن بطوطہ دوآبے کی بغاوت کے دوران میں هندوستان آیا تھا - وہ جن دنوں دھلی پہونچا بادشاہ دوآبے کی بغاوت فرو کرنے میں مصروف تھا اور برن اور قنوج کے باغیوں کی سرکوبی میں مشغول تھا - اگر واقعی اس نے جانوروں کی طرح آدمیوں کا شکار کیا ہوتا تو خبریں ابن بطوطہ تک ضرور پہونچ جاتیں اور بعد میں جب وہ ان مقامات میں پہونچا تو اس وقت تو مقامی خبریں اُس کو ضرور ملتیں - یہ ناممکن ہے کہ ابن بطوطہ کو قنوج پہونچنے کے بعد بھی وھاں کے حالات معلوم نہ ہوئے ہوں - ابن بطوطہ کے کان تک بات پہونچتی تو کچھ نہ کچھ لکھ ہی دیتا - مگر اس نے آدمیوں کے شکار کے متعلق ایک حرف بھی نہیں لکھا - " بر طریق شکار رفتن " سے مراد یہ ہے کہ بادشاہ اُس طریقے سے روانہ ہوا جس طریقے سے وہ شکار کی سواری پر جاتا

کرتا تھا ' یعنی اس کے ساتھ خاص تعداد گھوڑوں کی اور جانوروں کی تھی اور کسي کو یہ نہ معلوم تھا کہ بادشاہ کہاں جانے والا ہے -

ضیاالدین برنی نے دوآبے کی شورش کا اور برن ' قنوج اور دلمو کی بربادی کا رہ رہ کر ذکر کیا ہے - اور یوں لکھا ہے کہ گویا سلطان محمد نے سارے ہندوستان کو ویران کرنے کی ٹھان لی تھی - بات یہ ہے کہ اس زمانے میں سلطنت پر کئی ناگہانی آفتیں آگئی تھیں - ایک تو لکھنوتی میں غیاث‌الدین بہادر کی بغاوت اٹھ کھڑی ہوئي تھی - سفر نامے میں لکھا ہے کہ جلوس کے پہلے ہی سال جب بادشاہ نے غیاث‌الدین بہادر کو بہت سا مال اور گھوڑے اور ہاتھی دے کر رخصت کیا تو اس کے ساتھ اپنے بھتیجے ابراہیم خاں کو بھی کیا اور اُسے یہ تاکید کر دی کہ ابراہیم خاں کے ساتھ مل کر حکومت کرنا - خطبے اور سکے میں اس کا نام بھي اپنے نام کے ساتھ شریک کرنا اور اپنے بیٹے محمد کو دہلی بھیج دینا - غیاث‌الدین بہادر نے سب باتیں تو پوری کر دیں مگر اپنے بیٹے کو دہلي نہ بھیجا - عذر یہ کیا کہ وہ میرا کہنا نہیں مانتا - گستاخی کرتا ہے - اُن دنوں بادشاہ دہلی میں گھرا ہوا تھا - اس نے دلجلی تاتاری کی ماتحتی میں ایک لشکر ابراہیم خاں کے پاس بھیجا - ابراہیم اور دلجلی تاتاری نے مل کر غیاث‌الدین بہادر کا مقابلہ کیا - اس کو مار ڈالا اور اس کی کھال کھچوائی اور کھال میں بھوسا بھروا کر تمام ملک میں گھموایا - دوسرے تانبے کی مہروں سے جنھیں بادشاہ دولت‌آباد سے جاری کر چکا تھا ہنگامہ برپا ہوگیا - تیسرے مغلستان کو برباد کرنے کے جو منصوبے بادشاہ نے باندھے تھے وہ ناکام رہے ' اور پونے چار لاکھ کا وہ لشکر جو اُس نے اسی غرض سے جمع کیا تھا توڑنا پڑا - چوتھے قراجیل کی مہم ناکام رہی - تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے کہ " سلطان محمد نے سوچا ' میں نے خراسان اور ماوراالنہر کی فتح کا ارادہ کر ہی لیا ہے ' پہلے قراجیل کے پہاڑ پر قبضہ ہو جائیگا تو پھر ہندوستان کے باہر فوجوں کا بھیجنا آسان ہو جائیگا - یہ سوچ کر بادشاہ نے اس بڑے لشکر کو جسے وہ ایک عرصے سے جمع کر رہا تھا بڑے بڑے اور نامور سرداروں کی ماتحتی میں روانہ کیا - لشکر نے چلد پہاڑی علاقوں پر قبضہ کیا بھی - مگر پہاڑي ہندو کوہستان کی وادیوں میں پھیلے ہوئے تھے - نتیجہ یہ ہوا کہ شاہی لشکر دم کے دم میں فنا ہوگیا - پانچویں چین کي فتح کی کوششیں بےکار گئیں - فرشتہ کا بیان ہے کہ سلطان محمد کو چین اور ہماچل فتح کرنے کا خیال آیا -

(هماچل چین اور هندوستان کے درمیان واقع ہے) - سلطان نے بڑے بڑے سورماؤں کا ایک لشکر تیار کیا جسے اپنے بھانجے خسرو ملک کی ماتحتی میں روانہ کیا - اسے یہ هدایت کر دی کہ پہلے ان پہاڑی ریاستوں کو تسخیر کرنا جو همالیہ پہاڑ کے دامن میں واقع هیں - وہ فتح هو جائیں تو پھر جس جس مقام پر مناسب سمجھو قلعے بنا لینا اور لشکر گاهیں قائم کر دینا - جب هماچل پر پورا تسلط هو جائے تو پھر رفتہ رفتہ آگے بڑھنا - جب چین کی سرحد کے قریب پہونچو تو وهاں بھی پہلے ایک قلعہ بنا لینا اور لشکر گاہ قائم کر دینا - اس کے بعد چین کو فتح کرنے کی کوشش کرنا - وزیروں اور مشیروں نے عرض کی جہاں پناہ - همالیہ کے کوهستان کو اور چین کے علاقوں کو تو هندوستان کا کوئی بادشاہ بھی فتح نہ کر سکا اور فتح کرنا کیسا ؟ وهاں کی زمین کا ذرا سا ٹکڑا بھی کبھی هندیوں کے هاتھ نہ آیا - مگر سلطان نہ مانا - خسرو ملک لشکر لے کر روانہ هوا - کوهستان همالیہ میں جا پہونچا - وهاں اس نے چند قلعے بنا لئے - مگر جب چین کی سرحد میں آیا اور چینی امیروں کی شان و شوکت کو دیکھا اور ان کے قلعوں کی مضبوطی اور راستوں کی تنگی اور چارے کی کمی پر نظر کی تو لشکریوں کے دلوں پر خوف چھا گیا - لوٹنے کا ارادہ کیا - برسات شروع هو گئی تھی - راستوں میں پانی کھڑا هو گیا تھا ' ندیاں بن گئیں تھیں ' نکلنے کی راہ نظر نہ آتی تھی ' لشکری حیران پریشان کھڑے رہ گئے - آخر پہاڑوں کے سہارے چل پڑے - پہاڑیوں کو موقع هاتھ آیا - شاهی فوجوں کو خوب لوٹا - هتھیار بھی لوٹ لئے - خسرو ملک نے کچھ سپاهی حفاظت کی غرض سے راستوں پر مقرر کر دئے تھے - پہاڑیوں نے ان کو ایسا هلاک کیا کہ ان کا نام نشان تک باقی نہ رها - جو سوار بچ نکلے وہ بڑی مشکل سے اس صحرا تک پہونچے جہاں سے جاتے وقت گزر چکے تھے - وهاں دم لیا اور کچھ آرام کیا - اتفاق سے اسی وقت بارش هوگئی - سب ڈیرے خیمے پانی میں ڈوب گئے - اور پانی اتنا چڑھا کہ گھوڑوں پر بیٹھ کر بھی اس مقام کو عبور کرنا مشکل هو گیا - دس پندرہ دن تک وهیں پڑے رهے - کھانے کو کچھ میسر نہ تھا - خسرو ملک وهیں مر گیا - اس کے بہت سے ساتھی بھی مر گئے " -

چھٹے سیہوان میں امیران صدہ کی بغاوت اٹھ کھڑی هوئی - یہ بغاوت سلطان محمد کی هندو نوازی کے سبب هوئی - اس نے رتن نامی هندو ' سیہوان کا حاکم بنا دیا - ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ " رتن نامی هندو علم حساب

میں اور کتابت میں استعداد تھا - کسی وسیلے سے بادشاہ تک پہونچ گیا - بادشاہ نے اس کی قدر کی اور اس کو اس ملک کا حاکم بنا دیا اور منصب بھی عطا کیا - یعنی نوبت اور علم رکھنے کی اجازت دے دی - جو بڑے بڑے امیروں کو دی جاتی تھی - سیوستان کی جاگیر بھی مع اس کی نواح کے وتن کو دے دی - جب وہ اپنے شہر میں پہونچا تو امیروں کو ایک ہندو کی اطاعت ناگوار گزری - انھوں نے اس کو دغا سے قتل کر ڈالا اور شاہی خزانے کو لوٹ لیا - پھر ونار نامی کو اپنا حاکم مقرر کرکے سب خزانہ لشکر پر تقسیم کر دیا - ونار کے دل میں بادشاہ کا خوف پیدا ہوا تو وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر اپنے وطن کی طرف چلا گیا - باقی لشکر نے امیر قیصر کو اپنا سردار بنا لیا - اس واقعے کی خبر سرتیز عمادالملک کو ملتان میں پہونچی تو اس نے لشکر جمع کیا اور خشکی اور تری کے دونوں راستوں سے آگے بڑھنا شروع کیا - امیر قیصر بھی یہ خبر سن کر مقابلے کے لئے نکلا لیکن شکست کھائی اور قلعہ بند ہوکر بیٹھ گیا - سرتیز نے منجنیق لگائی اور سختی سے محاصرہ کیا - چالیس دن بعد امیر قیصر نے پناہ مانگی ' لیکن سرتیز نے اُن کے ساتھ دغا کی - پہلے تو امان دے دی بعد میں ان کی جائداد لوٹ لی اور سب کو قتل کر ڈالا - ہر روز کسی کی تو گردن کٹوا دیتا - کسی کو تلوار سے دو ٹکڑے کر دیتا اور کسی کی کھال کھچوا دیتا ' اور کھالوں میں بھوسا بھروا کر شہر کی فصیل پر لٹکایا جاتا - ان کی نعشیں لٹکتی ہوئی میں نے دیکھیں تو کلیجہ منھ‌کو آ گیا - اس واقعے کے بعد ہی میں سیہوان میں پہونچا تھا - ایک مدرسے میں اترا تھا اور اس کی چھت پر سویا کرتا تھا - وہاں سے یہ نعشیں لٹکتی ہوئی نظر آتی تھیں تو میری طبیعت بگڑ جاتی تھی " -

تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے کہ "سلطان محمد اسی ویرانی اور بربادی کے منحوس کام میں مصروف تھا کہ معبر میں سید احسن شاہ کی بغاوت شروع ہوگئی - دہلی سے ایک لشکر معبر کی طرف روانہ کیا گیا مگر وہ وہیں رہ گیا - آخر بادشاہ دوآبے سے دہلی آیا - وہاں سے لشکر تیار کرکے معبر کی طرف روانہ ہوا " - تاریخ فیروز شاہی کا سفر نامے سے مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس مقام پر ضیاالدین برنی جذبات سے کیسا متاثر ہے - اس کے قلم سے کچھ کا کچھ نکلتا ہے - وہ لکھتا ہے کہ " بادشاہ دوآبے کے قتل عام میں مشغول تھا کہ یکا یک معبر کی بغاوت کا حال سنا - اس پر بھی وہ دہلی

نہ گیا - حکم دے دیا کہ دہلی سے ایک لشکر بھیج دیا جاے - جب وہ لشکر
نا کام رہا تو بادشا خود دہلی آیا - اُس وقت وہ بہت پریشان تھا - دہلی
آتے ہی لشکر لے کر معبر کی طرف روانہ ہوگیا " - ابن بطوطہ کا بیان مختلف
ہے - اس کا قول ہے کہ " بادشاہ شوّال کی پانچویں تاریخ تک دہلی میں آیا -
جشن کئے گئے ' خوشیاں منائی گئیں ' نئے نئے عہدے مقرر کئے گئے ' میں
بھی دربار میں حاضر ہوا اور بادشاہ کے سامنے بہت سے نوواردوں کے ساتھ
پیش کیا گیا - سب کو انعام دئے گئے - میں دہلی کا قاضی مقرر ہوا - پھر
سات مہینے کے بعد ۹ جمادی الاول کو بادشاہ معبر کی طرف روانہ ہوا - کیوں کہ
وہاں سید احسن شاہ باغی ہو گیا تھا " -

ابن بطوطہ کا بیان صحیح معلوم ہوتا ہے - وہ اُس وقت دربار میں موجود
تھا - اُسی موقع پر بادشاہ سے اس کی پہلی ملاقات ہوئی - بادشاہ کے دہلی
میں آنے سے لے کر معبر کی روانگی تک کے حالات ابن بطوطہ نے تفصیل کے
ساتھ لکھے ہیں - اور صرف کانوں سے سن کر نہیں لکھے بلکہ آنکھوں سے دیکھ
کر لکھے ہیں - وہ سلطنت کی حدود میں سنہ ۷۳۴ ھ کی پہلی محرم اور
سنہ ۱۳۳۳ع کی بارھویں ستمبر کو داخل ہوا تھا - سفر نامے میں لکھا ہے
" جب ہم دریاے سندھ پر پہونچے تو محرم کی پہلی تاریخ تھی اُسی دریا
سے سلطان محمد کی عملداری شروع ہوتی ہے " - وہاں سے ابن بطوطہ سیوستان
آیا - سیوستان سے دس روز میں ملتان آیا - ملتان سے دہلی تک کا راستہ
پچاس روز کا تھا - ابن بطوطہ راستے میں کہیں کہیں ٹھہر بھی گیا - ملتان
میں دو مہینے تک ٹھہرا رہا ' وہاں سے روانہ ہوا تو ابوہر ' ابی بکھر ' اجودھن اور
پالم ہوتا ہوا غالباً رجب سنہ ۷۳۴ ھ اور مارچ سنہ ۱۳۳۴ع میں دہلی پہونچا -
بادشاہ اس وقت دہلی میں نہ تھا قنوج کی طرف گیا ہوا تھا - ابن بطوطہ نے
شعبان اور رمضان کے دو مہینے دہلی میں گزارے - خود لکھتا ہے کہ " مجھے
دہلی آئے ہوے ڈیڑھ مہینہ ہوگیا تو میری ایک بیٹی جس کی عمر سال بھر
سے کم تھی مرگئی - عیدالفطر آگئی اور بادشاہ اب تک دارالخلافے میں نہ آیا -
اور آیا تو عید کے چار پانچ روز بعد چوتھی پانچویں شوال کو " - معلوم ہوتا
ہے کہ بادشاہ قنوج اور دلمو کی شورش مٹا کر اور دوآبے میں امن قائم کرکے
چوتھی شوال سنہ ۷۳۴ ھ کو دہلی پہونچا - وہاں سات مہینے رہا - پھر نویں
جمادی الاول سنہ ۷۳۵ ھ کو سید احسن شاہ والئی معبر کی بغاوت کی خبر

سن کر دکن روانہ ہوگیا - یوں اس بغاوت کا سال ہجری ۷۳۵ اور ۱۳۳۴ عیسوی قائم ہوتا ہے - کرنیل ہیگ کی بھی یہی رائے ہے -

یہ سلطان محمد کے دس سالہ دور کے واقعات تھے ' جنھیں ہم نے ترتیب اور سلسلے سے بیان کیا - ناظرین غور کریں کہ سلطان نے تخت نشینی سے لے کر اس وقت تک کس طریقے سے حکومت کی - دانائی ' ہوشیاری اور احتیاط سے کی یا نادانی - بےخبری اور بےاحتیاطی سے ' عدل و انصاف سے کی یا ظلم و جور سے - بے نفسی سے کی یا نفس پرستی اور خود غرضی سے - انصاف ناظرین ہی کے ہاتھ میں ہے - یہ ظاہر ہے کہ اس دور میں سلطنت کی بنیادیں ہلانے کی کوششیں کی گئیں اور بغاوتیں کثرت سے ہوئیں اور ہوتی ہی رہیں - ملتان میں کشلو خاں کی بغاوت اور دوآبے میں زمینداروں کی بغاوت کوئی معمولی بغاوت نہ تھی - کوئی معمولی بادشاہ ہوتا تو پنجاب کے زبردست اور دوآبے کے کینہ پرور دشمن اسے جینے بھی نہ دیتے - یہ سلطان محمد ہی کا حوصلہ تھا کہ اس نے ان سب کا ایک ایک کرکے مقابلہ کیا - بڑی بہادری دکھائی اور دلیری اور ہوشیاری سے کام کیا - آخر میں خود جیا اور اپنی جان کے لیوا دشمنوں کو شکست فاش دی - سب بغاوتیں فرو ہوگئیں تو سلطان محمد کے عہد کا پہلا دور ختم ہوگیا - سید احسن شاہ کی بغاوت معبر میں پہلی بغاوت ہے جسے بادشاہ فرو نہ کر سکا - یہیں سے دوسرے دور کی یعنی بقیہ پندرہ سالہ دور کی ابتدا ہوتی ہے جس میں بادشاہ کا زور گھٹتا چلا گیا اور بغاوتیں زور پکڑتی چلی گئیں - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس ابتدائی دس سالہ دور میں بادشاہ کی مخالفتیں شروع ہوگئیں اور سلطنت کے اندر ایک آگ سی سلگنے لگی جس کے شعلے جوں جوں زمانہ گزرتا گیا بھڑکتے ہی گئے - یہ آگ سلطان محمد کے بجھائے نہ بجھی ' اور اس کے شعلوں نے نہ صرف اس کی مسند کو جلایا ' اس کے تخت و تاج کو خاکستر کیا ' بلکہ خود اس کو بھی دھر لپیٹا -

باقی کے پندرہ سولہ سال میں سنہ ۱۳۳۵ع سے سنہ ۱۳۵۱ع تک بغاوتیں ہی بغاوتیں ہوتی رہیں - آخر سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے - نئی نئی حکومتیں قائم ہوگئیں - نربدا تک کا کل ملک قبضے سے نکل گیا - بادشاہ بغاوتوں کو فرو کرنے میں برابر لگا رہا ' لیکن باغیوں کا سر کچلنے کی کوششیں کرتے کرتے مصیبتوں میں گھر گیا ' صحت نے جواب دے دیا '

مرضوں نے آدبایا ' نئے نئے دشمن اُٹھ کھڑے ہوے - اُس کے دل پر جو صدمے گزرتے تھے ' انہیں بس وہ ہی جانتا تھا - مجبور ہوکر ایک روز ضیاالدین برنی کو بلایا اور صلاح لینی چاہی - برنی بولا " بادشاہ سلامت - بس بہت سر دھن چکے - آپ کے کئے اب نہ بغاوتیں دور ہوں گی نہ شورشیں مٹیں گی ' نہ دشمن زیر ہوں گے - بہتر ہے آپ بادشاہت سے ہاتھ دھو لیجئے اور کسی دوسرے کو اپنی جگہ بادشاہ بنا دیجئے " - یہ بات سلطان محمد کو تلخ گزری ' نقشہ بدل گیا ' تیوری پر بل آ گیا ' طیش میں آکر کہا " میں بھی باغیوں کا سر کچل کر رہوں گا اور جب تک دم میں دم ہے تلوار چلائے جاؤں گا " بات کا پکا تھا - جو کہا وہ ہی کر گزرا - مرتے دم تک باغیوں کی سرکوبی میں لگا رہا اور تلوار چلائے گیا پر کہاں تک ؟ بڑھاپا آ چکا تھا ' وہ تو باغیوں کا پیچھا کر رہا تھا - لیکن ملک‌الموت اس کے پیچھے لگے ہوئے تھے - آخر موت کے فرشتے نے بوڑھے بادشاہ کو آن ہی لیا اور وطن سے دور دریا سندھ کے کنارے سلطان محمد نے دم دے دیا - اب ناظرین واقعات کی تفصیل کو پڑھیں تو لطف آئیگا -

تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے کہ " سلطان محمد سید احسن شاہ کی بغاوت فرو کرنے کی غرض سے روانہ ہوا تو تین چار منزل سے زیادہ نہ گیا تھا کہ دھلی میں غلہ مہنگا ہونے لگا - اور قحط پڑ گیا - راستوں میں دن دھاڑے ڈاکے پڑنے لگے - ذی‌الحجہ سنہ ۷۳۵ ھ میں بادشاہ دیو گڑھ پہونچا ' وہاں مہاراشٹر کے سرداروں یعنی مقطعوں ' امیروں اور عالموں پر سختی کرکے مالگزاری وصول کی - کچھ نئے محصول بھی لگائے - نئے محصّل (Tax-Collector) مقرر کئے - پھر تلنگانے کی طرف چلا گیا - چلتے وقت احمد ایاز کو جو دھلی سے ساتھ ساتھ آیا تھا واپس بھیج دیا اور ان لوگوں کو جو دھلی سے آکر دیو گڑھ میں آباد ہوئے تھے دھلی لوٹ جانے کی اجازت دے دی - دو تین قافلے دھلی کی طرف چلے گئے ' باقی وہیں رہے - بادشاہ وارنگل پہونچا تو وہاں وبا پھیل رہی تھی ' بیمار پڑ گیا - ملک قبول نائب وزیر کو تلنگانے کا ناظم مقرر کرکے خود لوٹا " - جب بیر کے قریب پہونچا تو اس کے دانتوں میں درد ہونے لگا اور ایک دانت ٹوٹ کر گر پڑا جسے اُس نے وہیں دفن کرکے ایک گنبد بنوا دیا - دولت‌آباد پہونچا تو کچھ قیام کیا اور اصلاحیں بھی کیں - دیو گڑھ اور مہاراشٹر کا علاقہ قتلغ خان کے سپرد کیا -

شہاب سلطانی کو نصرت خاں کا خطاب دے کر بیدر اور اس کی نواح کا انتظام اس کے سپردگی میں دیا - پھر خود علالت ہی کی حالت میں دہلی لوٹا -

راستے میں عجب حالت نظر آئی ' دیکھا کہ بہت سے علاقے تباہ ہوگئے ہیں - ڈاک چوکیاں اُٹھ گئی ہیں - دہلی پہونچا تو وہاں بھی ویرانی سی نظر آئی - قحط اتنا سخت تھا کہ ایک سیر غلہ سترہ درہم میں بھی نہ ملتا تھا - بہتیرے آدمی اور چوپائے بھوکوں کے مارے مر گئے - اُس وقت بادشاہ دہلی کو آباد کرنے اور وہاں کی زراعت بڑھانے کی تدبیریں کرنے لگا - رعیت کو خزانے سے روپے دے دے کر کنویں کھودنے اور کاشت کرنے پر آمادہ کیا - پر کچھ بھی نہ ہوا - جس قدر روپیہ سرکار سے بطور تقاوی کے دیا گیا تھا اس میں سے بہت سا غدربود ہوگیا - تھوڑا سا کنویں کھودنے اور کاشت کرنے میں لگا بھی تو بارش بند ہو چکی تھی - نہ کنویں ہی کھدے نہ کاشت ہی ہوئی - بادشاہ کی محنت رائگاں گئی - مجبور ہوکر اس نے حکم دیا کہ دہلی شہر کے دروازے کھول دئے جائیں اور ان لوگوں کو جنھیں سختی کے ساتھ شہر میں رہنے کا حکم ہے رہا کر دیا جائے - یہ اجازت عام تھی - لوگوں کو غنیمت ہوگئی - جتنے موت کا شکار ہونے سے بچ رہے تھے نکلے اور اپنی عورتوں اور بچوں کو لے کر بنگالے کی طرف چلے گئے - بادشاہ بھی قحط سے تنگ آگیا تھا - دہلی چھوڑ کر نکلا اور پٹیالی اور کمپیلہ سے ہوتا ہوا گنگا کے کنارے جا پڑا - رعایا کو بھی حکم دیا کہ وہیں اپنے اپنے چھپر ڈال لیں - وہ موضع سرگدواری کے نام سےمشہور ہوا - सरगद्वारी وہاں اودہ سے اور کڑے سے غلہ آنے لگا - دہلی کی نسبت اُس جگہ حالت بہتر تھی - ظفرآباد اور اودہ کا حاکم عین‌الملک مع اپنے بھائیوں کے نزدیک رہتا تھا - وہ ظفرآباد سے سرگدواری میں سب قسم کی ضروری چیزیں غلہ کپڑا وغیرہ بھیجا کرتا تھا -

ناظرین ملاحظہ فرمائیں کہ بادشاہ کی علالت سے جو دولت‌آباد میں ہوئی تھی اور جس کی وجہ سے وہ سید احسن شاہ کی بغاوت فرو نہ کرسکا اور معبر تک نہ پہونچ سکا ملک پر کیا اثر پڑا - مورخوں کا اتفاق ہے کہ علالت کی خبریں آناً فاناً پھیل گئیں اور اُن خبروں کے ساتھ ہی ملک میں بے چینی اور بد امنی پھیل گئی - ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ " اگر دوسری طرح مقدر نہ ہوتا تو ملک بادشاہ کے ہاتھ سے نکل چکا تھا " لاہور میں امیر

حلاجوں نے بغاوت کا جھنڈا بلند کر دیا اور گھکروں کے سردار امیر گلچند سے مل کر لاہور کے حاکم ملک تتار کو قتل کردیا - یہ سن کر خواجہ جہاں وزیر دہلی سے نکلا ' لشکر لےکر چلا اور دریائے راوی کے قریب حلاجوں کو شکست دی - حلاجوں بھاگ گیا ' اس کا بہت سا لشکر دریا میں ڈوب گیا -

سید احسن شاہ کا بیٹا سید ابراہیم خریطہ دار ہانسی اور سرسے کا حاکم تھا - جس وقت بادشاہ بیمار ہوکر دولت‌آباد سے دہلی کی طرف جا رہا تھا اور اس کی موت کی خبریں اڑ رہی تھیں اس نے بھی بغاوت کا جھنڈا بلند کردیا - ایک امیر ضیاالملک نامی سندہ کا خزانہ لئے دہلی کو آرہا تھا - جب سرسے اور ہانسی کے علاقے سے گذرا تو ابراہیم نے اسے دھوکے سے ٹھہرا لیا - مطلب یہ تھا کہ چند روز میں بادشاہ کے مرجانے کی خبر تحقیق ہو جائےگی تو میں اس خزانے پر قبضہ کر لوں‌گا - جب بجائے موت کے بادشاہ کی زندگی کی خبر تحقیق ہوگئی تو ابراہیم نے ضیاالملک کو چھوڑ دیا - بادشاہ دہلی پہونچا تو سید ابراہیم سلام کو آیا - اس کے ایک غلام نے بادشاہ تک سید ابراہیم کی اس بغاوت کی خبر پہونچا دی - بادشاہ کو سید ابراہیم سے محبت تھی - اس وقت تو اس نے کچھ نہ کہا ' مگر بعد میں ناخوش ہوکر اسے قتل کرا دیا -

بادشاہ تلنگانے سے بیمار ہو کر دولت‌آباد کی طرف آرہا تھا اور اس کی موت کی خبریں پھیل رہی تھیں کہ دولت‌آباد کا حاکم ملک ہوشنگ باغی ہوگیا - وہ دولت‌آباد سے بھاگ کر کوکن کے ایک ہندو راجہ بریرہ نامی کے پاس آیا - بادشاہ جلدی جلدی دولت‌آباد پہونچا اور وہاں سے کوکن آیا - کوکن کا محاصرہ کر لیا اور راجہ سے کہلا بھیجا کہ ہوشنگ کو میرے حوالے کردو - راجہ نے جواب دیا کہ ہوشنگ نے میرے پاس پناہ لی ہے میں اسے ہرگز آپ کے حوالے نہیں کر سکتا - یہ بات ہوشنگ کو معلوم ہوئی تو وہ ڈرا - اس نے بادشاہ سے خط کتابت شروع کردی - آخر میں یہ قرار پایا کہ بادشاہ دولت‌آباد واپس چلا جائے - ایسا ہی ہوا - بادشاہ نے دولت‌آباد کا رخ کیا اور ہوشنگ قتلغ خاں کے پاس آگیا - قتلغ خاں نے اسے امان دے دی تو ہوشنگ اپنے اہل و عیال کو اور مال اسباب کو لےکر بادشاہ کے پاس چلا گیا - بادشاہ اس کے آنے سے خوش ہوا اور اسے انعام دیا -

سلطان محمد کی موت کی خبر سن کر تاج‌الملک نصرت خاں بیدر میں باغی ہو گیا - قتلغ خاں نے اسے بھی مغلوب کیا - ہندوؤں کو موقع ملا تو انھوں نے بھی بغاوت کا جھنڈا بلند کردیا - تاریخ فیروز شاہی میں ہے کہ " کنھیّا نایک نے بڑا سر اُٹھایا اور سارے وارنگل پر ہندوؤں کا قبضہ ہو گیا - ملک مقبول نائب وزیر جان بچا کر وارنگل سے نکلا اور دہلی جا پہونچا - اُنھیں دنوں کنھیّا کا ایک عزیز جسے کچھ عرصے پہلے سلطان محمد کمپیلہ بھیج چکا تھا بادشاہ کی اطاعت چھوڑ بیٹھا اور باغی ہو گیا - وارنگل کی طرح کنپیلہ بھی ہاتھ سے نکل گیا اور ہندوؤں کے قبضے میں چلا گیا - سب طرف باغیوں کا غلبہ ہوگیا - کوئی صوبہ ایسا نہ تھا جہاں بد نظمیاں اور بد عنوانیاں نہ ہوں - جتنی زیادہ بد نظمیاں ہوتی تھیں اُتنی ہی زیادہ بادشاہ رعایا کو سزائیں دیتا تھا ' اور ان سزاؤں کی خبریں جتنی زیادہ اِدھر اُدھر اُڑتی تھیں اُتنی ہی زیادہ خلقت پریشان ہوتی تھی " -

اس عبارت سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ بادشاہ نے دکن میں ہندوؤں کی بغاوتیں سن کر کچھ نہ کیا - دہلی میں بیٹھا رہا - قحط کے سبب پریشان تھا - تقاوی تقسیم کرتا رہا - زراعت بڑھانے کی کوششوں میں لگا رہا - مگر کوششیں ذرا بھی کارگر نہ ہوئیں - پانی کا ایک قطرہ نہ برسا - رعایا بد حواس ہوتی چلی جاتی تھی ' غلے کا بھاؤ بڑھتا جاتا تھا ' کل جاندار ہلاک ہوئے جاتے تھے - سبزے اور غلے کی جستجو میں بادشاہ ایک آدہ مرتبہ بداؤں اور کٹھر کی سمت نکلا اور چند روز اس نواح میں پھرتا بھی رہا - پھر دہلی واپس آگیا - نہ بارش ہوتی تھی ' نہ فراخی کی کوئی اور صورت نکلتی تھی - ادھر قحط کی مصیبت تھی اُدھر اس سے بھی بڑہ کر یہ کوفت تھی کہ سلطنت کے کام کسی عنوان درست نہ ہوتے تھے -

ضیاالدین برنی کا بیان ادھورا اور نا تمام ہے - نظام‌الدین بخشی اور حاجی‌الدبیر نے اُسی کی ادھوری عبارت حرف بحرف لے لی ہے - ابن بطوطہ کے سفر نامے سے ' یحیی بن احمد کی تاریخ مبارک شاہی سے اور ملا عبدالقادر کی منتخبات‌التواریخ سے بھی کچھ مدد نہیں ملتی - محمد قاسم فرشتہ نے کچھ روشنی ڈالی ہے - لکھا ہے کہ " انھیں دنوں لدر دیو کا بیٹا کشنا نایک جو وارنگل کے علاقے میں رہا کرتا تھا کرناٹک کے سب سے بڑے حاکم راجہ بلال دیو

کے پاس چلا گیا اور اس سے کہا کہ مسلمان تلنگانے اور کرناٹک میں گھس آئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہم کو یہاں سے نکال دیں - اس امر میں غور کرنا چاہئے - بلال دیو نے اپنے کل سرداروں کو جمع کرکے مشورہ کیا ' اور یہ قرار پایا کہ بلال دیو اپنی قلمرو سے نکل کر اسلامی فوجوں کی گزرگاہ میں اپنا کیمپ قائم کر دے اور معبر اور دھور سمدر اور کمپیلہ کو مسلمانوں کے پنجے سے نکال کر کشنا نایک کے قبضے میں دے دیا جائے - اس قرار داد کے مطابق بلال دیو نے اپنی سرحد کے جنگل میں ایک سخت اور دشوار گزار مقام پر ایک شہر کی بنیاد ڈالی جس کا نام اپنے بیٹے بجن رائے کے نام پر بیجن نگر رکھا - بیجن نگر ہوتے ہوتے بیجا نگر یا وجیا نگر ہوگیا - پھر پیادوں اور سواروں کی بہت سی فوج کشنا نایک کے ساتھ کردی ' جس کی مدد سے اس نے ملک عمادالملک کو وارنگل سے نکال دیا - عمادالملک نے بھاگ کر دولت آباد میں پناہ لی اور کشنا نایک نے وارنگل پر قبضہ کرلیا - پھر اسے بلال دیو نے کمک بھیجی ' اور معبر اور دھور سمدر بھی مسلمانوں کے قبضے سے نکل گئے -

بادشاہ کی علالت نے ایک قیامت برپا کردی - خبر ہوگئی کہ سلطان محمد دکن سے جلدی واپس چلا گیا - اور پایہ تخت میں پہونچ کر اچھا ہوگیا ' لیکن علالت کے ساتھ میں قحط کی آسمانی بلا اور نازل ہوگئی تھی جس نے ہندوستان میں آگ سی لگادی اور جانوں کا ستھراو کر دیا - نہ پانی برستا تھا نہ قحط کم ہوتا تھا - ہر چند بادشاہ اصلاح کی کوششیں کرتا تھا مگر ایک پیش نہ جاتی تھی - نہ زراعت ہوسکتی تھی نہ رعایا ہی کو چین آتا تھا - اسی وجہ سے سلطان مجبور ہوگیا اور بغاوتیں زور پکڑتی چلی گئیں - آخر سلطان نے رعیت کو عام اجازت دے دی کہ جو چاہے اپنے اہل و عیال کو لےکر گنگا اور جمنا کے زر خیز علاقے میں چلا جائے ' وہاں قحط سے نجات مل جائے گی - بہت سے اپنا گھر بار لے کر اس طرف چلے گئے - آخر میں بادشاہ نے بھی وہیں چھاونی ڈال لی - امیروں اور سرداروں نے اس کی پیروی کی - اسی نواح میں چھپر ڈال ڈال کر اپنے لئے عارضی مکان بنا لئے - اس موضع کا نام سرگدواری رکھا -

یوں تو تاریخ کی سب کتابوں میں تاریخ مبارک شاہی ' طبقات اکبری ' منتخبات التواریخ ' تاریخ گجرات ' تاریخ فرشتہ میں سرگدواری کا حال موجود ہے ' مگر سب سے زیادہ روشنی ڈالنے والا ابن بطوطہ کا سفر نامہ ہے - ابن بطوطہ

خود سرگدواری میں موجود تھا ' اور شاہی کیمپ کے ساتھ ساتھ تھا - وہ لکھتا ہے " کہ جب ملک میں قحط پڑگیا اور پھیلتا ھی چلا گیا تو بادشاہ اپنا لشکر لیکر دریائے گنگ کے کنارے چلا گیا - یہ جگہ جہاں بادشاہ نے قیام کیا دھلی سے دس منزل تھی - بادشاہ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وھاں مکان بنائیں - لوگوں نے پھونس کے چھپر ڈال لئے ' مگر چھپروں میں اکثر آگ لگ جاتی تھی - اس سبب سے انھوں نے زمین کے نیچے تہخانے بنائے - آگ لگ جاتی تو لوگ تہخانوں میں اپنا اسباب ڈال کر مٹی سے اس کا منہ بند کر دیتے تھے - میں بادشاہ کے کیمپ میں انھیں دنوں پھونچا - دریائے گنگا کے مغرب میں تو سخت قحط پڑ رھا تھا لیکن مشرق کی طرف ارزانی تھی - امیر عین الملک بادشاہ کی طرف سے اودھ ' ظفرآباد اور لکھنو کا حاکم تھا - یہ امیر ھر روز بادشاہ کے کیمپ میں پچاس هزار من گیہوں اور چاول بھیجا کرتا تھا - مویشیوں کے واسطے چنے بھی بھیجتا تھا - جب بادشاہ نے اپنے ھاتھی ' گھوڑے اور خچر دریا کے مشرقی جانب چرائی کے لئے بھیجے تو عین الملک ھی کو ان کی حفاظت کے لئے مقرر کیا........" سفر نامے میں یہ بھی لکھا ہے کہ بادشاہ ڈھائی برس تک سرگدواری میں رھا -

اس اثنا میں یعنی سنہ ۳۸-۱۳۳۷ع سے ۴۱-۱۳۴۰ع تک پانچ بغاوتیں هوئیں - پہلی بغاوت بنگالے میں هوئی ' جسے سمجھنے کے لئے یہ یاد رکھنا چاھئے کہ سلطان محمد نے جب غیاث الدین بہادر کی شورش کو دفع کیا تھا تو اس کی جگہ بہرام خاں کو سنار گاؤں کا حاکم بنا دیا تھا ' اور لکھنوتی کی حکومت جو اب تک بہرام خاں کے پاس تھی قدر خاں کے سپرد کردی تھی - اب بہرام خاں کا انتقال هوگیا تو فخرا نے بغاوت کا جھنڈا بلند کردیا اور فخرا کے ساتھ بنگالے کا لشکر بھی باغی هوگیا - قدر خاں قتل هوگیا ' لکھنوتی کے خزانے لوٹ لئے گئے اور لکھنوتی - ستگاؤں اور سنارگاؤں کے علاقے باغیوں کے ھاتھ آگئے ' اور پھر کبھی بادشاہ کے قبضے میں نہ آئے -

دوسری بغاوت نظام مائین کی کڑے میں هوئی - تاریخ فیروز شاہی سے معلوم هوتا ہے کہ نظام مائین ایک بے اصول سا آدمی تھا جس نے شوخی میں آکر کڑے کی مالگزاری کا ٹھیکہ کئی لاکھ تنکوں کے عرض لے لیا - مگر جتنی رقم کا معاھدہ کیا تھا اس کا دسواں حصہ بھی وصول نہ هوا - اس وقت اُس نے

بغاوت کی ٹھان لی - شاہی چتر اپنے سر پر لگانا شروع کردیا - اور سلطان علاالدین کا لقب اختیار کرلیا - جب یہ خبر بادشاہ کے کیمپ میں پہونچی تو عین‌الملک اپنے بھائیوں کو لیکر لشکر سے نکلا اُسی نے آخر نظام مائین کی شورش کو دفع کیا - نظام مائین گرفتار ہوا اور اس کی کھال کھینچی گئی - لیکن جو سزا اُسے دی گئی اس کا ذمہ دار بادشاہ نہیں ٹھرایا جا سکتا - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عین‌الملک نے اس بغاوت کا فرو کرنا خود ہی اپنے ذمے لے لیا تھا - اُسی نے نظام مائین کے لئے سزا تجویز کی - بادشاہ اس کے متعلق کوئی حکم جاری نہ کرنے پایا تھا - اس زمانے میں باغی کا ہلاک ہو جانا ہی بہتر سمجھا جاتا تھا - نظام مائین ہلاک ہوگیا تو اس کی جگہہ بادشاہ نے اپنے بھانجے داماد شیخ زادہ بسطامی کو کڑے کا حاکم بنادیا -

تیسری بغاوت شہاب سلطانی کی بیدر میں ہوئی - کچھہ عرصے پہلے بادشاہ نے اُسے نصرت خاں کا خطاب دے کر بیدر کا جاگیر دار بنادیا تھا - اور اس نے تین سال کے لئے سارے علاقے کا ٹھیکہ ایک کرور ٹنکوں کے عوض لے لیا تھا - لیکن جتنا مال شہاب سلطانی نے خزانے سے لیا تھا اس کا تین چوتھائی بھی باوجود بڑی بڑی کوششوں کے ادا نہ کرسکا - آخر باغی ہوگیا - اور بیدر کے قلعے میں ہو بیٹھا - اس کی سرکوبی کے لئے بادشاہ نے دکن سے قتلغ خاں کو نامزد کیا - قتلغ خانی لشکر کے ساتھہ دھلی کے بعض امیر اور ملک بھی گئے ' اور دھار کی فوج بھی گئی - سب نے مل‌کر قلعے پر قبضہ کرلیا ' اور شہاب سلطانی کو گرفتار کرکے بادشاہ کے پاس بھیج دیا - بیدر پھر بادشاہ کے قبضے میں آگیا -

چوتھی بغاوت علی شاہ کی تھی ' یہ بھی بیدر میں ہوئی - علی شاہ قتلغ خاں کے ماتحت دیو گڑھ کا امیر صدہ تھا - روپیہ وصول کرنے کی غرض سے گلبرگہ گیا تھا - اس نے ان علاقوں کو افسروں سے بالکل خالی پایا ' اور دیکھا کہ وہاں سوار ہیں نہ پیادے ' مقطع ہیں نہ والی ' یہ دیکھ کر اس کی نیت بد ہوگئی - اپنے بھائیوں سے مل‌گیا اور ان کی سازش سے باغی ہوگیا - گلبرگہ کے تحصیلدار بھیروں بھیرو نامی کو دھوکے سے قتل کردیا اور اس کا سب مال لوٹ لیا - پھر بیدر پہونچا ' اور وہاں کے نائب حاکم کو قتل کیا - گلبرگہ کی طرح بیدر پر بھی اب علی شاہ کا قبضہ ہوگیا - یہ خبریں بادشاہ نے

سنیں تو اُس نے قتلغ خاں کو علی شاہ کی سرکوبی کے لئے نام زد کیا - اس کے ساتھ بہت سے امیر گئے اور دھار کی کچھ فوج بھی بھیجی - قتلغ خاں دیوگڑھ سے روانہ ہوا تو اس کے ساتھ خاصا بڑا لشکر تھا - بیدر کے قریب لڑائی ہوئی - علی شاہ شکست کھاکر قلعے کی طرف بھاگا اور قلعہ نشین ہو گیا - قتلغ خاں نے بڑھ کر قلعے کا محاصرہ کرلیا اور علی شاہ کو مع اس کے بھائیوں کے گرفتار کرکے بادشاہ کے پاس سرگدواری بھیجدیا - بادشاہ نے ان سب کو غزنی کی طرف جلاوطن کردیا - کچھ عرصے کے بعد قضا نے ان کو آگھیرا وہ پھر ہندوستان میں آگئے ' اس وقت بادشاہ نے انہیں قتل کرا دیا -

پانچویں بغاوت عین‌الملک کی اور اس کے بھائیوں کی تھی - یہ بغاوت سرگدواری میں ہوئی اور سارے اودھ میں ظفرآباد تک پھیل گئی - عین‌الملک بادشاہ کا ہم نشین تھا اور بادشاہ اس پر مہربان بھی تھا ' مگر اُسے بادشاہ کی طرف سے اطمینان نہ تھا ' اس کے غصے سے ڈرتا رہتا تھا ' ہلاکت اور تباہی کا ہولناک منظر اس کے پیش نظر رہتا تھا - ایک دن اس نے اپنے بھائیوں کو مع لشکر کے سرگدواری سےکچھ فاصلے پر بھیج دیا - جہاں انہوں نے چھاونی ڈال لی اور سرگدواری کے جنگل میں سے بادشاہ کے مویشی پکڑ لے گئے اور چھاونی میں لے جاکر بند کردیا - آدھی رات کے قریب عین‌الملک بھی سر گدواری سے چل پڑا - سب بھائیوں نے مل کر گنگا کو عبور کیا - بادشاہ کو خبر ہوئی تو اس نے کئی مقامات سے ' دہلی ' سامانہ ' برن اور کول سے فوجیں منگوائیں - لشکر جمع ہو گیا تو جنگ کی تیاریاں شروع کردیں - تیاریاں ہوگئیں تو بادشاہ لشکر لے کر قنوج کی طرف روانہ ہوا - شہر سے کچھ فاصلے پر اُس نے اپنا ڈیرہ ڈال دیا - عین‌الملک کے بھائی جنگ کے معاملے میں ناتجربہ کار تھے - انہوں نے شاہی ڈیرے کے مقابل میں اپنے پرے جما دئے اور جب آدھی رات گزر گئی تو بادشاہ کی چھاونی پر تیر برسانے لگے - صبح ہوتے تک شاہی فوجیں بھی جنگ کے لئے میدان میں آگئیں ' لڑائی کا بازار گرم ہوگیا - عین‌الملک کے دونوں بھائی جو اس کے لشکر کے سردار تھے مارے گئے ' لشکر تہ و بالا ہو گیا ' عین‌الملک گرفتار ہوگیا ' اس کے ساتھی بھاگ گئے ' بارہ تیرہ کوس تک ان کا تعاقب کیا گیا ' بہتیرے کام آئے - عین‌الملک بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا تو بادشاہ کو ترس آگیا - کہنے لگا " عین‌الملک اپنی ذات سے نیک ہے اور بے جرم ہے ' وہ تو اوروں کے کہنے میں آگیا تھا - پر ہے بڑا تجربہ کار اور

هلر ملد " - اتنا کهه کر بادشاه نے اُس کو آزاد کردیا ' اور آزاد هی نهیں کیا بلکه دوباره طلب کرکے اسے خلعت عطا کیا اور انعام بهی دیا اور اس کے بیٹوں کی بهی جان بخشی کی -

یہاں تک بیان ضیاالدین برنی کا تها - لیکن جو بات ابن بطوطه کے بیان میں هے وه ضیاالدین برنی کے بیان میں کہاں ؟ ابن بطوطه نے جو کچهه لکها هے آنکهوں سے دیکهه کر لکها هے ' وه خود بادشاه کے کیمپ میں موجود تها - وه لکهتا هے " که عین‌الملک کے بهائیوں نے یه سازش کی که بادشاه کے مویشی بهگا کر لے جائیں اور عین‌الملک سے ساز باز کرکے اسی کو اپنا بادشاه بنالیں - دن کو عین‌الملک کے بهائی بهاگے - رات کو عین‌الملک بهی بهاگا - قریب تها که ان لوگوں کا کام بن جائے اور بادشاه کو خبر بهی نه هو - لیکن بادشاه کا غلام ملک شاه نامی عین‌الملک کے پاس رها کرتا تها ' اس نے بادشاه کو عین‌الملک کے بهاگ جانے کی خبر دے دی - اُس وقت بادشاه گهبرا گیا - سمجها که قضا آگئی - اس کے گهوڑے اور هاتهی عین‌الملک کے پاس تهے اور غلے تک کا انتظام اسی کے هاتهه میں تها - شاهی فوجیں ایک جگه نه تهیں ' مختلف مقاموں میں پهیلی هوئی تهیں - بادشاه نے وزیروں سے مشوره کیا - رائے یه قرار پائی که دشمن سے مقابله کیا جائے - چنانچه قریب قریب کی فوجوں کو خط لکهه لکهه‌کر بلا لیا گیا - اگر سو آدمی آتے تو بادشاه هزار آدمی ان کے استقبال کے لئے بهیج دیتا - اس طرح وه گیاره سو هوکر شاهی کیمپ میں داخل هوتے - مطلب یه تها که دشمن کی نظروں میں شاهی فوجوں کی تعداد بہت معلوم هو - فوجیں جمع هوگئیں تو بادشاه نے دریا کے کنارے کنارے بڑهنا شروع کیا - اس کا اراده تها که قنّوج تک پهونچ کر قلعه نشین هو جائے - لیکن قنّوج وهاں سے تین منزل تها - جب اول منزل طے کرچکا تو لشکر کی صف بندی کی اور لڑائی کے واسطے آماده هوگیا - لشکر کو بهی آماده کیا - تین دن تک بادشاه نه تو آرام سے خیمے میں سویا اور نه کبهی سائے میں بیٹها - ایک دن اپنے خیمے میں بیٹها هوا تها ' یکایک میرے نوکر نے مجهے آواز دی - " صاحب - جلدی باهر آیئے " - میں باهر نکلا تو اس نے کہا " بادشاه نے ابهی حکم دیا هے که جس شخص کے ساتهه عورتیں یا لونڈیاں هوں اسے قتل کردیا جائے " - میرے ساتهه تین لونڈیاں تهیں......میں نے ان سب کو کمپیله کے قلعے میں جو وهاں سے تین کوس کے فاصلے پر تها بهیج دیا -

کیمپ میں کوئی عورت باقی نہ رہی - بادشاہ کے ساتھ بھی کوئی عورت نہ تھی -
غرض وہ رات ہم نے تیاری میں گزاری ' جب دن ہوا تو بادشاہ نے لشکر کے
کئی دستے کردیئے - ہر دستے کے ساتھ زرہ پوش ہودج والے ہاتھی مقرر کئے -
جن پر سپاہی بیٹھے ہوئے تھے - سپاہیوں کو حکم ہوا کہ زرہ پہن لیں -
سب نے زرہ پہن لی اور لڑائی کے لئے تیار ہوگئے - یہ دوسری رات بھی ہم نے
تیاری میں بسر کی - تیسرے دن خبر ملی کہ عین الملک دریا کے پاس
آگیا ہے - بادشاہ کو اندیشہ ہوا کہ وہ دریا پار کے امیروں سے سازش
کرکے آیا ہے - یہ سوچ کر آگے بڑھنا شروع کیا اور بہت تیزی سے چلا - عصر کا
وقت تھا کہ قنّوج جا پہونچا - اُسے خوف یہ تھا کہ کہیں عین الملک پہلے سے
پہونچ کر قنّوج پر قبضہ نہ کرلے - غرض بادشاہ رات بھر لشکر کو درست کرتا
رہا - صبح ہوتے ہم بھی لشکر میں داخل ہوئے - ہم لشکر کے اگلے حصے میں
تھے - بادشاہ کے چچازاد بھائی ملک فیروز کے ساتھی اور چند خراسانی امیر
بھی ہمارے ساتھ تھے - بادشاہ نے ہم کو اپنے خواص میں شامل کرلیا اور کہا
" تم لوگ میرے ساتھ رہو " اور اسی میں خیر ہوی - کیونکہ عین الملک نے
پچھلی رات کو لشکر کے اگلے حصے پر چھاپہ مارا - خواجہ جہاں وزیر بھی
اسی حصے میں شامل تھا بڑا شور پڑا - بادشاہ نے حکم دیا کہ کوئی شخص
اپنی جگہ سے نہ ہلے اور تلواروں کے ذریعے لڑائی کی جائے - سارا لشکر تلواریں
کھینچ کر دشمن کی طرف بڑھا - گھمسان کی لڑائی ہوئی - رات ہوگئی تو
بادشاہ نے اپنی علامت " دھلی " اور " غزنی " مقرر کردی - جب ہمارے
لشکر کا کوئی سوار دوسرے سے ملتا تھا تو دلّی کا لفظ کہتا تھا - دوسرا جواب
میں " غزنی " کہتا تو معلوم ہو جاتا کہ وہ ہمارے ہی لشکر کا ہے ' ورنہ اسے
قتل کردیا جاتا - عین الملک خاص بادشاہ کے ڈیرے پر چھاپہ مارنا چاہتا تھا
لیکن رہبر نے اسے دھوکا دیا - نتیجہ یہ ہوا کہ عین الملک بجائے بادشاہ کے ' وزیر کے
ڈیرے پر جا پڑا - اس نے غصہ میں آکر رہبر کو مارڈالا - وزیر کے لشکر میں
عجمی ' ترکی اور خراسانی بہت تھے اور چونکہ وہ ہندیوں کے دشمن تھے
اس لئے خوب جی توڑ کے لڑے - عین الملک کا لشکر پچاس ہزار کے قریب تھا '
مگر صبح ہوتے تک اس کا نام نشان بھی نہ رہا - سب بھاگ گئے - اس وقت
عین الملک نے اپنے نائب ابراہیم تاتاری سے کہا " ابراہیم ! اب کیا رائے ہے ؟
لشکر میں جو بہادر تھے وہ تو بھاگ گئے - تمہاری رائے ہو تو ہم بھی

بھاگ چلیں " لیکن ابراهیم عین‌الملک سے پھر گیا تھا - اس نے اپنے ساتھیوں سے سازش کرلی اور اپنی زبان میں ان سے یہ کہدیا کہ " جب عین‌الملک بھاگنے کو ہوگا تو میں اس کی زلفیں پکڑ لونگا اور جس وقت میں اس کی زلفیں پکڑوں تو تم اس کے گھوڑے کو چابک مار کر اُسے نیچے گرا دینا - پھر ہم اسے پکڑکر بادشاہ کے پاس لے جائینگے - اس خدمت کے صلے میں شاید بادشاہ میرا قصور معاف کردے " ایسا ہی ہوا - جونہی عین‌الملک نے بھاگنے کا قصد کیا - ابراهیم نے زور سے اس کی زلفیں پکڑلیں اور کہا " سلطان علاالدین کہاں جاتے ہو ؟ " ابراهیم کے ساتھیوں نے عین‌الملک کے گھوڑے کو چابک مارکر بھگا دیا - عین‌الملک زمین پر گر پڑا ' اور ابراهیم نے اسے قابو میں کر لیا اور جب وزیر کے ملازم اُسے پکڑنے کو آئے تو بولا " تم رہنے دو میں خود ہی وزیر کے پاس لے جاؤنگا ' ورنہ لڑ لڑ کر مر جاؤنگا " - غرض ابراهیم عین‌الملک کو وزیر کے پاس لے گیا - صبح ہو چکی تھی - بادشاہ کی خدمت میں ہاتھی اور جھنڈے پیش کئے جا رہے تھے - میں بھی دیکھ رہا تھا - کسی عراقی نے مجھ سے کہا کہ "عین‌الملک پکڑا گیا - اب اسے وزیر کے پاس لائے ہیں " مجھے یقین نہ آیا - تھوڑی دیر میں ملک تیمور شربدار آیا - اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا مبارک ہو عین‌الملک پکڑا گیا - اب وہ وزیر کے پاس ہے - یہ خبر بادشاہ نے سنی تو وہ عین‌الملک کے کیمپ کی طرف گیا - میں بھی بادشاہ کے ساتھ ساتھ تھا - سپاہیوں نے عین‌الملک کے کیمپ کو لوٹ لیا - اس کے بہت سے ساتھی دریا میں گھس گئے اور ڈوب کر مر گئے - بادشاہ نے وہیں ایک گھاٹ پر قیام کیا - تھوڑی دیر میں وزیر عین‌الملک کو لے کر آیا - عین‌الملک بیل پر سوار تھا - اس کا بدن ننگا تھا - صرف ایک پرانے کپڑے کا لنگوٹ لپٹا تھا - جس کا ایک سرا اس کی گردن میں بندھا ہوا تھا - غرض وزیر نے اسے شاہی کیمپ کے دروازے پر کھڑا کر دیا اور خود اندر جا کر بادشاہ کو اطلاع دی - بادشاہ نے عین‌الملک کے لئے شربت بھیجا - پھر ملک کبیر کے ذریعے اس سے دریافت کیا کہ " بغاوت کی وجہ کیا تھی " ؟ عین‌الملک نے کچھ جواب نہ دیا - بادشاہ نے حکم دیا کہ " عین‌الملک کو فریبوں کے سے کپڑے پہنائے جائیں ' اس کے پیروں میں بیڑیاں ڈالی جائیں اور دونوں ہاتھ گردن سے باندھ کر وزیر کے سپرد کردیا جائے " - عین‌الملک تو گرفتار ہوا اور اس کی یہ گت بنی ' مگر اس کے بھائی بھاگ کر دریا پار پہونچ گئے - بھاگتے وقت انہوں نے اپنی بھاوج یعنی عین‌الملک کی

زوجہ سے کہا - " بھابھی تم بھی بچوں کو لےکر ہمارے ساتھ چلو " اس نیک بخت نے جواب دیا " ھندوؤں کی عورتیں تو اپنے خاوند کے ساتھ جل جل کر مرجاتی ھیں ' کیا میں ان سے بھی گئی گزری ہوگئی ؟ اگر میرے خاوند کو مرنا ھے تو میں بھی مر جاؤنگی اگر وہ جی بچا تو میں بھی جیونگی " - عین الملک کی زوجہ کا یہ جواب بادشاہ نے سنا تو بہت خوش ہوا اور جب وہ عورت اپنی نند کے ساتھ اس کے سامنے لائی گئی تو اس نے اُن دونوں کے لئے عین الملک کے خیمے کے پاس ایک خیمہ لگوا دیا اور وزیر کو اُن کا نگراں مقرر کر دیا - عین الملک اپنے حرم میں جاکر کچھ دیر بیٹھتا تھا - اور پھر قید خانے میں آجاتا تھا -

واقعی عین الملک بڑی شخصیت ' بڑی اھلیت اور بڑی قابلیت کا آدمی تھا - اسی وجہ سے سلطان محمد نے اس کی جان بخشی کی اور اس پر انعام اکرام کیا اور اس کی خاطر دوسروں کے قصور معاف کردئے -

یہ مرحلہ طے ہوا تو بادشاہ سرگدواری سے روانہ ہوگیا - اب بارش ہو چکی تھی اور قحط بھی دور ہو چلا تھا - بادشاہ سرگدواری سے بھرایچ پہونچا - وہاں سالار مسعود غازی کے مزار کی زیارت کی اور مزار کے مجاوروں پر بہت بخششیں کیں اور مقبرہ بنوایا - پھر دھلی کا رخ کیا - دھلی پہونچ کر رعایا پر بخششیں کیں ' بہت سے محصول معاف کردئے اور عدالت کو بھی سُدھارا - سفر نامے میں لکھا ھے کہ " سنہ ۷۴۱ھ [۱] میں سلطان محمد نے حکم دیا کہ سوائے زکواۃ اور عشر کے سب محصول معاف کر دئے جائیں - اور خود ہفتے میں دو دن پیر اور جمعرات کو انصاف کرنے کی غرض سے دیوان خانے کے سامنے ایک میدان میں بیٹھنے لگا - اس وقت شاھی پیشی میں چار عہدہ دار ' ایک امیر حاجب ' دوسرے خاص حاجب ' تیسرے سیدالحجاب اور چوتھے شرف الحجاب حاضر رھتے تھے - ان سب کو اجازت تھی کہ جو شکایت ہو بادشاہ کے حضور میں پیش کریں - دیوان خانے کے چاروں دروازوں پر بادشاہ کے چار امیر مقرر رھتے تھے - اُنھیں ھدایت تھی کہ جو فریادی آئے اس کی فریاد فوراً لکھ کر عدالت میں بھیج دیں " اگر پہلے دروازے والا امیر فریادی کی فریاد لکھ بھیجتا تو خیر ورنہ فریادی دوسرے دروازے پر آتا تھا - اگر

---

[۱] سنہ ۱۳۴۰ع

دوسرے دروازے والا امیر بھی نہ لکھتا تو فریادی تیسرے دروازے پر جاتا - وہاں بھی نا کام رہتا تو چوتھے دروازے پر پہونچتا - اگر سب انکار کردیتے تو وہ صدر جہاں قاضی القضاۃ کے پاس جاتا - اگر صدر جہاں بھی اس کی فریاد نہ لکھتا تو پھر اُسے بادشاہ کے پاس چلے جانے کی اجازت تھی - بادشاہ امیروں سے باز پرس کرتا - اگر اُسے امیروں کی بے پرواہی کا یقین ہو جاتا تو ان کو سزا دیتا - دن بھر میں جتنی فریادیں لکھی جاتیں وہ سب رات کو بادشاہ کے سامنے پیش کی جاتیں - عشا کی نماز کے بعد وہ ان کا مطالعہ کیا کرتا -

محصولوں کی معافی اور عدالت کی درستگی کے ساتھ ھی ساتھ سلطان محمد نے خلیفہ عباسی کی بیعت کا ارادہ کیا - تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ھے کہ بادشاہ سرگدواری سے لوٹ کر دھلی پہونچا تو اُسے یہ خیال آیا کہ خلفائے عباسیہ کی اجازت بغیر بادشاہت کرنے والا ظالم ھے- یہ سوچ کر اس نے غیر ملک کے باشندوں سے اور دور دور کے آنے جانے والوں سے خلفائے عباسیہ کی بابت دریافت کرنا شروع کیا - آخر یہ معلوم ھوا کہ عباسیہ خاندان کا ایک خلیفہ مصر میں موجود ھے - بادشاہ نے اسی سے بیعت کر لی - امرا نے بھی ایساھی کیا - پھر بادشاہ نے خلیفہ کے ساتھ خط کتابت شروع کی اور ایک ایک بات اس کو لکھ لکھ کر بھیجنے لگا - سرگدواری سے چل کر جب بادشاہ پایہ تخت میں پہونچا تو اس نے جمعہ کی اور عید کی نمازیں بند کردیں - سکّہ بجائے اپنے نام کے خلیفہ کے نام کا چلا دیا ' اور خلیفہ کا نام مع القاب کے سکّوں پر نقش کرایا ' اور طرح طرح سے خلفاے عباسیہ کے ساتھ خلوص اور محبت کا اظہار کرنے لگا ' جسے تفصیل کے ساتھ لکھنا بھی ممکن نہیں - مختصر یہ کہ سنہ ۷۴۴ھ میں خلیفہ کا ایلچی حاجی سعید صرصری مصر سے دھلی آیا اور خلیفہ کا فرمان - علم اور خلعت بادشاہ کے پاس لایا - حاجی سعید صرصری ابھی شہر تک پہونچنے نہ پایا تھا کہ بادشاہ امیروں ' سرداروں ' صوفیوں اور عالموں کو لے کر استقبال کے لئے نکلا اور پانچ کوس تک پا پیادہ گیا - خلیفہ کے بھیجے ہوئے خلعت اور فرمان کو سر پر رکھا ' پھر حاجی سعید صرصری کی قدمبوسی کے لئے جھکا اور اس پر سونا نچھاور کرایا - جمعہ اور عید کی نمازیں بھی جاری کرادیں - جمعہ کی نماز میں جب خطبہ پڑھا گیا اور خطیب کی زبان سے خلیفہ کا نام نکلا تو بادشاہ نے حکم دیا کہ

سونے اور چاندی سے بھرے ہوئے طبق لٹائے جائیں - حکم کی تعمیل کی گئی - اور سونے چاندی سے بھرے طبق حاجی سعید صرصری پر سے نچھاور کر دئے گئے - سلطان ہر جمعے کو پا پیادہ مسجد تک جایا کرتا ' اپنے کل سرداروں اور امیروں کو بھی لے جاتا ' نماز میں شریک ہوتا اور خطبہ سنتا اور خلیفہ کا نام جو خطبے میں لیا جاتا خاص طور سے خیال رکھتا - جن بادشاہوں نے خلیفہ کی بیعت نہیں کی تھی ان کے نام سلطان محمد نے خطبے میں سے نکال دئے - صرف اُن ہی بادشاہوں کے نام باقی رکھے جنھوں نے خلیفہ سے بیعت کرلی تھی اور اس کی اجازت حاصل کرلی تھی - اس نے یہ بھی حکم دیا کہ خلیفہ کا نام مع القاب کے زربفت کے ٹکڑوں پر اور قیمتی قیمتی کپڑوں پر لکھا جائے - پھر اپنی قلم سے خلیفہ کے نام ایک خط لکھا جسے بیش‌بہا اور بےنظیر موتیوں کے ساتھ مصر بھیج دیا -

سلطان محمد کو خلیفہ کے ساتھ بلا کی عقیدت تھی ' اگر اس کا بس ہوتا ' اور راستے میں لٹنے کا ڈر نہ ہوتا تو شاید سارا کا سارا خزانہ ہی اٹھا کر وہ دہلی سے مصر بھیج دیتا اور خود خلیفہ کی بغیر اجازت پانی تک نہ پیتا - خلیفہ کی خاطر اس نے اس درجہ کی کہ ملک کبیر جیسے غلام کو جو خوبیوں میں اور وفاداری میں بےنظیر تھا مصر بھیج دیا - ملک کبیر دربار کا سر جاندار تھا - اور اپنی نیکیوں اور فضیلتوں کی بدولت نائب سلطان کہلانے کا مستحق تھا - بادشاہ نے اسے خلیفہ کے حوالے کر دیا ' اور یہ دستاویز لکھدی کہ ملک کبیر کو میں نے ہمیشہ کے لئے خلیفہ کی نذر کیا ' جب تک وہ زندہ رہے خلیفہ کی خدمت میں دئے -

اس واقعے کے دو سال بعد دربار میں یہ خبر آئی کہ مصر کا شیخ‌الشیوخ خلیفہ کا حکم نامہ اور خاص خلعت لےکر دہلی آرہا ہے - بادشاہ نے حکم دیا کہ شہر میں آرایش کی جائے - حکم کی تعمیل ہوگئی تو وہ خلیفہ کا علم ہاتھ میں لےکر اور اس کا اجازت نامہ سر پر رکھ کر محل کے دروازے سے نکلا اور قلعے سے صحن تک پا پیادہ گیا ' وہاں شیخ کا بڑے تکلف سے خیر مقدم کیا ' اور اس قدر تعظیم تکریم کی کہ دیکھنے والے حیران ہوگئے - کہاں تک لکھوں ؟ اگر ذرا تفصیل کروں تو اسی عقیدت کے حال میں ایک مجلّد کتاب بن جائے - مختصر یہ کہ بادشاہ اُٹھ رہا ہو یا بیٹھ رہا ہو ' کسی سے بات کر رہا ہو یا کسی کی

سن رہا ہو ' مال لے رہا ہو یا دے رہا ' سلطنت کے کاموں میں مصروف ہو یا اور کسی شغل میں ' ہر وقت اس کی زبان پر خلیفہ کا نام جاری رہتا تھا -

شیخ الشیوخ کے استقبال سے بادشاہ فارغ ہوگیا تو حکم دیا کہ جتنے آدمی غیر ملکوں سے آئے ہیں وہ سب خلیفہ کے اجازت نامے کو دیکھیں اور بیعت کریں - اس دن سے بادشاہ کی منشا کے مطابق قران مجید کے ساتھ ساتھ خلیفہ کا حکم نامہ بھی دربار میں رکھا جاتا - کل امیر اور سردار اس حکم نامے کو دیکھ دیکھ کر خلیفہ کی بیعت کرتے اور اس مضمون کے خط لکھ لکھ کر خلیفہ کو بھیجتے - اسی دن سے یہ بھی دستور ہوگیا کہ ترک ہوں یا مغل ' امیران ہزارہ ہوں یا امیران صدہ ' سردار ہوں یا ان کی عورتیں ' غرض جو جو بھی غیر ملکوں سے آتے پہلے اُن سے خلیفہ کی بیعت لی جاتی اس کے بعد بادشاہ کی طرف سے انہیں انعام اکرام ملتا -

سلطان محمد خلیفہ کے سفیروں اور پیغام بروں کی اتنی تعظیم کرتا جتنی غلام بھی اپنے آقا کی نہیں کرتے - حد ہوگئی کہ بادشاہ حاجی سعید صرصری ' حاجی رجب برقعی اور شیخ الشیوخ مصری کے قدموں میں سر رکھ رکھ دیتا ' اور ان کے پیروں پر آنکھیں ملتا - ایسی عظمت و شان والے بادشاہ کو لوگ خلیفہ کے آدمیوں کے سامنے عاجزی کرتے ہوئے دیکھتے تو بڑا تعجب کرتے اور آپس میں کہتے " اس بادشاہ کو خلیفہ سے کس درجہ محبت ہے ! - معلوم ہوتا ہے کہ جو سانس لیتا ہے خلیفہ کی محبت میں لیتا ہے ' یہ کیسی محبت ہے ؟ کیسی عقیدت ہے ؟ کہ خلیفہ کے ڈاکیوں ہی کی خاطر تواضع میں سلطان بچھا چلا جاتا ہے ' اگر کہیں وہ خود خلیفہ کو دیکھ لے تو خدا جانے کیا حالت ہو ؟ "

مخدوم زادہ عباسی بغداد سے دھلی آیا تو بادشاہ اس کے استقبال کے لئے پالم تک گیا - پھر خدا جانے کن کن طریقوں سے اس کی تعظیم تکریم کی - لاکھوں روپئے اسے بخش دئے ' اور خزانے کے خزانے سونپ دئے - جب وہ دربار میں آتا تو بادشاہ اسے دور سے دیکھ کر تخت سے اتر پڑتا اور استقبال کی غرض سے کئی قدم آگے بڑھتا - بھرے دربار میں اپنے دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک دیتا - دیکھنے والے حیران رہ جاتے - عید آتی یا دربار عام ہوتا تو بادشاہ مخدوم زادے کو بلاکر اپنے برابر تخت پر بیٹھاتا اور خود اس کے سامنے ادب سے دو زانو بیٹھتا '

جب وہ واپس جانے کی غرض سے اٹھتا تو بادشاہ بھی کھڑا ہو جاتا ' امرا بھی کھڑے ہو جاتے ' سب ہر وقت بادشاہ کی طرح مخدوم زادے کی تعظیم کیا کرتے - غرض مخدوم زادے پر بادشاہ بےحد مہربان تھا - دس لاکھ تنکے اسے نقد دئے ' قنوج کا سارا علاقہ دیا ' اور سیری کا محل اسے سونپ دیا - اس کے علاوہ سیری شہر کی جو آمدنی تھی وہ بھی اس کی نذر کر دی اور متفرق زمینوں کے ٹکڑے بھی دئے ' حوض دئے ' اور باغ دئے -

ابن بطوطہ نے لکھا ہے " کہ مخدوم زادے کا نام امیر غیاث‌الدین محمد تھا ' عباسیہ خاندان سے تھا ' بغداد کا رہنے والا تھا ' بغداد سے وہ ماوراالنہر کے بادشاہ طرمشیریں کے پاس آیا تھا - وہاں اس نے سنا کہ ہندوستان کے بادشاہ کو بنی عباس سے بڑی عقیدت ہے - یہ سن کر اس نے دو قاصد سلطان محمد کے پاس بھیجے - سلطان نے اس کے متعلق تحقیق کی - تصدیق ہوگئی تو امیر غیاث‌الدین کے قاصدوں کو پانچ ہزار دینار دئے اور اسے بلانے کے لئے اپنے ہاتھ سے ایک خط لکھا - خط کے ساتھ تیس ہزار دینار بطور سفر خرچ کے بھیجے ' اس پر امیر غیاث‌الدین روانہ ہوگیا ' جب سندھ پہونچا تو بادشاہ کی طرف سے اس کا استقبال ہونے لگا - جس شہر میں پہونچتا اس کے قاضی بڑھ بڑھ کر استقبال کرتے - پالم تک یہی حال رہا ' وہاں بادشاہ خود آ پہونچا ' امرا اس کے جلو میں تھے - غیاث‌الدین نے بادشاہ کو دیکھا تو گھوڑے پر سے اتر پڑا - بادشاہ نے بھی سواری چھوڑ دی - غیاث‌الدین نے زمین چومی تو بادشاہ نے بھی چومی - امیر غیاث‌الدین نے کپڑوں کے تھان اور کئی چیزیں بطور نذر کے پیش کیں - بادشاہ نے شکریے کے ساتھ نذر قبول کر لی اور امیر غیاث‌الدین کو جھک کر سلام کیا ' پھر ایک تھان کو لے کر اپنے کاندھے پر ڈال لیا ' اتنے میں گھوڑے لائے گئے - بادشاہ نے ایک گھوڑے کو پکڑ کر امیر کے سامنے کھڑا کر دیا ' اور اپنے ہاتھ سے اس کی رکاب پکڑ کر کہا آپ سوار ہو جائیے - امیر غیاث‌الدین سوار ہو چکا تو بادشاہ بھی سوار ہوگیا ' پھر امرا بھی سوار ہوئے - شاہی چتر بادشاہ کی طرح امیر غیاث‌الدین پر بھی لگایا گیا ' اس کے بعد بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے امیر کو پان دیا - یہ سب سے بڑی خاطر تھی ' کیونکہ بادشاہ کسی کو اپنے ہاتھ سے پان نہیں دیا کرتا تھا - جب وہ شہر کے قریب پہونچے تو شاہی خیمے شہر کے باہر لگا دئے گئے - انہیں میں بادشاہ نے اور امیر غیاث‌الدین نے قیام کیا - یہاں بھی بادشاہ امیر کی ویسی ہی خاطر کرتا

رہا - صبح کو شہر میں داخلہ ہوا - وہاں بادشاہ نے امیر کی سکونت کے لئے سیری کا محل مقرر کیا اور سیری کا سارا شہر مع مکانوں ' باغوں ' زمینوں اور گوداموں کے امیر غیاث‌الدین کی جاگیر میں دے دیا - اسی پر بس نہیں کی - سو گانوں اور دلّی اور دہلی کے مشرق میں بعض علاقوں کی حکومت بھی دے دی اور تیس خچر مع سنہری زینوں کے اس کے حوالے کئے - خچروں کا چارا دانہ بھی سرکاری گودام سے مقرر کیا - پھر اور عزت بڑھائی اور یہ اجازت دے کر کہ شاہی محل میں داخل ہوتے وقت گھوڑے سے نہ اُترے اور امتیاز بخشا - امیر غیاث‌الدین بغیر کسی روک ٹوک کے گھوڑا دوڑاتا محل کے اندر آجاتا اور جس مقام تک بادشاہ سوار ہوکر آتے تھے اسی مقام تک وہ بھی سوار ہوکر جاتا ' اس سے بڑھ کر کون سا اعزاز ہوسکتا تھا ؟

سیری کے محل کی صفائی اور اس کی آرایش کا انتظام بادشاہ نے اپنے ذمے لے لیا - چند امیروں کو ساتھ لے کر وہ خود محل کے اندر گیا - صفائی اور آرایش ہوگئی تو بہت سا سامان مہیا کیا ' جس میں سونے چاندی کے برتن تھے اور سونے کا ایک غسل خانہ تھا - امیرغیاث الدین محل میں داخل ہوگیا تو بادشاہ نے اسے چار لاکھ دینار بطور سرشوی کے بھیجے اور تین سو دینار روزانہ جیب خرچ کے لئے مقرر کر دئے - جب کبھی امیر دربار میں آتا اور بادشاہ تخت پر بیٹھا ہوتا تو اسے دیکھتے ہی تخت سے اتر پڑتا اور اگر کرسی پر بیٹھا ہوتا تو کھڑا ہو جاتا ' اور غیاث‌الدین کو اپنے برابر بٹھا لیتا - ایک مرتبہ امیر غیاث‌الدین بادشاہ سے ناخوش ہوگیا - وجہ یہ تھی کہ غزنی کا بادشاہ بہرام ہندوستان میں آیا تو سلطان محمد نے اسے سیری کے شہر میں ٹھہرا دیا ' اور وہیں اس کے لئے محل بنوانا چاہا - اس پر امیر ناخوش ہوگیا - سیری کا شہر سلطان امیر کو دے چکا تھا اور امیر کی بہرام سے پرانی دشمنی بھی تھی - بادشاہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو دس امیروں کے ساتھ امیر غیاث‌الدین کے مکان پر آیا اور معذرت کرنے لگا - امیر نے بادشاہ کا عذر مان لیا ' مگر بادشاہ کو اطمینان نہ ہوا - کہنے لگا جب تک آپ میری گردن پر اپنا پیر نہ رکھ دیں‌گے اس وقت تک مجھے آپ کی رضا مندی کا یقین نہ آئیگا - امیر غیاث‌الدین نے انکار کیا - بادشاہ نے اصرار کیا اور اپنے سر کی قسم دے کر کہا یہ کرنا ہوگا - اتنا کہہ کر بادشاہ نے اپنی گردن زمین پر رکھ دی - ملک قبولہ نے امیر غیاث‌الدین کا پانوں اپنے ہاتھ

سے اٹھا کر بادشاہ کی گردن پر رکھ دیا - اس وقت بادشاہ کھڑا ہوگیا اور بولا ' اب مجھے آپ کی رضامندی کا یقین ہوگیا - ایسی عجیب و غریب حکایت میں نے کسی بادشاہ کے متعلق آج تک نہیں سنی " -

سلطان محمد کے اس طرز عمل نے ضیا الدین برنی اور ابن بطوطہ دونوں کے ہوش حواس گم کر دئے اور دیکھنے والوں کو حیرت میں ڈال دیا - لیکن ہمیں تو اس میں نہ حیرانی ہے نہ پریشانی - سلطان محمد پندرہ سولہ برس کی کشمکش بھگت چکا تھا - اس دوران میں جو زیادتیاں ہوئیں تھیں یا جو غلطیاں ہوگئی تھیں ان کی تلافی کیا ہوسکتی تھی ؟ سلطان نے اس پر غور کیا اور آخر میں جو کچھ کیا بطور کفارے کے کیا - خلافت کے ذریعے اس نے ایک نیا ڈول ڈالنا چاہا اور مناسب بھی یہی تھا - بادشاہ نے ایک طرف تو خلافت کے ذریعے خاص و عام کے خیالات بدلنے چاہے ' دوسری طرف اصلاحیں شروع کر دیں ' اور اس غرض سے وہ کئی سال تک دھلی میں رہا - تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے کہ سلطان محمد چار سال تک دھلی میں ٹھہرا رہا اور اس عرصے میں اصلاحیں کرتا رہا - پیداوار بڑھانے کی غرض سے کاشتکاری کا ایک نیا محکمہ قائم کیا جس کا نام محکمۂ امیر کوھی رکھا - اس میں نئے نئے عہدے دار مقرر کئے - زمین کو تیس تیس مربع گز ٹکڑوں میں تقسیم کیا اور ہر ٹکڑے میں کاشت کا انتظام اس خوبی سے کیا کہ بالشت بھر زمین بھی بیکار نہ پڑی رہے ' پھر کاشت کی اور فصلوں کی ترتیب اس خوبی سے مقرر کر دی کہ ایک جنس کی کاشت کے بعد دوسری مقررہ جنس کی کاشت ہونے لگی ' مثلاً جَو کی فصل کٹ جاتی تو گیہوں بویا جاتا اور گیہوں کی فصل کٹ چکتی تو گنا بویا جاتا ' گنا کٹ چکتا تو انگور اور کھجور کی کاشت ہوتی - زراعت کے متعلق بادشاہ نے اور بھی چند قاعدے بنائے جن کا نام اسلوب رکھا - یہ اسلوب تھے بہت اچھے - ان پر اگر عمل ہو جاتا تو پھر ملک کو تکلیفوں سے نجات مل جاتی اور رعایا خوشحال ہو جاتی ' کاشت خوب ہوتی ' کھیت لہلہاتے ' فصلیں کثرت سے تیار ہوتیں اور آمدنی اتنی بڑھتی کہ خزانے بھر جاتے ' اور لشکر بھی اتنا بڑھتا کہ اگر بادشاہ چاھتا تو اس کے ذریعے ساری دنیا کو فتح کر لیتا - غلطی یہ ہوئی کہ کاشت کا کام ٹھیکے پر دے دیا گیا - سو (۱۰۰) ٹھیکے دار مقرر ہوئے جو شقدار کہلائے - یہ ایسے لالچی تھے کہ بعضوں نے بےسوچے سمجھے ایک لاکھ بیگھ زمین

بونے اور جوتنے کا ٹھیکہ لے لیا - اور بعضوں نے تین سال کی زراعت کے بعد زمین کی آمدنی میں سے هزار سوار مہیا کرنے کا ذمہ لے لیا ' اور دستاویزیں لکھدیں - ٹھیکہ داروں کی اس همت سے بادشاہ بہت خوش ہوا اور خوشی میں آکر اس نے ان کو بڑے بڑے انعام دئے ' اعلی اعلی درجے کے گھوڑے دئے ' سنہری کام کی هوئی قبائیں دیں ' پٹکے دئے ' اور نقد رقمیں بھی دیں - لیکن یہ انعام هی انعام نہ تھا ' اس میں وہ مال بھی شامل تھا جو ٹھیکہ داروں کو بطور تقاوی کے دیا گیا تھا - تین تین لاکھ کے ٹھیکے پر پچاس پچاس هزار کی رقمیں دی گئیں مگر اتنی اتنی بڑی رقموں کا ملنا غضب تھا - ٹھیکہ داروں نے ایک کہی نہ دو ' رقمیں لے لے کر سیدھے هوے اور خوب گلچھرے اڑائے - کاشت کیونکر هوتی ؟ آمدنی کیسے بڑھتی ؟ جسقدر پیداوار کے انہوں نے ٹھیکے لئے تھے اُس قدر تو زمین پیدا بھی نہ کرسکتی تھی - نتیجہ یہ هوا کہ ٹھیکے ناکام رهے - سلطنت کو سخت نقصان پہونچا - دو سال کے اندر ستر لاکھ تنکے ٹھیکہ داروں کی نذر هوگئے - خزانہ خالی هوگیا ' ٹھیکوں کی میعادیں پوری هوگئیں اور تین سال کی مدت ختم هوگئی مگر ٹھیکوں کی ایک شرط بھی پوری نہ هوئی - ٹھیکہ داروں نے جتنی کاشت کا ٹھیکہ لے لیا تھا اس کا ایک هزارواں حصہ بھی بویا جوتا نہ گیا - ملک میں بدامنی شروع هوگئی اور سلطان کو گجرات ' دکن اور سندھ کی مہمیں پیش آگئیں - جو بہتری اس نے سوچی تھی هونے نہ پائی - اگر وہ ٹھٹے کی مہم سے زندہ لوٹ آتا اور موت اسے ذرا مہلت دے دیتی تو وہ ٹھیکہ داروں کی خوب خبر لیتا - شاید ان میں کسی کو بھی زندہ نہ چھوڑتا -

یہ اصلاحیں سلطان محمد نے هندوستان میں کرنی چاهی تھیں - ایسی هی دکن میں کیں - تاریخ فیروز شاهی میں لکھا هے کہ سلطان نے دیو گڑھ اور مہاراشٹر کی اصلاح کی طرف خاص توجہ کی - سبب یہ تھا کہ کچھ عرصے سے بادشاہ کو دیو گڑھ کے والی قتلغ خاں کے اور اُس کے اهلکاروں کے متعلق خیانت کی خبریں پہونچ رهی تھیں' ایسا معلوم هوتا تھا کہ سرکاری روپیہ غبن هو رها هے جس کی وجہ سے دیوگڑھ اور مہاراشٹر کی آمدنی گھٹتی چلی جاتی هے - پہلے دکن کی مالگذاری کئی کرور تھی مگر اب هزار کی گنتی سے زیادہ نہ رهی تھی - بادشاہ نے مہاراشٹر کی مالگزاری پھر چھ سات کرور تک پہونچانی چاهی اور اس غرض سے مہاراشٹر کو چار شقوں میں تقسیم

کیا - ایک شق پر ملک سردواتدار کو مقرر کیا ' دوسری پر ملک مخلص الملک کو ' تیسری پر یوسف بغرا کو اور چوتھی پر عزیز حمار کو - شقوں کا پورا انتظام بادشاہ نے انہیں شقداروں کے سپرد کر دیا - مہاراشٹر کی چار شقوں کے علاوہ بادشاہ نے پانچویں شق دیو گڑہ کی بنائی اور اسے عمادالملک مشہور سلطانی کے حوالے کیا - دیو گڑہ کو دکن کے اور سب علاقوں کی نسبت زیادہ اہمیت تھی - اس سبب سے بادشاہ نے وہاں کے شقدار عمادالملک کا مرتبہ بھی بڑا رکھا - اس کو اور سب شقداروں کا افسر مقرر کرکے وزیر کا خطاب دیا - اور دھارا धारा نامی ہندو کو اس کا وزیر مقرر کیا - دھارا نائب وزیر کے لقب سے مشہور ہوا - شقیں قائم ہوگئیں اور شقدار مقرر ہو چکے تو بادشاہ نے وہی اسلوب جو پہلے ہندوستان میں جاری کئے تھے دکن میں بھی جاری کرنے چاہے - اس غرض سے کئی اور سردار مقرر کئے ' اور خاص خاص علاقوں کا انتظام ان کے سپرد کردیا - ان سب کے نام بادشاہ نے ایک تحریری حکم بھیجا جس کا مضمون یہ تھا " تمہارے علاقے میں جو بھی سلطنت کا بد خواہ ہو اور جو کوئی تمہیں سرکش نظر آئے اس کو فوراً قتل کردو - امن سے وہی لوگ رہنے پائیں جو سرکاری قواعد و قوانین کی پابندی کریں " اسی سلسلے میں بادشاہ نے قتلغ خاں کو مع اس کے کل ساتھیوں کے دیو گڑہ سے بلا لیا -

شمالی علاقوں کی وحشت ناک خبریں عرصے سے دکن پہونچ رہی تھیں ' جنہیں سن سن کر دکن والوں کو بادشاہ کی طرف سے بدگمانیاں ہو رہی تھیں - ان کا یہ خیال تھا کہ " بادشاہ کی سیاست سے اس وقت تک جو ہم بچے رہے ہیں تو قتلغ خاں کے سبب سے " اور یہ خیال ایک حد تک تھا بھی درست - قتلغ خاں دکن میں اپنا اثر جما چکا تھا - بہت سے باغی اور مجرم اس کے پاس بھاگ بھاگ کر آتے تھے اور پناہ لیتے تھے - اس نے قتلغ خاں کے ساتھ اس کے کل آدمیوں کو بھی دیو گڑہ سے علیحدہ کرکے دہلی کی طرف روانہ کردیا اور قتلغ خاں کی جگہہ اس کے بھائی نظام الدین کو بھروچ سے بلاکر دیوگڑہ کا عارضی طور سے حاکم بنا دیا - چاہتا یہ تھا کہ اس عہدے پر بہترین شخص مقرر کیا جائے ' مگر قتلغ خاں کا دکن سے جانا تھا کہ امیروں میں بےاطمینانی پیدا ہوگئی اور سارے دکن میں بےچینی سی پھیل گئی - ان کو یہ اندیشہ ہوا کہ برا وقت آنے والا ہے اور دکنیوں پر وہی مصیبتیں نازل ہونے والی ہیں جو اب تک ہندوستانیوں پر نازل ہوتی رہی تھیں -

دکن کی طرح بادشاہ نے مالوے میں بھی نیا انتظام کیا - عزیز حمار کو جسے مورخوں نے رذیل لکھا ہے مالوے کا حاکم بنا دیا - وہاں بھی سلطان محمد نے وہی اصلاحیں کیں جو دوآبے میں یا ہندوستان میں اوردکن میں کی تھیں -

وہ اصلاحیں کر رہا تھا اور رفاہ عام کے کاموں میں مصروف تھا ' لیکن دشمن فساد کی آگ سلگانے میں لگے ہوئے تھے - تاریخ فیروز شاہی میں ہے کہ بادشاہ کاشت بڑھانے اور تقاوی تقسیم کرنے میں مشغول تھا کہ ملتان سے شاہو افغان کی بغاوت کی خبر پہونچی - یہ معلوم ہوا کہ شاہو افغان نے ملتان کے نائب بہزاد نامی کو قتل کرکے شہر پر قبضہ کر لیا ہے - بادشاہ شاہو افغان کی سرکوبی کے لئے دھلی سے روانہ ہوا اور ملتان کی طرف چلا - بہت دور نہ گیا تھا کہ دھلی میں سلطان کی والدہ مخدومہ جہاں کا انتقال ہو گیا - یہ خبر بادشاہ کو راستے میں ملی ' اسے بےحد رنج ہوا - جس جگہ خبر ملی تھی اسی جگہ صفِ ماتم بچھا دی ' اور کئی روز تک ٹھہرا رہا ' پھر ملتان کی طرف بڑھا - قریب پہونچا تو شاہو افغان کی عرضی ملی - اس نے اپنی تقصیروں کا اقرار کیا تھا اور اطاعت کرنے پر اپنی آمادگی ظاہر کی تھی - اِدھر تو شاہو افغان نے بادشاہ کو یہ عرضی بھیجی اُدھر وہ ملتان چھوڑ کر افغانستان کی طرف چلا گیا - بادشاہ کو خبر پہونچی تو وہ بھی دھلی کو لوٹ گیا -

ملتان کے فساد کو کچھ عرصہ نہ گزرا تھا کہ سنام اور سامانہ میں فساد اُٹھ کھڑا ہوا - باغیوں نے خراج دینا چھوڑ دیا - تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے کہ بادشاہ ملتان سے لوٹا تو سنام آیا ' وہاں سے روانہ ہوا تو اگروھے پہونچا - چند روز بعد پھر کوچ کیا اور سفر کرتا ہوا دھلی آیا ' پھر دھلی سے لشکر لے کر نکلا اور سنام اور سامانہ کے باغیوں کو جا گھیرا - باغیوں نے خراج دینے سے انکار کردیا تھا اور فساد پر کمر باندھ لی تھی ' اور حفاظت کی غرض سے مضبوط مضبوط مکان بنا لئے تھے - بادشاہ نے ان مکانوں کو ویران کر دیا ' باغیوں کی جمعیت کو پریشان کردیا ' اور ان کے سرغنوں کو پکڑ کر دھلی لے آیا - بعض تو مسلمان ہو گئے ' بعض امیروں کی جماعت میں داخل ہو کر دھلی میں رہنے لگے - یہ بغاوتیں سنہ ۷۴۴ھ اور سنہ ۱۳۴۳ع میں ہوئیں -

منتخبات‌التواریخ میں سنام اور سامانے کی بغاوتوں کا جو حال لکھا ہے وہ اور سب تاریخوں سے مختلف ہے - اور مورخوں کے نزدیک تو سنام- سامانہ -

کٹھل اور کہرام کے ھندوؤں نے بغاوت کا جھنڈا بلند کیا تھا - وہ اپنی اپنی بستیوں کو چھوڑ کر جنگلوں میں چلے گئے تھے - جہاں موقع ملتا وہیں ڈاکے ڈالتے ' مسافروں کو لوٹتے - آخر بادشاہ نے جاکر ان کا سر کچلا اور ان کے سرغنوں کو گرفتار کر کے دھلی لے آیا لیکن ملا عبدالقادر بدایونی نے لکھا ھے کہ سنام اور سامانے میں سیدوں اور مسلمانوں نے شورش کی تھی - ان میں سے بہت سے حسن کانگو بہمنی کے قبیلے والے تھے جن کا ذلیل کرنا بادشاہ کو مقصود تھا - اس نے وھاں کے سیدوں اور مسلمانوں کا قتل عام کرایا - جب سادات کا اور اھل اسلام کا خون بہہ گیا تو بادشاہ نے سنام اور سامانہ کے ھندوؤں کے ساتھ رعایتیں کیں پھر انہیں دھلی کی جانب لے گیا - وھاں انہیں جاگیریں دیں اور زرق برق وردیاں اور سنہری پیٹیاں دے کر وہیں آباد کر دیا -

سلطان محمد کا بڑھاپا آگیا اور وہ لاکھوں جتن کر چکا ' پر نہ بغاوتیں دور ھوئیں نہ دشمن دور ھوئے - جوں جوں زمانہ گزرتا گیا نئی نئی بغاوتیں اٹھتی گئیں اور نئے نئے دشمن پیدا ھوتے گئے - آخری زمانے میں جب کہ سلطان کی طاقتیں زائل ھو رھی تھیں اور اس کی زندگی کا پیمانہ لبریز ھو رھا تھا امیران صدہ کی بغاوتیں شروع ھوگئیں - قاضی جلال ' مغ افغان ' حسن کانگو اور طافي جیسے دشمن نمودار ھوگئے -

امیران صدہ کی بغاوتیں مالوے سے شروع ھوئیں - تاریخ فیروز شاھی میں لکھا ھے کہ بادشاہ نے اپنی سلطنت میں اصلاحیں کیں تو قتلغ خاں کو دیو گڑھ سے نکال دیا اور عزیز حمار جیسے کمینے کو دھار کا حاکم بنادیا - دھار مالوے کا پایۂ تخت تھا - بادشاہ نے سارا مالوہ عزیز کے حوالے کردیا اور کئی لاکھ تنکے بھی دئے - پھر اس سے کہا " عزیز ! تم دیکھ رھے ھو ' میری سلطنت میں ھر طرف بےچینی ھے ' فساد ھو رھا ھے ' دشمن نکلے چلے آتے ھیں ' میں نے یہ سنا ھے کہ ساری شورش کے بانی امیران صدہ ھیں - جو شخص بھی میری مخالفت کے لئے کھڑا ھوتا ھے اور میری دشمنی پر آمادہ ھوتا ھے اس کے پشتی پر یہی امیران صدہ ھوتے ھیں - میں تمہیں مالوے کا حاکم بنا کر بھیجتا ھوں - وھاں کے امیران صدہ کو تم جانتے ھی ھو - ان میں سے جس کسی کو شریر یا مفسد دیکھو اسے ضرور ھلاک کردینا - مالوے کو تم باغیوں سے پاک کردو گے تو پھر امید ھے کہ اور کام بھی کر سکوگے " -

عزیز اتراتا ہوا مالوے کی طرف چل دیا اور اپنے ہی جیسے اور بہت سے کم اصلوں اور کمینوں کو ساتھ لےکر دھار پہونچا - وہاں اس کو صلاح کار بھی اُسی جیسے ملے - ایک روز ان کے مشورے سے عزیز نے دھار کی نواح میں آسی (۸۰) امیران صدہ کو پکڑ بلایا - پہلے ان کو سخت سست کہا پھر ان پر دیو گڑھ کے امیران صدہ کی سازش کا الزام لگا کر ان کی گردنیں کٹوا دیں -

عزیز کو یہ خیال نہ آیا کہ اتنا بڑا قتل خالی نہ جائیگا - جگہہ جگہہ امیران صدہ میں ہل چل پڑ جائیگی - امیران صدہ لشکر میں بھی ہیں اگر وہ سب باغی ہوگئے تو کیا ہوگا ؟

دھار کے واقعے کی خبر دم کے دم میں چاروں طرف پھیل گئی - ہر طرف چرچے ہونے لگے - دیو گڑھ میں اور گجرات میں غل مچ گیا کہ اب امیران صدہ کی خیر نہیں - انہوں نے آپس میں مشورہ کرنا شروع کیا اور جتھے بنا بنا کر باغی ہو گئے - پھر کیا تھا ؟ سلطنت دلدل میں پھنس گئی اور بادشاہ خطروں میں گھر گیا - ع - اے بادصبا ایں ہمہ آوردۂ تست - یہ ساری مصیبتیں لائي ہوئی میاں عزیز کی تھیں - اسے بادشا کی نوازشوں پر بڑا زعم تھا - وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ میںنے بادشاہ کی بڑی خدمت کی ہے ' خاطر خواہ اس کے حکم کی تعمیل کی ہے' اسی گھمنڈ میں اس نے بادشاہ کو یہ واقعہ لکھ بھیجا - بادشاہ بھی انجام تک نہ پہونچا - عزیز نے غلطی کی تو بادشاہ نے آنکھیں بند کرکے اس کی طرفداري کی - گویا سلطنت کا وقار قائم رہ سکتا تھا تو اسی طریقے سے - چاہیے تو یہ تھا کہ سلطان عزیز کی طرفداری نہ کرتا - اس نے حکم کی تعمیل نہیں کی تھی - عدول حکمی کی تھی - نتیجہ یہ ہوا کہ مخالفتیں بڑھ گئیں - امیران صدہ کي خونریزی رنگ لائی - ان کے خون کے ایک ایک قطرے سے دشمن پیدا ہوگئے - بدامنی کا دور شروع ہوگیا - گجرات کا نائب وزیر مقبل نامی گجرات کا خزانہ اور اعلیٰ اعلیٰ قسم کے گھوڑے لئے دبھوی اور بڑودھ کے راستے دھلی جارھا تھا - وہاں کے امیران صدہ اس پر ٹوٹ پڑے' سارا خزانہ لوٹ کر اور گھوڑے چھین کر لے گئے - مقبل کے پاس قیمتی قیمتی تحفے تھے جنہیں گجرات کے سوداگروں نے بادشاہ کے لئے بھیجا تھا وہ بھی باغیوں نے چھین لئے - مقبل کے ساتھي منتشر ہوگئے ' وہ خود لٹ لٹا کر خالی ہاتھ نہروالے کی طرف چلا گیا - دبھوی اور بڑودھ کے امیران صدہ نے قوت حاصل

کولی تو فتنے فساد کی آگ دور دور بھڑکادی اور جتھے بنا بنا کر کھمبایت پر جاچڑھے' گجرات میں غدر مچ گیا -

اس غدر کا حال ضیاالدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی میں موجود ہے لیکن سفر نامے میں نہیں - وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے ہی ابن بطوطہ ھندوستان چھوڑ چکا تھا - وہ بائیس جنوری سنہ ۱۳۴۲ع کو سلطان محمد کی طرف سے سفیر بن کر چین روانہ ہوگیا تھا - پھر بھی اس نے قاضی جلال کی بغاوت کا حال لکھا ہے جس میں اس غدر کی طرف اور دکن اور گجرات کے فساد کی طرف اشارہ کیا ہے - قاضی جلال کی بغاوت کا حال ابن بطوطہ نے واپس آکر معبر میں سنا ہوگا -

ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ قاضی جلال پٹھان تھا اور پٹھانوں کی ایک جماعت کے ساتھ کھمبایت اور بھروچ کے پاس رہا کرتا تھا - جب بادشاہ نے اپنے اہلکاروں کو حکم دیا کہ پٹھانوں کو پکڑ لو تو ملک مقبل کے نام بھی جو وزیر کی طرف سے گجرات اور نہر والے میں نائب تھا یہ حکم بھیجا کہ قاضی جلال کو اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر لو......قاضی جلال کو خبر ہوگئی......وہ ملک مقبل کے مقابلے کے لئے تیار ہوگیا اور تین سو زرہ پوش سپاھی لے آیا - ملک مقبل ڈر گیا اور اس سے دو گزرا - اُس وقت قاضی جلال نے بغاوت کی - اور کھمبایت میں داخل ہوکر خزانہ لوٹ لیا - رعیت کو بھی لوٹا - ابن الکمولمی تاجر کو بھی نہ چھوڑا - قاضی جلال نے ملک مقبل کو بھی شکست دی اور ملک عزیز حمار کو بھی - اور پھر تو اس کا حوصلہ اتنا بڑھا کہ خود سلطنت کا دعویدار ہوگیا - بادشاہ نے اس کی طرف کئی لشکر بھیجے - آخر جوں توں کرکے شکست دی - اسی بغاوت کے دوران میں پٹھانوں کی بغاوت دولت آباد میں شروع ہوگئی جس کا سرغنہ اسمعیل مخ افغان تھا -

ابن بطوطہ کا بیان ادھورا ہے - لیکن اس سے ان واقعات کی تائید ہوتی ہے جنھیں ضیاالدین برنی نے تفصیل سے لکھا ہے - قاضی جلال کی بغاوت سے امیران صدہ کی شورشیں ثابت ہوتی ہیں اور گجرات کے اس غدر کا پتہ چلتا ہے جس نے سلطان محمد کو پریشان کر دیا - اس غدر کو دور کرنے کی غرض سے سلطان نے خود گجرات جانے کا ارادہ کرلیا - قتلغ خاں کو معلوم ہوا تو اس نے ضیاالدین برنی کی معرفت کہلا بھیجا - " جہاں پناہ - دبھوی اور بڑودھ کے

امیران صدہ کی کیا حقیقت ہے - حضور ان کے مقابلے پر کیوں جائیں ؟ مجھے اندیشہ ہے کہ حضور کے جانے سے ان کی شورش بڑھ نہ جائے - جم کر اعلی حضرت کا مقابلہ کرنے سے تو رہے - اِدھر اُدھر بھاگ جائیں گے - زمیندار وں کے پاس جاجا کر چھپ جائینگے - یا کہیں اور نکل جائیں گے - معاملہ بڑھ جائےگا - ناحق تل کا پہاڑ بن جائےگا - دوسرے علاقوں کے امیران صدہ بھی خوف کھاکر باغیوں سے جا ملیں گے - مناسب یہ ہے کہ جہاں پناہ - فدوی کو حکم دے دیں - فوج بھی چاہے نہ دیں - میرے پاس سرکار کی بخشی ہوئی دولت ابھی تک اتنی ہے کہ اسی سے ایک بڑا لشکر جمع کرلوں گا اسے لےکر میں دبھوئی اور بڑودھ جا چڑھوں گا - فساد کی سلگتی ہوئی آگ کو بجھادوں گا اور باغیوں کو گرفتار کرکے جہاں پناہ کے حضور میں لے آوں گا - سرکار کو یاد ہوگا کہ شہاب سلطانی اور علی شاہ - کر - دکن میں باغی ہوئے تھے تو میں نے بھی بیدر پہونچ کر ان کو بےدر کیا تھا - اور گرفتار کرکے مجرموں کی طرح دربار میں بھیج دیا تھا - بس اسی طرح میں گجرات کے باغیوں کو بھیج دوں گا - جہاں پناہ اپنے اس قدیمی نمک خوار کو اعزاز بخشیں اور اس پر بھروسہ کریں تو کہے دیتا ہوں کہ گجرات کی سر زمین فتنے فساد سے پاک ہو جائےگی اور وہاں امن قایم ہو جائےگا ''-

سلطان محمد نے قتلغ خاں کی بات نہ مانی - ضیاالدین برنی کے نزدیک اس نے بڑی غلطی کی - اگر مان لیتا تو ہلاکتوں سے بچ جاتا اور دکن میں بہمنی سلطنت قائم نہ ہونے پاتی لیکن سلطان کو قتلغ خاں سے بدگمانی ہوچکی تھی - اگر نہ ہوئی ہوتی تو وہ اس کو دولت آباد ہی سے کیوں ہٹاتا ؟ اب اس کو گجرات کی مہم پر بھیجنا بے عقلی تھی - دوسرا کوئی لایق اور بھروسے کا سردار ہوتا تو مضایقہ نہ تھا - لیکن اس بارے میں سلطان بڑا بدقسمت تھا - اس کو نہ تو اچھے سردار ملے تھے اور نہ بہادر اور جاں نثار سپہ سالار - اور نہ قابل مشیر - اس کا سب سے چہیتا اور بھروسے کا سردار ملک فیروز تھا - اسی کو وہ گجرات بھیجتا مگر نہ تو ملک فیروز میں جنگ کی قابلیتیں تھیں اور نہ اس کے اور سلطان محمد کے خیالات میں موافقت تھی - سلطان کو بڑی فکر اب یہی تھی کہ در و دیوار مخالف ہو رہے ہیں - اپنے پرائے ہوئے جاتے ہیں -

بنی کے وقت میں لاکھوں نثار ہوتے ہیں
بنی نہ بگڑے کہ دشمن ہزار ہوتے ہیں

غرض سلطان نے قتلغ خاں کے پیام کا جواب نہ دیا - اپنی ہی روانگی کی تیاری رہا - اور لشکر کی تیاری میں مصروف ہوگیا - معلوم ہوتا ہے کہ اُس فوج کے علاوہ جو پایہ تخت میں تھی بادشاہ نے دور دور سے فوجیں منگوائیں - تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے کہ " بادشاہ نے گجرات کے حاکم شیخ معزالدین کو تیس لاکھ تنکے نقد بھیجے اور فرمان جاری کیا کہ اس رقم سے دو تین روز میں سواروں کا ایک رسالہ تیار کرلو - اور جب ہم گجرات پہونچیں تو اس رسالے کو لےکر استقبال کو نکلنا اور پھر کمک کے لئے لشکر کے ساتھ ساتھ چلنا " - لشکر کی تیاری کے ساتھ ساتھ بادشاہ نے دھلی میں اپنی نیابت کا انتظام بھی کیا ملک فیروز اور ملک کبیر اور احمد ایاز کی ایک ریجنسی کونسل (Regency Council) یا مجلس نیابت بنائی - اور خود گجرات کی طرف روانہ ہوگیا - رمضان کا مہینہ تھا - بادشاہ روزے رکھ رہا تھا - روزوں ہی میں اس نے دھلی کو چھوڑا اور سفر اختیار کیا - اس سفر سے وہ زندہ نہ لوٹا - سات سال بعد مر کر آیا -

گجرات پہونچتے ہی وہ مصیبتوں میں گھر گیا - چھہ سات سال تک لڑتا رہا اور ادھر اودھر پھرتا پھرا - پایہ تخت میں اس کے واپس آنے کی امید بھی نہ رہی - سب کچھہ ہوا مگر ہندوستان میں بغاوت کا تو کیا ذکر سرکشی تک نہ ہونے پائی - یہ اس کی حسن تدبیر کا نتیجہ تھا - اس نے پہلے بادشاہوں کی طرح نیابت کا کام کسی ایک شخص کے حوالے نہیں کیا تھا - بلکہ تین معتبر آدمیوں کی ایک انتظامیہ کمیٹی بنا دی تھی - ایسا نہ کرتا تو بدنظمی کا اندیشہ تھا -

دھلی سے چل کر بادشاہ پندرہ کوس کے فاصلے پر سلطان پور کے شہر میں اترا - رمضان ختم ہونے میں تین چار روز باقی تھے - عید سے پہلے اس کو عزیز حمار کا وہ خط ملا جو اس نے دھار سے بھیجا تھا - لکھا تھا کہ " دیبوی اور بڑودھ کے امیران صدہ نے بہت سر اٹھا رکھا ہے - بغاوت کا جھنڈا بلند کر دیا ہے - میں اُن سے قریب ہوں - لشکر جمع کرکے ان کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوگیا ہوں " - اتنا پڑھتے ہی بادشاہ کا ماتھا ٹھنکا - دل میں کہنے لگا " عزیز جنگ کے طریقوں سے تو واقف ہے نہیں - لڑےگا کیا خاک ؟ ایسا نہ ہو کہ باغیوں کا شکار بن جائے " وہی ہوا - تھوڑی دیر کے بعد خبر ملی کہ عزیز مارا گیا - یہ سن کر بادشاہ گھبرا گیا - خیال آیا کہ یہ مصیبتیں شاید میرے ہی تشدد کی وجہ سے

نازل هو رهی هیں - پهر کچهہ سوچ کر ضیاالدین برنی کو بلایا - اسے اپنے دل کا حال سنایا اور پوچها کہ سزاؤں کے متعلق پہلے بادشاهوں کا کیا دستور تها ؟

سلطان محمد پہلے بادشاهوں کی تاریخ سے بے خبر نہ تها - مگر اس وقت تها بہت پریشان - جب ترددات کا هجوم هوتا هے اور اپنی عقل کام کرتی نظر نہیں آتی تو انسان دوسروں سے همدردی کی توقع کرنے لگتا هے - سلطان کا یہی حال تها - اس کو ضیاالدین برنی سے همدردی کی توقع تهی - اس لئے اس سے دل کی بات کہدی - ضیاالدین برنی موقع کی تلاش میں تها - موقع مل گیا تو تاریخ کسروی کا حوالہ دے کر کہنے لگا " بادشاہ سلامت آپ خونریزی بہت کرتے هیں - اگر آپ اس میں کمی نہیں کر سکتے تو بہتر هے کہ سلطنت کا انتظام کسی اور کے سپرد کر دیجئے " - اس جواب کا بادشاہ پر کچهہ اثر نہ هوا - گویا یہ بات اسے پہلے هی سے معلوم تهی - بولا "جمشید کا زمانہ اور تها ' میرا زمانہ اور هے ' میرے زمانے میں تو شریر اور سرکش آدمی اُبل پڑے هیں میں ان کو سزایں دیتا هوں اور ذرا سی نافرمانی پر بهی در گذر نہیں کرتا - میں جانتا هوں کہ یہ لوگ راہ راست پر آ جائیں اور سدهر جائیں - اگر نہ سدهریں گے تو ان کو مارتے مارتے میں خود هی مر جاؤں‌گا - دوسرا ایسا کون هے جو اس اڑے وقت میں میرا هاتهہ بٹائے - ایسا کون هے جس کے کندهوں پر میں سلطنت کا بوجهہ رکهہ دوں - میں جانتا هوں کہ سارا ملک اکٹها هی میرے خلاف هوگیا هے - میں نے اس ملک کے باشندوں پر کتنی دولت لٹائی - کیسا انہیں مالا مال کیا - افسوس ! آج بهرے ملک میں سے ایک بهی میرا سچا همدرد مخلص اور مددگار نہیں - خیر - اب مجهے بهی لوگوں کے مزاج سے آگاهی هوگئی هے - جانتا هوں کہ وہ سب میرے دشمن هیں - میرے مخالف هیں " -

اس تقریر کے ایک ایک لفظ سے ٹپکتا هے کہ سلطان محمد کا دل جلا هوا هے - اس کا خون کهول رها هے - اس کو اُن لوگوں کی بےوفائی کا جن پر وہ برابر احسان کرتا چلا آیا تها بہت صدمہ هے - سلطان کم ظرف نہ تها - وہ سب کے ساتهہ نیکیاں کرتا اور نیکیاں کرکے بهول جاتا - هر ایک پر احسان کرتا لیکن احسان کرکے کبهی نہ جتاتا - لوگوں نے بڑی احسان فراموشی کی - نیکیوں کے بدلے بدیاں کرنے لگے - سلطان کو سخت صدمہ پہونچا اور باتوں باتوں میں چند کلمے اس کی زبان سے نکل گئے -

عیدالفطر بادشاہ کو سلطان پور میں گزری - عید کے دوسرے دن ۱۳ فروری سنہ ۱۳۴۵ع کو وہاں سے روانہ ہوا اور نہر والے تک برابر سفر کرتا رہا - نہر والے سے کچھ فوج دبھوی اور بڑودے کے باغیوں کے مقابلے میں بھیجی - باغیوں کو مقابلے کی کہاں تاب تھی - فوج کو آتا دیکھا تو جانیں بچابچا کر دیو گڑھ کی طرف بھاگ گئے - بادشاہ نہر والے سے آگے بڑھا اور آبو پہاڑ سے ہوتا ہوا بھروچ جا پہونچا -

معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۳۴۵ع کے ستمبر یا اکتوبر میں بادشاہ بھروچ پہنچ گیا وہاں شاہی خیمہ نصب کر دیا گیا اور لشکر نے چھاونی ڈال دی - زیادہ سے زیادہ ایک مہینہ گزرا ہوگا کہ حاجی رجب مصر سے لوٹا اور اپنے ساتھ خلیفہ عباسی الحاکم ثانی کے سفیر شیخ رکن الدین کو لے کر بھروچ آیا - اس واقعے کی تاریخ رجب سنہ ۷۴۶ھ (نومبر سنہ ۱۳۴۵ع) بدر چاچ کے اس شعر سے نکلتی ہے -

ہم بتاریخ کہ ماہ و سال ہفتصد شد فزوں
زین سفر ماہ محرم سابق شعباں رسید

تاریخ فیروز شاہی سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے - جہاں اس میں یہ لکھا ہے کہ خلیفہ عباسی کا اجازت نامہ لے کر حاجی سعید صرصری سنہ ۷۴۴ھ میں آیا - وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ حاجی سعید کے آنے کے بعد سلطان محمد نے حاجی رجب کو خلیفہ کے پاس بھیجا اور حاجی رجب شیخ رکن الدین کو ساتھ لے کر دو سال بعد (سنہ ۷۴۶ ھ میں) لوٹا -

بھروچ میں بادشاہ کو خبر ملی کہ دبھوی اور بڑودھ کے باغی بچ بچا کر دیو گڑھ کی طرف بھاگ گئے ہیں - یہ سن کر بادشاہ سوچ میں پڑ گیا - دل ہی دل میں کہنے لگا - " خدایا - ان باغیوں پر کیوں کر قابو پاؤں ؟ " پھر فوراً ہی اس نے ملک مقبول نائب وزیر کو باغیوں کے تعاقب میں روانہ کیا - ملک مقبول نے دیو گڑھ کے پاس باغیوں کو جا گھیرا - ان کا مال اسباب لوٹ لیا - اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا - پھر بھی کچھ باغی بھاگ نکلے اور بگلانے کے حاکم مان دیو کے پاس جا پہونچے - اُس نے بجائے امان دینے کے انہیں گرفتار کر لیا - اور ان کا مال اسباب لوٹ لیا -

بادشاہ بھروچ میں ٹھہرا رہا - وہاں کی مالگذاری کئی سال سے وصول نہیں ہوئی تھی - اسے وصول کرنے میں مصروف ہو گیا - روپیہ آسانی سے

وصول نہ ہوا تو سختی سے کام لیا - یہ سختی امیران صدہ پر ہوئی - فرشتہ نے لکھا ہے کہ باغیوں اور فسادیوں کو بادشاہ نے چن چن کر قتل کیا - مگر فتنے کی آگ قتل کے ساتھ بھڑکتی چلی گئی - بادشاہ تنگ آ گیا - سب باغیوں اور مفسدوں کا جھگڑا ایک دم ہی مٹا دینے کی ٹھان لی - دیو گڑھ سے ملک مقبول کو بھروچ بلایا اور باغیوں کا سر کچلنے اور انھیں نیست و نابود کرنے پر مامور کر دیا - ملک مقبول کے سامنے عزیز حمار کی مثال موجود تھی - کچھ سوچ کر اس نے عزیز کا سا طریقہ اختیار کیا - پہلے تو بھروچ کے بڑے بڑے امیروں کو گرفتار کر لیا - پھر ایک ہی وار میں ان سب کو قتل کر دیا - ابھی دھار کی خونریزی کو لوگ بھولے نہ تھے اور عزیز حمار کی بےرحمی ان کے دلوں سے دور نہیں ہوئی تھی کہ بھروچ کی ایک اور خونریزی ہوگئی - وہ امیران صدہ کا پہلا قتل تھا - یہ ان کا دوسرا قتل ہوگیا ' مگر اس پر بھی امیران صدہ کا خاتمہ نہ ہوا بہت سے بچ نکلے - کچھ تو دیو گڑھ کی طرف بھاگ گئے اور کچھ گجرات کے زمینداروں ' چودھریوں اور پٹھانوں سے جا ملے -

بادشاہ کو بھروچ میں ساتھ آٹھ مہینے گزر گئے اور وہ برابر بغاوتوں کے مٹانے میں لگا رہا لیکن بغاوتیں کسی عنوان نہ مٹیں - مٹنا کیسا دیو گڑھ سے لے کر گجرات تک پھیل گئیں - سنہ ۷۴۶ ھ کا سارا سال اسی حالت میں ختم ہوگیا - سنہ ۷۴۷ ھ کا نیا سال شروع ہوا تو بادشاہ نے زین بندے اور رکن تھانیسری کے منجھلے بیٹے کو باغیوں کے تعاقب میں دیو گڑھ روانہ کیا - روانہ کر چکا تو خیال آیا کہ ان باغی امیران صدہ کو اور ان کے کل ساتھیوں کو اپنے ہی سامنے بلا کر قتل کرنا چاہئے - یہ سوچ کر امیر خسرو کے عزیز ملک علی سرجامہ‌دار اور ملک لاچین کو قتلغ خاں کے بھائی عالم‌الملک کے پاس بھیجا اور اس کے نام یہ فرمان لکھا " دولت‌آباد کے بڑے بڑے امیران صدہ کو پکڑ کر ملک علی سرجامدار اور ملک لاچین کے ہمراہ ہمارے پاس بھیج دو اور ان کے ساتھ ڈیڑھ ڈیڑھ ہزار سواروں کی فوج بھی کر دینا - عالم‌الملک نے رایچور ' مدگل ' گلبرگہ ' بیجا پور ' گلنجوتی ' ایباغ ' کلہر ' ہیکری اور براز وغیرہ کے امیران صدہ کو دولت‌آباد میں بلایا ' لیکن بادشاہ کی سختیاں سنتے ہی وہ ٹھٹھک گئے - دولت‌آباد تک جانے میں پس و پیش کرنے لگے - عالم‌الملک نے ملک علی

سرجامدار اور ملک لاچین کو تیرہ ہزار سوار دے کر مال گذاری وصول کرنے کے نام سے دولت‌آباد کے علاقے میں بھیجا - ان دونوں نے امیران صدہ کے سرداروں کو یعنی نصیرالدین تعلجی ' حسام الدین ' اسمعیل مخ اور حسن گنگو کو جو گلبرگہ میں جمع ہو رہے تھے گرفتار کرکے دولت‌آباد بھیج دیا - وہاں سے ان سب کو عالم‌الملک نے بادشاہ کے پاس بھروچ روانہ کر دیا - راستے میں وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے " بادشاہ نے ہم کو کیوں بلایا ہے ؟ معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں قتل کرنا چاہتا ہے - قتل ہونا ہي ہے تو پھر بکریوں کي طرح عاجزی سے کیوں قتل ہوں ؟ چاہیے کہ لوٹ چلیں اور بغاوت کا جھنڈا بلند کر دیں " - یہ طے کرکے وہ شاہی افسروں پر ٹوٹ پڑے - ملک احمد لاچین کو مار گرایا اور اس کا مال اسباب لوٹ لیا - ملک علی سرجامدار نے یہ ہنگامہ دیکھا تو اُلٹے پیروں بھاگا - امیران صدہ کا حوصلہ بڑھ گیا - ان کے قدم دولت‌آباد کی طرف بڑھے اور انہوں نے قلع کا محاصرہ کر لیا - دولت‌آباد پر ان کا قبضہ ہوگیا اور عالم‌الملک ان کے پنجے میں آ گیا - اُس کی پہلی نیکیاں یاد کرکے امیران صدہ نے عالم‌الملک کی تو جان بخشي کر دی مگر اور شاہی افسروں کو قتل کر ڈالا ' اور دولت آباد کا خزانہ آپس میں تقسیم کر لیا - پھر ملک مل افغان کے بھائی ملک مخ افغان کو اپنا سردار بنا لیا - مخ افغان خود بھی دیوگڑھ کے امیران صدہ میں سے تھا - غرض امیران صدہ نے سارے مہاراشٹر پر قبضہ کرکے اپنی حکومت جما لی - پھر اسے کئی حصوں میں تقسیم کر دیا - ایک ایک حصہ ایک ایک امیر کے ہاتھ آیا - امیران صدہ کا ستارہ عروج پر دیکھا اور ان کی طوطی بولتے سنی تو اس نواح کے اور مفسد بھی ان کے ساتھ ہوگئے - دبھوئی اور بڑودہ کے امیران صدہ رانا مان دیو کی قید میں تھے - اب وہ چھوٹ گئے - اور دیوگڑہ کے باغیوں سے آ ملے - اس طرح دیوگڑہ اور اس کی نواح پر باغیوں کا قبضہ ہوگیا - یہ واقعہ سنہ ۱۳۴۶-۴۷ع میں ہوا -

تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے کہ اس واقعے کی وحشتناک خبر جونہی سلطان محمد نے سنی وہ لشکر لے کر چلا اور دیو گڑہ پر جا چڑھا - باغیوں نے مقابلہ کیا ' لیکن ان میں سے ایک بھی نہ ٹھہر سکا - اسمعیل افغان ان کا سرغنہ تھا - وہ بھی شکست کھا کر بھاگا اور دولت‌آباد کے قلعے میں جا بیٹھا - وہ امیران صدہ جو تلوار سے بچ نکلے تھے بھاگے - کچھ تو اسی قلعے میں آگئے اور کچھ اپنے اپنے علاقوں میں جا چھپے - بھاگنے والوں

میں حسن گنگو بھی تھا اور مغ افغان کے رشتہ دار بھی - تاریخ فرشتہ میں ہے کہ اس وحشت ناک خبر کو بادشاہ نے بھروچ میں سنا ' سنتے ہی وہاں سے چل پڑا اور اس تیزی سے چلا کہ اسی سال دولت آباد جا پہونچا - دولت آباد کے امیران صدہ لڑائی پر تلے ہوئے تھے - وہ ایسا جی توڑ کر اور جان چھوڑ کر لڑے کہ شاہی لشکر کا میمنہ اور میسرہ درہم برہم ہوگیا - قریب تھا کہ بادشاہ زخمی ہو جائے ' یکایک امیران صدہ کا ایک بڑا سردار قتل ہو گیا اور اس کے رسالے کے چار ہزار سوار بھاگ نکلے - رات ہوگئی تھی - اندھیرے میں انہیں ایک دوسرے کی خبر نہ رہی - پھر بھی وہ ایک جگہ اکٹھے ہوگئے ' اور آپس میں مشورہ کرکے یہ طے کیا کہ اسمعیل مغ اپنے ساتھیوں کو لےکر دولت آباد کے قلعے میں ہو بیٹھے - باقی امیر گلبرگہ چلے جائیں - وہاں اپنی اپنی جاگیروں کی دیکھ بھال کریں - جب بادشاہ دکن سے چلا جائے تو پھر سب امیر دولت آباد میں جمع ہو جائیں اور اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو جائیں - اس فیصلے کے مطابق اسمعیل مغ اپنے ساتھیوں کو لے کر دولت آباد کے قلعے میں داخل ہو گیا - وہاں غلہ خوب بھرا ہوا تھا اور سب ضروری چیزیں بھی موجود تھیں - باقی امیر اپنی اپنی جاگیروں میں چلے گئے -

ضیاالدین برنی نے لکھا ہے کہ دیو گڑہ کی یہ بغاوت عام تھی - جس میں ہندو مسلمان دونوں شریک تھے - شکست ہوگئی تو دونوں ہی کو نقصان پہونچا - شاہی فوجوں نے باغیوں کو لوٹ لیا - مگر بادشاہ نے کسی قسم کی زیادتی روا نہ رکھی - وہ صرف سرغنوں کو گرفتار کرنا چاہتا تھا جو ہر معرکے سے بچ کر نکل بھاگتے تھے - اب کے بھی جب بادشاہ نے دولت آباد کا سختی سے محاصرہ کیا تو سرغنے بھاگ نکلے - ان میں کچھ تو بیدر کے باغی تھے ' کچھ اسمعیل مغ کے بھائی بند تھے - ان ہی کے ساتھ حسن گنگو تھا - یہ سب دولت آباد سے بھاگ کر گلبرگہ پہونچے - سلطان محمد نے عمادالملک سرتیز کو ایلچپور سے بلایا اور فوج دے کر ان باغیوں کے تعاقب میں گلبرگہ کی طرف روانہ کیا اور اسی وقت دہلی کے مسلمانوں کو واپس دہلی بھیجدیا - ساتھ ہی ملک فیروز کے اور احمدآباد کے نام فتح نامے بھیجے - جن کے پہونچتے ہی دہلی میں فتح کا اعلان کردیا گیا اور خوشیاں منائی جانے لگیں -

بادشاہ دیوگڑھ میں ٹھہرا رہا - اور دھاراگڑھ کے قلعے کوجس پر باغیوں نے قبضہ کر لیا تھا فتح کرنے کی ٹھان لی - دھاراگڑھ کے سامنے فرجوں کے پرے جم گئے - اور لڑائی چھڑ گئی - روزآنہ جنگ ہوتی اور قلعے کے اندر اور باہر خون کی ندیاں بہتیں - اسی طرح تین مہینے گزر گئے - اتنے میں گجرات سے یہ خبر آئی کہ طاغی باغی ہوگیا - یہ بھی معلوم ہوا کہ طاغی گجرات کے امیران صدہ سے اور زمینداروں سے سازش کرکے نہروالہ جا پہونچا ہے -

طاغی کا باپ صفدرالملک اور خواجہ جہاں احمدایاز کا غلام تھا اور ذات کا موچی تھا - اس نے گجرات کے زمینداروں اور اہلکاروں سے ساز باز کر کے ملک مظفر کا مال لوٹ لیا اور اسے قتل کر ڈالا - پھر اپنے ساتھیوں کو لے کر کھمبایت جا پہونچا - وہاں خوب لوٹ مار کی - اس کی جماعت میں ہندو مسلمان دونوں شامل تھے - ان سب کو لے کر وہ کھمبایت سے نکلا تو بھروچ چلا گیا اور قلعے کا محاصرہ کر لیا - بادشاہ نے یہ خبریں سنیں تو خداوند زادہ قوام‌الدین شیخ برہان‌الدین اور ملک جوہر کو کچھ فوج دے کر دیو گڑھ میں اپنا نائب بنایا اور عمادالملک سرتیز کو ان امیران صدہ کے تعاقب میں دوڑایا جو دیو گڑھ سے بھاگ کر بیدر کی طرف چلے گئے تھے - پھر خود جلد جلد بھروچ کی جانب چلا -

سلطان محمد اب چاروں طرف سے دشمنوں میں گھر گیا تھا - ہر طرف مخالفتیں کھڑی ہو رہی تھیں ' شورشیں مچ رہی تھیں ' قحط بھی پڑ رہا تھا ' اس پر طرّہ یہ کہ لشکر میں بے چینی پھیلنے لگی تھی - ایسی حالت میں وہ دیو گڑھ سے بھروچ کی طرف روانہ ہوا - دو ایک منزل چلا تھا کہ ضیاالدین برنی نمودار ہو گیا - وہ دہلی سے ملک کبیر اور ملک فیروز کے پیغام لے کر دیو گڑھ کی فتح پر ان دونوں کی طرف سے مبارکباد دینے آیا تھا - ضیاالدین برنی کا قول ہے کہ بادشاہ نے مجھ پر بڑی نوازش کی - کیا نوازش کی ؟ اور ضیاالدین برنی کو کیا دیا ؟ کچھ پتہ نہیں چلتا - معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ ضیاالدین برنی کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آیا - کچھ دیا دلایا نہیں - ورنہ شاہی عطیوں کو ضیاالدین برنی چھپانے والا نہ تھا - تاریخ میں ان کا ذکر آہی جاتا ہے - اور دینے دلانے کا موقع ہی نہ تھا - بادشاہ تو فکروں میں ڈوبا ہوا تھا - اس کا دل پھوڑا ہو رہا تھا - برنی کو دیکھتے ہی بولا " ضیاالدین - تم دیکھتے ہو یہ حرام خوار امیران صدہ کیسے

جری هو گئے هیں ؟ ان کی همتیں کتنی بڑھ گئی هیں - فساد برپا کرنے پر دیکھو - یہ لوگ بےطرح تلے هوئے هیں - میں جوں توں کرکے ایک طرف کی شورشیں دفع کرتا هوں تو جھٹ دوسری طرف سے نئی شورشیں پیدا کر دیتے هیں - میں سوچتا هوں کہ دیو گڑھ ' گجرات اور بھروچ کے کل امیران صدہ کو ایک دم هی قتل کرا دیتا تو شاید ان پریشانیوں سے بچ جاتا - طاقی نمک حرام تو میرا غلام ہے - میں چاهتا تو کچھ بات نہ تھی اس کا نام نشان بھی نہ چھوڑتا - چاهتا جلا وطن کر دیتا اور چاهتا تو شاہ عدن کے حوالے کر دیتا - دیکھو! اس وقت وہ مجھے کیسا پریشان کر رہا ہے " -

بادشاہ کی یہ باتیں ضیاالدین برنی سنتا رہا ' اور اندر ہی اندر جلتا رہا - اس کا دل سلطان سے صاف نہ تھا اور وہ اُس کے غصے سے ڈرتا تھا ورنہ پھر کہہ دیتا کہ آپ سے اب سلطنت نہیں هوسکتی - کسی اور کو سونپ دیجئے - یہ بات ضیاالدین برنی پہلے بھی کہہ چکا تھا - اب کے وہ خاموش رہا اور بادشاہ کی بات کا جواب بھی نہ دیا -

بادشاہ بھروچ کی طرف تیزی سے بڑھتا رہا - یہاں تک کہ وہاں بھروچ جا پہونچا اور دریائے نربدا کے کنارے اپنا ڈیرہ ڈال دیا - طاقی لٹیروں کو اپنے ساتھ لئے بھروچ میں پھر رہا تھا - اسے سلطان کی خبر ملی تو بھروچ سے کھمبایت کی طرف بھاگ گیا - بادشاہ نے ملک یوسف بغرا کو اس کے تعاقب میں دوڑایا - یوسف بغرا نے کھمبایت کے قریب اسے جالیا - وہاں دونوں میں جنگ ہوئی ' لیکن ملک یوسف مارا گیا اس کے ساتھی بھی مارے گئے - جو باقی بچے وہ بھاگ کر بادشاہ کے پاس آئے - بادشاہ پیچ و تاب کھاتا کھمبایت کی طرف چلا - طاقی کھمبایت سے بھاگ کر اساول چلا گیا - بادشاہ بھی کھمبایت سے نکل کر اساول کی طرف چلنے لگا - طاقی کو یہ خبر لگی کہ بادشاہ تعاقب میں اساول کی طرف آ رہا ہے تو اُس نے اساول کو چھوڑ نہر والے کا رخ کر لیا - بادشاہ اساول هی کی سمت بڑھتا رہا ' اور وہاں پہونچا تو بارش شروع ہو گئی اور مہینہ بھر تک ہوتی رہی - بادشاہ ٹھہرا رہا - اتنے میں خبر ملی کہ طاقی نہر والے سے اساول کو لوٹ آیا ہے - اور اساول کی گڑھی میں ڈیرہ ڈالے جنگ کی تیاریاں کر رہا ہے - یہ سنتے ہی بادشاہ گڑھی کی طرف روانہ ہوا - اس وقت تک بارش کا سلسلہ جاری تھا مگر بادشاہ نے ذرا بھی پرواہ نہ کی ' برستے ہی میں چل پڑا - گڑھی پہونچا

اور طافی کو جا لیا - وہ مقابلے پر آمادہ ہوگیا - لڑائی ٹھن گئی - طافی نے خوب شراب پی اور اپنے ساتھیوں کو بھی پلائی - شراب سے مست ہو ہو کر وہ اور اس کے ساتھی جی توڑ کر لڑے مگر شاہی ہاتھیوں سے وُر نہ ہو سکے - شکست کھا کر نہروالہ کی سمت بھاگ گئے کوئی پانچ سو آدمی پیچھے رہ گئے تھے وہ گرفتار ہوئے اور قتل کئے گئے -

طافی بھاگ گیا - بادشاہ نے ملک یوسف بغرا کے بیٹے کو فوج دے کر اُس کے تعاقب میں نہر والے دوڑایا - چلتے چلتے رات ہو گئی تو یوسف بغرا کا بیٹا راستے میں ٹھہر گیا - طافی بہت تیزی سے چلتا رہا - راتوں رات نہر والے پہونچا اور وہاں سے اپنا کل سامان لے کر پھر روانہ ہوا اور کچھ، ہوتا ہوا کنتھ کی طرف نکل گیا - وہاں چند روز ٹھہرا پھر کرنال کا رخ کیا - کرنال کے راجہ سے اُس نے ساز باز کرلی اور اسی کی مدد سے ٹھٹھے اور دمریلے کی طرف چلا گیا -

پیچھے سے بادشاہ خود بھی روانہ ہو کر نہروالہ پہونچا - لیکن اُس کے پہونچنے سے تین روز پہلے ہی طافی نہر والہ چھوڑ چکا تھا - بادشاہ وہیں ٹھہر گیا اور وہاں اس نے ایک دربار کیا جس میں اس طرف کے سب سردار اور اہلکار حاضر ہوئے - منڈل اور تیرھی کا رانا بھی آیا - طافی کے بعض ساتھیوں کو جو اس کے علاقے میں آگئے تھے رانا نے قتل کر دیا تھا - ان کے سر اسے نے بادشاہ کے دربار میں حاضر کئے - بادشاہ بہت خوش ہوا ' اور رانا کو بہت سا انعام دیا -

ابھی بادشاہ نہروالہ میں دربار کر رہا تھا کہ دیوگڑہ سے یہ خبر آئی کہ دکن کے امیران صدہ جنھیں پہلے شاہی فوجوں نے پسپا کر دیا تھا اب پھر مستعد ہوگئے ہیں - حسن گنگو کو اپنا سردار بنا لیا ہے اور عمادالملک مشہر سلطان کو انہوں نے قتل کر دیا ہے - باقی افسروں کو خداوند زادہ قوام الدین اور ملک جوہر وغیرہ کو انہوں نے مالوے کی طرف نکال دیا ہے - حسن گنگو نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا ہے اور اس نے سلطان علاءالدین کا لقب اختیار کر لیا ہے - اِدھر اُدھر کے باغی جو اب تک بادشاہ کے خوف سے چھپتے پھرتے تھے بےباکی کے ساتھ حسن گنگو سے جا ملے ہیں -

یہ سنتے ہی بادشاہ کے پیروں سے زمین نکل گئی - اس کے چہرے پر زردی سی چھا گئی - مگر اس نے ہمت نہ ہاری - سوچا کہ یہ ساری شورش

جو مسلسل چلی آتی ہے اُس سیاست کی وجہ سے ہے جو میں نے نہر والے میں چند روز تھہر کر کی ہے - یہ سوچ کر اس نے سیاست سے ہاتھ اُٹھا لیا - یہ ضیاالدین برنی کا بیان ہے - یہی اس کا مشورہ تھا - بادشاہ نے اس پر بھی عمل کر لیا - سزایں دینی چھوڑ دیں -

لیکن ہمارے نزدیک بادشاہ نے مصلحتاً اس وقت ایسا اعلان کر دیا - دراصل پہلے کی سی خونریزی اب نہ کرتا تھا - بغاوتوں کے دوران میں جب کہ وہ خود مارا مارا پھر رہا تھا اور دشمنوں کے نرغے میں گھرا ہوا تھا پہلے کی سی سیاست - سختی اور خونریزی کا موقع بھی کیا تھا ؟ پریشانیاں بڑھ رہی تھیں - اُس وقت بادشاہ نے ضیاالدین برنی کو بلایا اور اپنے دل کا حال اُس سے یوں کہا " میری سلطنت کو طرح طرح کے روگ لگ گئے ہیں - جب کسی ایک روگ کا میں علاج کرتا ہوں اور وہ ذرا گھٹنا شروع ہوتا ہے تو دوسرا روگ زور پکڑ جاتا ہے - تم نے تاریخ کی بہت سی کتابیں پڑھی ہیں - تمہارا کیا خیال ہے ؟ مجھے کیا کرنا چاہیے ؟ " ضیاالدین برنی نے جواب دیا " میں نے تاریخ کی کسی کتاب میں پڑھا ہے کہ جب بادشاہ سے رعایا متنفر ہو جائے اور بغاوتیں شروع ہو جائیں تو اُس وقت بادشاہ کو چاہیے کہ اپنے بیٹوں اور بھائیوں میں سے جس کسی کو قابل دیکھے اپنا قائم مقام بنا دے اور بادشاہت کسی دوسرے کے حوالے نہ کر سکے تو کم سے کم ان باتوں کو چھوڑ دے جن کی وجہ سے رعایا کے دل میں نفرت پیدا ہوگئی ہے " - بادشاہ نے کہا " میرا ایسا کوئی بیٹا نہیں جو میرا قائم مقام بن سکے ' رہ گئی سیاست تو وہ میں چھوڑونگا نہیں - جو ہونا ہوگا ہو کر رہیگا " -

یہ کہہ کر بادشاہ دیو گڑھ کا فساد دور کرنے کی فکر کرنے لگا - ملک فیروز ' خواجہ جہاں ' ملک غزنیں ' اور صدر جہاں وغیرہ کو اور ملک افیعہ مع فوجوں کے دھلی سے طلب کیا - لیکن جب تک وہ دھلی سے آئیں دکن سے یہ خبریں آنے لگیں کہ حسن گنگو کے گرد بڑی جمیعت ہوگئی ہے اور اس کی طاقت بڑھتی ہی چلی جاتی ہے - حالات دگر گوں دیکھی تو بادشاہ کی رائے بدل گئی - وہ دھلی کے سرداروں کو بلا چکا تھا لیکن انہیں بلا کر اب حسن گنگو کے خلاف بھیجنا مناسب نہ سمجھا - اندیشہ تھا کہ وہاں پہونچ کر اُن میں نفاق نہ ہو جائے اور وہ دشمنوں سے ساز باز نہ کر لیں ' اور مغلوب نہ ہو جائیں - اس لئے بادشاہ نے بڑھ کر پہلے گجرات کی مہم کو سر کرنے کا

ارادہ کر لیا - سوچا کہ اب تو سارا لشکر گجرات میں لگادوں ' یہاں کامیابی ہوگئی تو پھر خود ہی جاکر حسن گنگو کی خبر لونگا -

اس کا یہ خیال ایک حد تک درست تھا - سرداروں میں سے ایک بھی ایسا باقی نہ رہا جو بادشاہ کی جگہہ کام کرسکتا - جو بادشاہ کے بغیر دشمنوں کے مقابلے پر جما رہتا - سارے لشکر کو یکسو کرکے لڑاتا اور رن جیت لیتا - یہ فکریں سلطان محمد کو کھائے جاتی تھیں - یہی فکریں اس کو دبھوئی اور بڑودہ کے امیران صدہ کی بغاوت کے وقت درپیش تھیں - اُس وقت بھی اُس نے خود ہی اُن کے مقابلے پر جانے کا ارادہ کیا تھا - اگرچہ قتلغ خاں گجرات کی مہم پر جانے کے لئے تیار تھا لیکن بادشاہ نے اُسے نہ بھیجا - یہ اس کی غلطی بتائی جاتی ہے - مگر اس واقعے سے ظاہر ہے کہ سلطان کو اپنے سرداروں پر بھروسا نہ تھا -

غرض بادشاہ گجرات کی مہم میں ہمہ تن مصروف ہوگیا - یہ بڑا دشوار کام تھا - عرصہ لگ گیا - فرشتہ نے لکھا ہے کہ دو سال صرف ہوگئے - ضیاالدین برنی نے لکھا ہے کہ تین برساتیں متواتر گزریں - پہلی برسات منڈل اور تھری میں گزری - اس اثنا میں بادشاہ گجرات کے علاقوں کی اصلاح میں اور لشکر کی درستی میں برابر مشغول رہا - دوسری برسات قلعہ کرنال کے قریب گزری - کرنال کا راجہ خود سر ہو چلا تھا - شاہی فوجوں کو دیکھہ کر خایف ہوگیا - چاہا کہ طاقی کو پکڑ کے بادشاہ کے حوالے کر دے - مگر ممکن نہ ہوا - طاقی کرنال سے بھاگ کر تھٹھے جا پہونچا - وہاں اس نے جام کے پاس پناہ لی - بادشاہ نے کرنال پر پورا قبضہ کر لیا اور بھروسے کے نئے نئے حاکم مقرر کئے - انہیں میں ایک ہندو اہلکار مہتہ نامی महत्तव تھا - جسے بادشاہ نے گرنار کا متصرف مقرر کیا - تیسری برسات بادشاہ کو کونڈل میں گزری ' لیکن کونڈل پہونچنے بھی نہ پایا تھا کہ دہلی سے ملک کبیر کی سنانی آئی - بادشاہ کو ملک کبیر کی موت کا بڑا صدمہ ہوا ترددات میں گھر گیا - دہلی کے متعلق نئی نئی فکریں پیدا ہوگئیں اور پایہ تخت کا انتظام درہم برہم ہو جانے کا اندیشہ ہوگیا - اسی سبب اُس نے احمد ایاز اور ملک مقبول کی جدائی گوارا کرلی اور اُن دونوں کو دہلی بھیج دیا -

بادشاہ نے ہجری سنہ ۷۵۰ اور عیسوی سنہ ۱۳۴۹ کی پوری برسات کونڈل میں گزاری - اس کی صحت میں پہلے ہی فتور آ گیا تھا - وہاں

باب بہشت کا مقبرہ
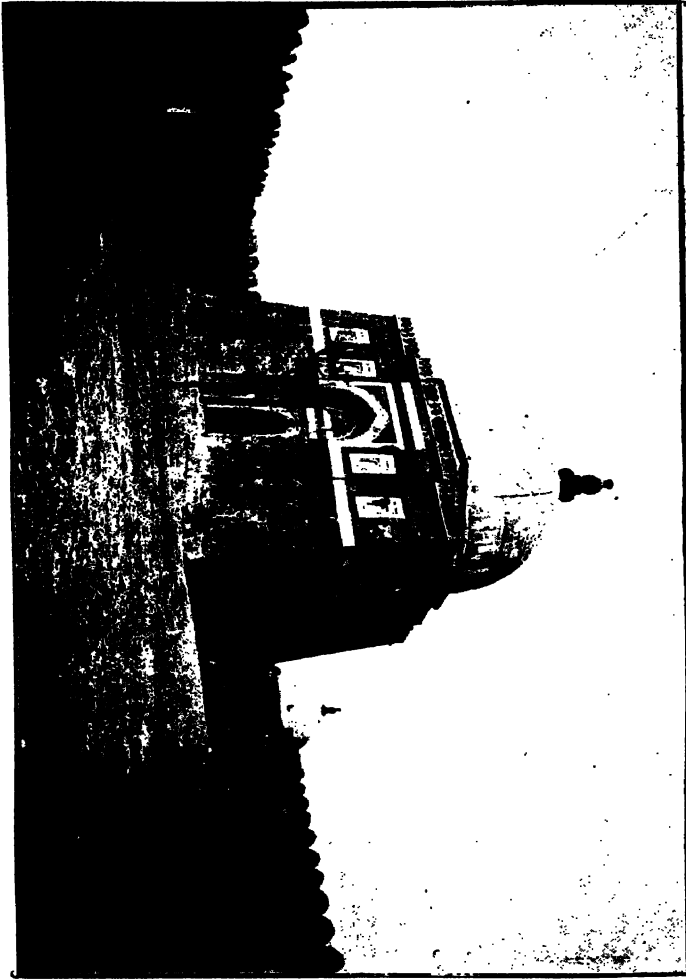
رفتہ رفتہ مرض بڑھ گیا - اس وقت اسے مددگاروں کی ضرورت ہوئی اور طاغی کی سرکوبی کے لئے فوجوں کی اور ضرورت پڑی تو اس نے دہلی کے بعض سرداروں ' عالموں ' اور صوفیوں کے نام حکم بھیج کر انہیں کونڈل میں طلب کیا - سرداروں سے اس بات کی خواہش کی کہ اپنی اپنی فوجیں لےکر آئیں - اسی وقت بادشاہ نے دیپالپور ' ملتان ' اچھ اور سیستان سے کشتیاں منگوائیں -

سرداروں ' فوجوں ' اور کشتیوں کا بلانا تو سمجھ میں آتا ہے اور موقعے محل کے مناسب معلوم ہوتا ہے ' لیکن بادشاہ نے عالموں اور صوفیوں کو کونڈل میں کیوں بلایا ؟ ایسے وقت میں اُن سے کیا مطلب نکل سکتا تھا ؟ وجہ یہ تھی کہ سلطان محمد کو علمی مذاکروں اور مباحثوں کا بڑا شوق تھا اور باعمل عالموں اور خدا رس صوفیوں سے بہت اُنس تھا - ان سب کا ساتھ عرصے سے چھوٹ گیا تھا - وہ چاہتا تھا کہ انہیں پھر اپنی صحبت میں رکھے اور خاص خاص خدمتیں اُن ہی کے سپرد کرے -

غرض جن جن کو بلایا تھا وہ سب کونڈل ہی میں آ گئے - وہیں فوجیں بھی آگئیں اور کشتیاں بھی - وہیں فرغانے سے بھی کمک آئی - التون بہادر چار پانچ ہزار مغلوں کی فوج لےکر حاضر ہوگیا ' اس وقت بادشاہ کے دل کو قرار سا ہوا - طبیعت بھی سنبھل گئی - اب اس نے روانگی کا ارادہ کیا - لشکر کو لےکر بڑے ساز و سامان کے ساتھ کونڈل سے روانہ ہوا اور دریائے سندھ کو عبور کرکے ٹھٹھے کی طرف چلا -

مقصد اس سفر کا طاغی کو گرفتار کرنا تھا - کیوں‌کہ وہ ٹھٹھے کے سُمیروں کے پاس جا پہونچا تھا - فرشتہ نے لکھا ہے کہ سمیروں نے طاغی کو پناہ دےکر اپنے علاقے میں چھپا لیا تھا - بادشاہ کا سر کچلنے اور طاغی کو گرفتار کرنے کی غرض سے ٹھٹھے کی طرف روانہ ہوا ' لیکن ابھی ٹھٹھے سے تین کوس پر تھا کہ محرم کی دسویں تاریخ آگئی - سلطان کی صحت تو خراب تھی ہی - اس پر سفر کی تکلیفیں اور بے احتیاطیاں - دسویں محرم کو اس نے روزہ رکھا - شام کو افطار کے بعد کچھ مچھلی کھائی - مچھلی بھائی بہت تھی بے اعتدالی ہوگئی - بخار نے آ دبایا - لیکن اُس نے پرواہ بھی نہ کی - بخار ہی کی حالت میں کشتی پر سوار ہوگیا اور سفر جاری رکھا - جب ٹھٹھہ چودہ کوس رہ گیا تو ذرا قیام کرنے کی غرض سے ایک منزل پر اترا - وہاں سے آگے بڑھنا اس کے نصیب میں

سلطان محمد کی سلطنت آخر میں

نہ تھا - حالت بگڑنے لگی - اکیسویں [۱] محرم کو دم دیا - مرتے وقت بڑی بے چینی اور بے قراری تھی - اُسی کرب میں سلطان نے یہ شعر کہے :—

بسے دریں جہاں چمیدیم — بسیار نعیم و نار دیدیم
اسپان بلند بر نشتیم — ترکان گران بہا خریدیم
کردیم بسے نشاط آخر — چوں قامت ماہ نو خمیدیم

ہم نے اس جہاں کی خوب سیر کی - اور باغ عالم کی بہت سی نعمتیں دیکھیں اور تکلیفیں اٹھائیں - اونچے اونچے گھوڑوں پر ہم بیٹھے - اور قیمتی قیمتی غلام ہم نے خریدے - زندگی کے لطف بھی حاصل کئے - آخر پہلی رات کے چاند کی طرح ہماری کمر جھک گئی -

---

[۱] سلطان محمد کی وفات ہجری ۷۵۲ کی اکیسویں محرم اور عیسوی ۱۳۵۱ کی بیسویں مارچ کو ہوئی -

پانچواں باب

پانچواں باب

سیرت

ضیاالدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں سلطان محمد کی سیرت رہ رہ کر بیان کی ہے - اس کا حال چار دفعہ متواتر لکھا ہے مگر تھوڑا تھوڑا سا - ہم نے چاروں عبارتوں کو جمع کر کے ایک ساتھ مطالعہ کیا اور ایک عبارت کا دوسری عبارت سے مقابلہ کیا تو ضیاالدین برنی کا یہ قول نظر آیا - " سلطان محمد غیر معمولی شخصیت رکھتا تھا' اس میں حیرت انگیز صفتیں جمع تھیں جن کو سمجھنے سے میں قاصر رہا [۱] - اس کا حوصلہ بے نظیر تھا ' اس کی رگ رگ میں سرداری اور جہانگیری کی اُمنگیں بھری ہوئی تھیں ' اس کے رونگٹے رونگٹے سے دنیا کے بڑے بڑے اور عظیم الشان بادشاہوں کی شان ٹپکتی تھی - ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جب تک وہ ساری دنیا کو فتح نہ کر لے گا اور تمام آدمیوں ہی کو نہیں بلکہ جنوں کو بھی قابو میں نہ لے آئے گا اُس وقت تک اُسے چین نہ آئے گا - لڑکپن ہی میں حضرت سلیمان اور سکندر اعظم کی طرح سلطنت کرنے کی آرزو اُس کے دل میں پیدا ہوگئی تھی اور اچھی باتوں کی طرف اس کا رجحان ہو گیا تھا - سمجھ بلا کی تھی ' عقل بڑی تیز تھی ' طبیعت بہت بردبار اور حلیم تھی - فوج کشی کے اُصول اور فتح یابی کے طریقے اسے خوب یاد تھے - اسی زمانے میں کمال حاصل کرنے کی آرزوئیں اور یکتا و بے ہمتا بننے کی خواہشیں اُس کے دل میں پیدا ہوگئیں - چاہتا تھا کہ میں نبیوں کی طرح دین اور دنیا کے کل معاملات پر حاوی ہو جاؤں - بادشاہ نہیں بلکہ پیغمبر بھی بن جاؤں' انسانوں ہی پر نہیں بلکہ جنوں پر بھی حکومت کروں - ملک ملک کے بادشاہ میرے سامنے گردنیں جھکائیں - جوان ہوا تو اُس کے حوصلے اور بڑھے - اور وہ بلند خیالی اور عالی ہمتی کا مجسمہ سا

---

[۱] ـــ سلطان محمد عالم کی عجائبات میں سے تھا.........اس کی تیزی غضب کی تھی جس تک میں پہونچ بھی نہیں سکتا - اُس کی دانائی کو بھی میں بیان نہیں کر سکتا -

بن گیا - بڑھاپا آیا تو بھی اس کے حوصلے کم نہ ہوئے اور اس کی بلند خیالیوں میں فرق نہ آیا - مختصر یہ کہ سلطان محمد کے رنگ ڈھنگ ہر حال میں یا تو سکندر اعظم کے سے تھے جو دنیا میں سب سے بڑا فاتح گزرا ہے اور یا حضرت سلیمان جیسے جو دین دنیا کے سردار اور انسانوں اور جنوں کے بادشاہ تھے - گویا قدرت نے بادشاہت اور سیادت اُسی کے لئے بنائی تھی - سلطان محمد کی عالی ہمتی کو دیکھ دیکھ کر میں حیران رہ جاتا تھا - اگر میں اس کی عالی ہمتی کو فرعون اور نمرود کی سی عالی ہمتی کہوں تو ممکن نہیں ' اِس لئے کہ وہ خدائی کا دعویٰ کر بیٹھے تھے - قابلیت ان میں نام کو نہ تھی اور دعویٰ کے سوا انھیں کچھ آتا بھی نہ تھا - لیکن سلطان محمد عبادت میں مصروف رہتا تھا اور خدا کی بندگی میں لگا رہتا تھا ' پانچوں وقت نماز پڑھتا تھا ' اسلام کا بڑا معتقد تھا - اگر میں اس کی عالی ہمتی کو بایزید بُسطانی کی سی بتاؤں جو خدا میں جذب ہو گیا تھا اور خودی کو بھول گیا تھا اور سبحانی ما اعظم شانی (" میں پاک ہوں اور میری کتنی بڑی شان ہے ! ") کہا کرتا تھا - یا حسین منصور حلاج کی سی بتاؤں جو جیتے جی مر مٹا تھا اور اناالحق (میں خدا ہوں) کہا کرتا تھا ' تو یہ بھی ممکن نہیں - سلطان محمد کو مسلمانوں ' سیدوں ' صوفیوں ' عالموں ' سُنّیوں ' مولویوں اور شریفوں کا خون بہانے کی عادت تھی - اس وجہ سے میں اس کو بایزید بسطامی اور حسین منصور حلّاج کے مانند بھی نہیں لکھ سکتا ' بس یہی لکھ سکتا ہوں کہ خدا نے سلطان کو عجیب چیز بنایا تھا - اس میں ایسی متضاد صفتیں تھیں جن کا سمجھنا ممکن نہیں ' اور سمجھنا تو در کنار میں تو ان کا تصور ہی کرنے میں حیران رہ جاتا ہوں - ایسا شخص جس کے باپ دادا مسلمان ہوں ' جو خود مسلمان ہو ' نماز گزار ہو ' شریعت کا پابند ہو ' نہ کسی قسم کا نشہ کرتا ہو ' نہ کبھی کسی بری بات کی طرف مائل ہوتا ہو ' زنا سے ' بد فعلی سے ' حرام کاری سے ' خیانت سے ' جوئے سے 'فسق و فجور سے کوسوں دور رہتا ہو وہ سُنّی مسلمانوں کا اور سچے مومنوں کا خون پانی کی طرح بہایا کرے تو اُسے کیا کہا جائے ؟ ایسے ایسے پائے کے عالم جن کے خون کا ایک ایک قطرہ خدا کے نزدیک ساری کائنات سے بڑھ کر تھا سلطان محمد نے بےخوف و خطر تلوار سے کٹوا ڈالے - مسلمانوں ' مومنوں اور عالموں کا خون بہانے کی دُھن میں

وہ نہ قرآن کی پرواہ کرتا تھا نہ حدیث کی - اسپر بھی وہ عبادت میں مصروف رهتا ' پانچوں وقت کی نماز پابندی سے پڑھتا ' جمعے اور جماعت کی نمازوں میں بھی شریک ہوتا ' بد اخلاقیوں سے بھی بچتا رهتا اور بدفعلیوں کے پاس بھی نہ جاتا ' خلیفہ عباسی کا اتنا معتقد تھا کہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی کام نہ کرتا - میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں سلطان محمد کا کون سا وصف بیان کروں ! اور اُس کی کس صفت پر اُس کی سیرت کا اندازہ کروں ! اگر اس کی عطا و سخا کا ' اُس کے انعام و اکرام کا اور ایثار کا حال لکھوں تو کئی جلدیں درکار ہوں - بلند خیالیوں کو تحریر کروں تو کئی کتابیں بنیں - اُس کی سخاوتوں اور بخششوں کی کوئی حد نہ تھی - خزانے کے خزانے چاهتا جسے دے دیتا - آدمی نیا هو یا پرانا امیر هو یا فقیر ' مسافر هو یا رئیس ' سلطان محمد پہلی هی ملاقات میں دیتا اور سوال کرنے سے پہلے دیتا اور اتنا دیدیتا کہ لینے والا حیران رہ جاتا - اُس کے بیٹے پوتے اور پڑپوتے تک اطمینان سے بیٹھہ کر کھاتے - سلطان محمد کی بخششوں کی بدولت بہتیرے فقیر امیر بن گئے ' بہتیرے غریب اور مسکین مال دار و دولتمند ہوگئے - سچ یہ هے کہ جو کچھہ حاتم نے بر آمکہ نے اور معن‌زائدہ نے برسوں میں دیا تھا اتنا اس بادشاہ نے ذرا سی دیر میں دے دیا ' جب اس نے بہادر شاہ کو سنار گاؤں کا حاکم بنایا تو خزانہ کا خزانہ اس کو بخش دیا - اُس کے علاوہ ملک سنجر کو آٹھہ لاکھہ تنکے دئے اور ملک‌الملوک عمادالدین کو ستر لاکھہ - سید عضدالدولہ کو چالیس لاکھہ تنکے دئے - مولانا ناصر طویل کو اور قاضی کاسنہ اور خداوند زادہ غیاث‌الدین کو اور خداوند زادہ قوام‌الدین کو اور ملک‌اللّٰدما ناصر کافی کو لاکھوں اشرفیاں دے ڈالیں - بہتیروں کو سالانہ بخششیں دیا کرتا - ملک بہرام غزنوی کو هر سال سو لاکھہ تنکے دیتا اور غزنی کے قاضی کو اسقدر دیتا کہ اُس غریب نے اپنی آنکھہ سے کبھی اتنا دیکھا بھی نہوگا - اور یہ سب بخششیں ایک دفعہ هی هوکر نہیں رہ گئیں بلکہ برابر هوتی هی رهیں - وہ کون سا صاحبِ کمال تھا جسے سلطان محمد کے دربار سے وظیفہ نہ ملتا ہو ؟ سلطان کی قدر دانی اور دریا دلی کا حال سن‌سنکر دور دور سے ' خراسان سے ' عراق سے ' بخارا اور سمرقند سے' خوارزم سے' سیستان سے ' هرات سے ' مصر سے اور دمشق سے لوگ اُس کے دربار میں آتے تھے اور بڑے بڑے انعام پاتے تھے ء

سلطان محمد کے دور میں ہر درجے کے سیکڑوں مغل امیران تمن ہوں یا امیران، ہزارہ بڑے بڑے سردار ہوں یا شہزادے برابر ہندوستان میں آتے رہے - اسی طرح عورتیں بھی قریب قریب ہر سال آتی رہیں - دربار میں ان سب کی بڑی عزت ہوتی ' بہتیروں کو خلعت دئے جاتے تھے جنھیں لے لے کر بعض تو واپس چلے جاتے اور بعض سرکاری ملازمت کرلیتے اور وہیں رہنے لگتے - اُن پر اور بھی بخشش ہوتی - جواہرات دئے جاتے ' زربفت اور زردوزی کے کپڑے' سنہرے پٹکے اور چست چالاک گھوڑے دئے جاتے اور جاگیریں بھی عطا ہوتیں -

میں لکھ چکا ہوں کہ سلطان محمد خدا کی خدائی میں ایک عجوبہ آدمی تھا اور میں پھر یہی لکھنے کو تیار ہوں کہ اُس میں سخاوت - جوانمردی اور بلند پروازی تو تھی ہی مگر اس کے علاوہ اور بھی بڑے پائے کی خوبیاں تھیں - سلطنت کے ایسے نئے طریقے اپنی طبیعت سے نکالتا کہ انھیں دیکھ کر آصف ارسطا طالیس اور احمد حسن اور نظام‌الملک طوسی بھی حیران رہ جاتے -

سلطان محمد کی طبیعت میں ایجاد کا بڑا مادہ تھا - صلاح اور مشورے کی اُسے پرواہ نہ تھی - اگرچہ دربار میں صلاح کار اور مشیر موجود رہتے اور سلطان اُن سے مشورہ کرتا بھی لیکن سلطنت کے معاملات میں چھوٹے ہوں یا بڑے وہ کسی کو دخل نہ دینے دیتا - اپنی ہی سمجھ سے سلطنت کے کام کرتا - اپنے دل میں جو بات آجاتی اُسی کو الہام سمجھتا ' اس کے مقابلے میں کسی کی مجال نہ تھی کہ اپنی رائے ظاہر کرسکے - رائے دینے والے سب ایک زبان ہوکر اسی کی ہاں میں ہاں ملایا کرتے اور ہر بات پر اسی کی تعریف کیا کرتے -

سلطان محمد بڑا مردم شناس تھا ' جس آدمی کو ایک نظر دیکھ لیتا اس کی خوبیاں اور برائیاں فوراً تاڑ لیتا - جو لوگ اُس کے دربار میں آکر بیٹھتے ان کی قابلیتوں اور ان کی اچھی بری باتوں کا دم بھر میں اندازہ کرلیتا اور کچھ دربار میں آنے والوں ہی پر منحصر نہ تھا ' جو لوگ اُس کے دربار میں نہ آتے تھے یا پہلے گزر چکے تھے ان کا بھی صحیح اندازہ کر لیتا -

خوش بیانی میں بے نظیر تھا - اگر صبح سے لےکر شام تک برابر باتیں کرتا رہتا تو بھی سننے والوں کو ذرا بار نہ گزرتا ' بلکہ جتنا زیادہ بولتا اتنا ہی اُن کا اشتیاق بڑھتا جاتا - انشا میں بھی یہی حال تھا - دنیا بھر کے

انشا پرداز بادشاہ کی عبارتیں پڑھتے تو حیران رہ جاتے - سلطان محمد کی خوش نویسی ' جملوں کی سادگی ' اور عبارت آرائی یہ ایسی خوبیاں تھیں جو بڑے بڑے استادوں کو شرما دیتیں - اُس کی مثل لکھنا کسی بڑے سے بڑے استاد سے بھی بن نہ پڑتا تھا - اس کو فارسی کے شعر بھی یاد تھے - اُن کے معانی و مطالب بھی وہ خوب سمجھتا تھا - اکثر برمحل شعر لکھتا اور خود بھی کہتا - سکندر نامہ اس کو یاد تھا - بومسلم نامہ اور تاریخ محمودی ہر وقت اپنے سامنے رکھتا اور سب سے بڑھ کر یہ بات تھی کہ اس کا حافظہ بلا کا تھا - ایک مرتبہ کان میں بات پڑ جاتی تو کبھی نہ بھولتا - طب میں بھی ماہر تھا - بہت سے مرضوں کا لاجواب علاج کرتا تھا - بیماروں کی نبض دیکھتا اور دوائیں دیتا - دوسرے طبیبوں سے تشخیص مرض کے متعلق بحث کرتا اور دواؤں کی نسبت تحقیق کرتا ' اگر طبیب ہار جاتے تو اُنہیں ملزم ٹھہراتا - معقولات سے دلی لگاؤ تھا - فلسفہ ' منطق ' اور سائنس بھی خوب پڑھا تھا - فلسفے اور منطق کا سکّہ اس کے دل پر ایسا جم گیا تھا کہ معقول کے سوا کسی بات کا یقین نہ کرتا - کوئی عالم ' فاضل ' شاعر یا طبیب سلطان محمد کے سامنے تقریر نہ کر سکتا اور اگر کرتا بھی تو ہر وقت اسے سلطان کے مشکل سوالوں کا کھٹکا لگا رہتا - آخر میں وہ خود ہی خاموش ہو جاتا -

شجاعت اور بہادری کچھ تو سلطان محمد کو وراثت میں ملی تھی اور کچھ اُس نے خود حاصل کی تھی - اس اعتبار سے بھی وہ یکتائے زمانہ تھا - بلا کا سوار تھا - میرا خیال ہے کہ اُس جیسا سوار شاید ہی کسی زمانے میں پیدا ہوا ہو - تیر پھینکنے میں ' نیزہ مارنے میں ' گیند پھینکنے میں ' شکار کھیلنے میں ' گھوڑا کدانے میں ' اُس کا کوئی ہمسر نہ تھا - بڑی بڑی فوجوں پر اکیلا جا پڑتا ' صفوں کی صفوں کو چیرتا چلا جاتا ' اصل یہ ہے کہ شجاعت اس کی گُھٹّی میں پڑی تھی - اس کا باپ تغلق اور اس کا چچا رجب کیسے بہادر تھے - ان کی بہادری کی شہرت ہندوستان کے باہر دور دور پہونچ چکی تھی - انھیں کی طرح یہ بھی بہادر تھا - اس کی بہادری ہندوستان ہی میں نہیں ' خراسان میں بھی ضرب المثل ہوگئی تھی -

غرض اُس کو ہر وصف میں کمال تھا - بخشش پر آتا تو جتنا کہ حاتم طائی سو کو دیتا اتنا یہ ایک ہی سائل کو دے ڈالتا - ملک فتح کرنے پر

اُترتا تو خراسان اور عراق ' سمرقند اور بخارا اور خوارزم کی اہلت سے ایلمت بجھا دیتا - افسوس! ہزار افسوس! باوجود ان تمام خوبیوں اور فضیلتوں کے سلطان محمد کو اُٹھتی ہوئی جوانی میں صحبت ملی تو سعد منطقی جیسے بد مذہب کی اور عبید شاعر جیسے بد اعتقاد کی اور نجم انتشار جیسے فلسفی کی ' اور مولانا علم‌الدین جیسے فلسفی کی - انہیں لوگوں کے ساتھ وہ اٹھتا بیٹھتا ' انہیں کے ساتھ گھنٹوں خلوت میں رہتا ' یہ لوگ ہر وقت فلسفے اور منطق میں ڈوبے رہتے تھے ' اٹھتے اور بیٹھتے منطق چھانٹتے ' فلسفے ' منطق اور سائینس کا اثر دل پر برا پڑتا ہے ' مذہب سنت‌والجماعت کی طرف سے بد اعتقادی پیدا ہوجاتی ہے ' اور ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں نے جو کچھ تعلیم دی ہے اُس کی مخالفت دل میں قائم ہو جاتی ہے - یہی حال سلطان محمد کا ہوا - اُس کی نظروں میں آسمانی کتابوں کی' زبور کی' طوریت کی' اور انجیل کی' یہانتک کہ قران‌مجید کی ' نبیوں‌کی ' اور اُن‌کی تعلیمات کی وقعت نہ رہی - یہ باتیں جو اصلِ اسلام ہیں اور ذریعہ نجات ہیں ' سلطان محمد کے نزدیک بالکل حقیر ہو گئیں - علم معقول سے ایسا اُنس تھا کہ اس کے خلاف کوئی بات سننا بھی پسند نہ کرتا اور اگر سن لیتا تو کبھی یقین نہ کرتا - اسی وجہ سے وہ خونریزی پر اُتر آیا تھا - اگر اس کے دل میں فلسفے اور منطق کی باتیں نہ جم گئی ہوتیں اور اس کا رجحان آسمانی کتابوں کی طرف ہوتا یا آسمانی کتابوں پر اُسے عبور ہوتا اور ان کا پورا علم اُسے ہوتا تو پھر حکم خدا - حکم رسول ' حکم انبیا اور حکم علماء کے خلاف مومنوں اور مسلمانوں کو قتل کرنے کی ہرگز جرات نہ کرتا - بات یہ ہے کہ فلسفے اور منطق کے مطالعے سے دل سخت ہو جاتا ہے - سلطان محمد کا دل بھی سخت ہو گیا تھا - دل کو نرم کرنے والی چیزوں کی ' آسمانی کتابوں کی اور حدیثوں کی سلطان کے دل میں ذرا بھی جگہ نہ تھی - نتیجہ جو ہونا تھا وہ ہوا - سلطان محمد مسلمانوں اور مومنوں کا خون بہانے پر اُتر آیا - نہ معلوم کتنے عالموں ' سیدوں ' صوفیوں ' قلندروں ' لشکریوں اور ملکی عہدہ داروں کے گلے کٹوا دئے! کوئی ہفتہ ایسا نہ گزرتا اور کوئی دن ایسا نہ جاتا جس میں مسلمانوں کے خون کی ندی اس کے سامنے بہہ نہ جاتی ہو -

سلطان محمد کو مسلمانوں کا خون بہانے کی عادت ہوگئی تھی - اس کا دل پہلے ہی سخت تھا ' اُس میں غور فکر کا مادہ بہت کم تھا '

اس کے مزاج میں جلدی غضب کی تھی ' جو بات اس کے ذہن میں آجاتی اُس کا فوراً حکم دے دیتا اور جن باتوں کا حکم دیتا وہ ایسی ہوتیں کہ ان پر عمل کرنا اہل‌کاروں اور کارکنوں کے امکان سے باہر ہوتا - عمل نہ ہو سکتا اور مرضی کے مطابق بات نہ ہوتی تو سلطان محمد اہل‌کاروں کارکنوں اور عالموں سے ناراض ہو جاتا ' اور ان پر بد نیتی اور بد اندیشی کے شبہے کرتا ' انہیں باغی سمجھتا اور قتل کرنے پر تل جاتا - قتل کرتا تو ایک دو کو نہیں' ہزاروں کو قتل کردیتا ' اور اہل‌کاروں پر بس نہیں کرتا ' رعایا پر بھی نافرمانی کا جرم لگاتا ' ان کی بھی شامت آجاتی -

میں سلطان محمد سے ڈرتا ہی رہتا ' اس کے خوف سے اُلٹی سیدھی باتیں بھی کہہ کہہ دیتا ' دن کو رات اور رات کو دن بتا بتا دیتا ' اسی وجہ سے مجھے اس کا تقرّب حاصل تھا - سزاؤں کے بارے میں بھی میں اُسے نہ ٹوکتا ' اتنا بھی نہ کہتا کہ بادشاہ سلامت' ایسی سخت سخت سزائیں جو آپ دیتے ہیں ناجائز ہیں اور شریعت کے خلاف ہیں - بات یہ تھی کہ اِدھر تو مجھے اپنی جان کا خوف تھا ' اُدھر لالچ دامنگیر تھا - اس سبب سلطان کے سامنے حق بات میں کبھی نہ کہتا ' اُس کی ہاں میں ہاں ملا دیا کرتا اور اُسی کی سی کہنے لگتا ' گڑھی ہوئی حدیثیں پڑھ دیتا ' خدا رسول کا گنہگار ہوتا اور شریعت کے اور مذہب کے خلاف عمل کرتا ' اور لوگ بھی ایساہی کرتے ' نہ معلوم ان کا کیا حشر ہوگا ' مجھے تو اپنے کئے کی سزا اس قدر جلد مل گئی کہ میں اس بڑھاپے میں ذلیل و خوار ہو گیا - افلاس کی مار مجھ پر پڑگئی ' ایک ایک دروازے پر بھیک مانگنے کی نوبت آگئی ہے - مرنے کے بعد نہ معلوم میری کیا حالت ہوگی ؟ اور کیسی کیسی سزائیں مجھے بھگتنی پڑینگی ؟ جو کچھ میں نے سلطان محمد کے دربار میں کہا یا کیا میں آج اُسی کی پاداش میں مبتلا ہوں ' اس بڑھاپے میں ذلیل بھی ہوں اور مفلس بھی......

مطلب میرا یہ ہے کہ میں نے پرورش پائی تو سلطان محمد کے سائے میں اور مجھے ترقی ہوئی تو اسی کے طفیل سے اور میں نے کچھ حاصل کیا تو اسی کی نوازش سے ' اب اس کا سایہ میرے سر سے اٹھ گیا تو شاید وہ نعمتیں اب مجھے خواب میں بھی دیکھنی نصیب نہ ہونگیں - اگر سلطان محمد میں وہ بری باتیں نہ ہوتیں جن کی وجہ سے اُس نے مسلمانوں کے

گلے کاٹے اور اپنی سلطنت کی بنیادوں کو ہلا دیا اور اپنے خلاف ساری دنیا میں نفرت پھیلا دی تو پھر وہ یقیناً بےنظیر اور بےمثل ہوتا - اُس وقت یہ کہنا کہ سلطان محمد جیسا قابل بادشاہ آدم سے لے کر اس وقت تک کوئی نہیں ہوا ' بجا ہوتا - اول تو یہ بادشاہ فلسفے اور منطق کا بڑا معتقد تھا - دوسرے قران اور حدیث کے علم میں مضبوط نہ تھا - تیسرے مسلمانوں کو سزایں دینے اور قتل کرنے کا عادی تھا - چوتھے وہ اپنی بات کو رکھنے اور رعیت پر جبر کرنے کا خوگر تھا - پانچویں نئے نئے فرمان نکالنے پر آمادہ تھا - چھٹے بے رحمی اور خونریزی پر جری تھا -

میں کیوں کر لکھوں کہ سلطان محمد سارے جہاں میں عجوبہ تھا - رات دن شریروں اور بدمعاشوں کے دفع کرنے کی فکریں کرتا رہتا ' ہزاروں کو قتل کرادیتا , پھر بھی دنیا بھر کے چھٹے ہوئے بدمعاشوں کو اس نے اپنا مقرّب بنا لیا تھا - اُس کو میں اعجوبۂ مخلوقات نہ کہوں تو پھر کیا کہوں ؟

میں تاریخ فیروز شاہی کا مولف ہوں - لیکن حیران ہوں ! سلطان محمد کے وصفوں کو کیا لکھوں ؟ ایک طرف تو اُس میں خدا کے سے وصف تھے دوسری طرف بندوں کی سی صفتیں تھیں - مجھے تو اس کے نہ کسی وصف کا یقین ہوا اور نہ اُس کی کسی صفت کا - مجھ کو اُس کی بندگی ' اطاعت ' عبادت ' ریاضت کا کیونکر یقین آئے ؟ اور اس کی جودت یا جِدت ' دانائی یا تیزی یا ہوشیاری کیسے مجھ پر ثابت ہو ؟ جبکہ میں اپنی آنکھوں سے برابر دیکھتا رہا کہ ستائیس وہ سال تک محمد نام والے بادشاہوں کو ذلت و حقارت کی نظر سے دیکھا کیا اور ساتھ ہی اپنی ایمانداری اور درست اعتقادی کا دعویدار بنا رہا اور اپنے آپ کو سلطان کہتا اور کہلواتا رہا - غور کا مقام ہے کہ جس شخص کا اپنا نام محمد ہو وہ اسی نام کے سبب پہلے بادشاہوں سے نفرت کرے اور ان کا نام لینا بھی اپنے لئے ننگ و عار سمجھے - اُس پر طرّہ یہ کہ عباسی خلفاء کا خواہ مردہ ہی کیوں نہ ہوں فلاموں سے بھی زیادہ احترام کرے !

جو کچھ سلطان محمد کا انتہاے ایمان و اعتقاد تھا ' اُس کا اندازہ میںنے واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ دیکھ کر ٹھیک طور سے کرلیا - میں دیکھا کرتا تھا کہ ہر روز سنّی مسلمانوں کو سلطان کے حکم سے سزایں دی جاتیں تھیں اور ان کی گردنیں کھیرے ککڑی کی طرح کاٹ دی جاتیں تھیں - ہر روز محل سرا کے سامنے ان کے خون کی ایک ندی بہ جاتی تھی -

اس کام کے لئے سلطان نے ایک علیحدہ محکمہ بنالیا تھا جسکا نام دیوان سیاست رکھا تھا - بے دینوں اور موذیوں کو چن چن کر اس کا ناظم اور مدیر بنایا تھا - کافروں اور مرتدوں کو اس کا حاکم، ناظم، گماشتہ اور کارکن بنا رکھا تھا - اس دیوان سیاست نے جو ظلم ڈھائے اُن سے زمین اور آسمان کے رہنے والے سب انسان اور سب فرشتے بیزار ہوگئے - بادشاہ کے خلاف عام نفرت پھیل گئی -

میں ایک بےدین اور بددیانت شخص تھا جو سلطان محمد کا کُھلا دلّال بنا ہوا تھا - اس صورت سے برسوں تک میں بادشاہ کا مقرّب بنا رہا، اب کیا کہوں کہ اس کی کونسی ادا کو میں اچھی طرح سے سمجھا! اور میرے نزدیک وہ تھا کیا؟ مجھے تو اس کی متضاد صفتوں پر جو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھیں حیرت ہی حیرت ہے! اور واقعی ضرورت سے مجبور ہوکر میں اِس کے سوا کچھ نہیں لکھ سکتا کہ سلطان محمد خدا کی بنائی ہوئی ایک عجوبہ چیز تھا، مصلحت بھی اسی میں ہے - اُس کے وصف جو بالکل ایک دوسرے کی ضد ہیں سمجھ میں آہی نہیں سکتے - یہ بھی ممکن نہیں اکہ کوئی اپنے علم اور اپنی عقل کے ذریعے سے ان پر حاوی ہوسکے -

میں تاریخ فیروز شاہی کا مولف ہوں اور سترہ سال اور تین مہینے تک سلطان محمد کے دربار میں ملازم رہ چکا ہوں - اُس نے مجھے بھتیرے انعام دیئے، باربار مجھ پر بخشیش بھی کیں اور مجھے اشرفیاں بھی دیں - لیکن مجھے تو یہ بادشاہ عجوبہ سا ہی نظر آتا رہا - اُس کے وصف ایک دوسرے کے بالکل برعکس تھے - اور اس کی صفتیں ایک دوسرے کی ضد تھیں - جنہیں دیکھ دیکھ کر میں دریاے حیرت میں غرق ہو جایا کرتا تھا - میں نے تمام عمر اس کی زبان سے بد اصلوں اور کمینوں کی برائی سنی تھی اور دراصل کمینوں اور رذیلوں کو وہ اچھا نہ جانتا تھا، اکثر کہا کرتا تھا کہ یہ لوگ کم اصل، نمک حرام، شریر اور بدخو ہوتے ہیں - اور ثبوت میں دلیلیں بھی پیش کیا کرتا، معلوم ہوتا تھا کہ بداصلوں سے اُس کو دلی نفرت ہے - پھر بھی میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اُس نے کوئیے کے بچے نجبا بداصل کو سر پر چڑھا لیا اور اس کا درجہ امیروں سے بھی بڑھا دیا - گجرات اور ملتان اور بداوں کے علاقے اس کے حوالے کر دیئے - اسی طرح سے سلطان محمد نے عزیز حمار کو، اس کے بھائی کو اور فیروز حجام کو، ملکا باورچی کو، لدھا مالی کو اور مسعود کو جو شراب بنانے

والوں اور شراب بیچنے والوں کے گھرانے سے تھا ' اور ایسے ہی بہت سے نیچ ذات والوں کو اونچے اونچے عہدے دے دئے - انھیں جاگیریں بھی دیں اور ان کی بڑی توقیر کی - جولاھے کے بچے شیخ بابو نایک کو اپنے دربار کا مقرّب بنا لیا - اور پیرا مالی کو جو سارے ملک کے کمینوں اور رذیلوں میں پہلے درجے کا کمینہ اور رذیل تھا دیوانِ وزارت کا سردار بنا دیا ' اور اسی پر بس نہ کی بلکہ اس کو تمام عالموں ' امیروں ' والیوں ' جاگیرداروں اور حاکموں کا نگراں بھی بنا دیا - اور بازوں کے اڑانے والے کشن اندری किशन इन्द्री کو جو نہایت کمینہ اور رذالہ تھا اودہ کا علاقہ دے دیا - اور احمد ایاز کے غلام مقبل کو جو ہر اعتبار سے رذیل بلکہ ارذل تھا گجرات کا نائب وزیر بنا دیا - یہ عہدہ معمولی نہ تھا - اتنا بڑا تھا کہ نامور وزیروں اور بڑے بڑے خانوں ہی کو دیا جاتا تھا - تعجب ہے ! ایسے بڑے بڑے اور ذمہ داری کے عہدے سلطان محمد کمینوں اور رذیلوں کو کیسے دے دیتا تھا !

حوصلہ ایسا تھا کہ جمشید اور خسرو کی برابری کا اُسے دعویٰ تھا - خوددار ایسا تھا کہ مغلستان اور بنگالے کے حاکموں کو ملازم رکھنے میں بھی اپنی سبکی سمجھتا تھا ' اور بڑے بڑے عالی دماغوں اور عالی نسبوں کو اپنی ملازمت کے قابل نہ جانتا تھا ' مگر بد اصلوں اور کمینوں کو جاگیریں دے دے دیتا - اور بڑے بڑے عہدوں پر انھیں ممتاز کرتا -

مختصر یہ کہ سلطان محمد کی یہ متضاد صفتیں دیکھ دیکھ کر میں تو حیران رہ جاتا ہوں - اگر اُس کی سفلہ پروری اور کمینہ نوازی کو اس کی خدائیت اور بے نیازی کی دلیل سمجھوں اور مخلوق کو ان کا زیر دست اور محتاج بنا دینے میں سلطان محمد کی بے نیازی تصور کروں - یوں سوچوں کہ جس طرح خدا اپنی بے نیازی سے رذیلوں اور کمینوں اور کافروں اور مشرکوں کو سلطنتیں دیدیا کرتا ہے اسی طرح یہ بادشاہ بھی ہر ایک کو یہاں تک کہ دشمنوں کو بھی حکومت دے دیتا ہے ' اور جس طرح کمینوں کو حکومت دیتے وقت خدا کو اس بات کی ذرا بھی پرواہ نہیں ہوتی کہ یہ کمینے شریفوں پر حکمرانی کریں گے ' اسی طرح اس بادشاہ نے بے دھڑک رذیلوں اور کمینوں کو ترقی کے زینوں پر چڑھا دیا ہے اور خلقت کو ان کا دست نگر بنا دیا ہے تو یہ بھی ممکن نہیں اس لئے کہ سلطان محمد کی عبادت اور بندگی حد درجے کی

ہے - اس کی عبادت کا یہ حال ہے کہ اِدھر اذان سنتا ہے اُدھر نماز کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور صبح کی نماز کے بعد بڑی بڑی دیر تک وظیفہ پڑھتا رہتا ہے - جب حرم سرا میں جانے لگتا ہے تو خواجہ سراؤں کو اندر بھیج کر پہلے اطلاع کرا دیتا ہے تاکہ نامحرم عورتیں ہٹ جائیں اور اُن پر نظر نہ پڑ جائے - لڑکپن میں اُس نے قتلغ خاں سے کچھ پڑھا تھا - اسی وجہ سے اب تک وہ اُس کی بڑی تعظیم کرتا ہے - میرے نزدیک جتنی تعظیم و تکریم وہ کرتا ہے اتنی کوئی شاگرد اپنے استاد کی نہیں کرتا -

وہ اپنی والدہ مخدومہ جہاں کی بھی بڑی تعظیم کرتا ہے اور بے حد فرمانبرداری کرتا ہے - اس کی مرضی کے بغیر اور اس کے حکم کے خلاف کبھی کوئی بات نہیں کرتا - میں حیران ہوں کہ اِن صفتوں کو سلطان محمد کی بلندگی اور نہاز ملدی پر محمول کروں یا اس کی خدائیت کی دلیل سمجھوں! میں تو تہ تک پہونچ نہیں سکتا ، اور حقیقت کو سمجھ نہیں سکتا ، اس لئے کہتا ہوں اور لکھے دیتا ہوں کہ خدا نے سلطان محمد کو ایک نرالی ، عجوبہ اور حیرت انگیز شے بنا دیا تھا "-

ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ " سلطان محمد بخششوں کے دینے میں اور خون کے بہانے میں مشہور تھا - کوئی روز ایسا نہ جاتا تھا جس میں اس کے دروازے پر کوئی فقیر امیر نہ بنا دیا جائے اور کوئی زندہ آدمی قتل نہ کردیا جائے - سارے ملک میں اس کی سخاوت اور شجاعت کا ذکر ہوا کرتا تھا - اور اس کی سختی کے چرچے رہتے تھے - مگر وہ بہت ہی متواضع ، خلیق اور مہمان‌نواز تھا - عدل و انصاف کا فدائی تھا ، شریعت کا شیدائی تھا ، بے دھڑک‌حق کی طرف‌داری کرتا ، شریعت کے قوانین برقرار رکھنے میں کوشاں رہتا ، نماز پابندی سے پڑھتا - اور دوسروں کو پابندی سے پڑھنے کی تاکید کیا کرتا ، جو لوگ جان بوجھ کر نماز ترک کرتے انہیں سزائیں دیتا - اس کی نیکیاں حد سے بڑھ گئیں تھیں -

اس کی سخاوت کی شہرت ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ یمن ، خراسان اور فارس میں بھی پھیل گئی ہے - وہاں کے رہنے والے اس کی داد و دہش سے خوب واقف ہیں ، جانتے ہیں کہ سلطان محمد پردیسیوں کو ہندوستانیوں پر ترجیح دیتا ہے - انہیں جاگیریں بخشتا ہے ، انعام دیتا ہے اور بڑے بڑے

عہدوں پر سرفراز کرتا ہے - اُس کا حکم ہے کہ پردیسی کو پردیسی کہہ کر نہ پکارا جائے - پردیسی کہنے سے پردیسی آدمی کا دل ٹوٹ جاتا ہے - بجائے پردیسی کے عزیز کہہ کر پکاریں - جتنے پردیسی دربار میں آتے رہے سلطان محمد ان سب پر برابر بخششیں کرتا رہا -

شہاب‌الدین تاجر گاذرونی ملک‌التجار کھمبایت اور گجرات کے حاکم پرویز نامی کے یہاں آیا اور اسی کے ہمراہ بادشاہ کی زیارت کو چلا - راستے میں دشمنوں نے پرویز کو قتل کردیا اور شہاب‌الدین کا مال جسے وہ بادشاہ کی نذر کے لئے لے جارہا تھا لوٹ لیا - بادشاہ کو خبر ملی تو حکم دیا کہ تیس ہزار روپے شہاب‌الدین کو فوراً دے دئے جائیں - شہاب‌الدین دربار میں حاضر ہوا تو سلطان نے اسے اور دیا - چند روز بعد شہاب‌الدین بیمار پڑ گیا ' دربار تک آ بھی نہ سکتا تھا - بادشاہ نے ایک لاکھ تنکے اس کے مکان پر بھیجوا دئے - جب ابوالعباس خلیفہ عباسی کا ایلچی شیخ رکن‌الدین نامی مصر سے دهلی آیا اور دربار میں حاضر ہوا تو بادشاہ نے اسے بے شمار دیا - گھوڑے کا ساز تک دیا اور ایسا دیا جو کل کا کل سونے کا تھا - میخیں بھی سونے کی تھیں - اسی طرح ناصرالدین ترمذی واعظ هندوستان آیا تو سلطان نے اس پر بخششیں کیں اور جب وہ اپنے وطن کو واپس جانے لگا تو اسے ایک لاکھ تنکے اور دیئے - عبدالعزیز فقیہ نے دمشق میں سلطان محمد کی شہرت سنی تو وہاں سے چل پڑا اور دهلی کا رخ کیا - سلطان نے اس پر بھی بخششیں کیں - ایک روز اس نے حضرت عباس رضی‌اللہ عنہ کے فضایل بیان کئے اور خلفائے عباسیہ کا ذکر کیا تو بادشاہ بہت خوش ہوا - حکم دیا کہ سونے کی ایک تھالی میں دو ہزار اشرفیاں لائی جائیں - اشرفیوں سے بھری ہوئی سونے کی تھالی لائی گئی جو بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے عبدالعزیز کو دے دی - شمس‌الدین اندکانی نامی شاعر نے سلطان محمد کی تعریف میں ایک فارسی قصیدہ لکھ کر پیش کیا تو بادشاہ نے اس کو ہر شعر کے عوض ہزار دینار دیئے - اس حساب سے بہت بڑی رقم شمس اندکانی کے ہاتھ آئی -

قاضی مجیدالدین ' برہان‌الدین اور عضدالدین کی قابلیتوں اور خوبیوں کی شہرت سنی تو بادشاہ نے اُن سب کو گھر بیٹھے بیٹھے بڑی بڑی رقمیں بھیج‌دیں - برہان‌الدین کو چالیس ہزار تنکے بھیجے اور عضدالدین کو دس ہزار - ان دونوں میں سے کوئی هندوستان تک آیا بھی نہ تھا -

سلطان محمد نے سب سے زیادہ داد و دہش مخدوم زادہ امیر غیاث الدین محمد عباسی بغدادی پر کی جو خلیفہ المستنصر باللہ کی اولاد سے تھا اور ابن الخلیفہ کے لقب سے مشہور تھا - اس کے لئے بادشاہ نے سیری کا محل سونے چاندی کے برتنوں سے ' سنہری حمام سے اور قیمتی قیمتی چیزوں سے خوب سجایا اور پھر سارا محل مع کل آرائش کے اسی کو بخش دیا - جب مخدوم زادہ محل میں داخل ہوا تو بادشاہ نے چار لاکھ تنکے اُسے سرشوی کے نام سے بھیجے اور پھر تین سو تنکے روزآنہ خرچ کے لئے مقرر کردیئے - یہ خرچ کھانے سے علاوہ تھا - کھانا دونوں وقت شاہی دستر خوان سے جاتا تھا - سلطان نے سیری کا شہر بھی اس کے حوالے کردیا - شہر کے ساتھ بہت سے باغ بھی دیئے اور حویلیاں بھی - اس کے علاوہ سو گائوں اور عطا کئے اور دھلی کی نواح میں سارے مشرقی علاقے کی حکومت اُسی کو سونپ دی - پھر سواری کے غرض سے تیس خچر بھیجے جن کے زین سونے کے تھے - ان کا چارا وغیرہ سرکاری گودام سے مقرر کیا -

شام کا حاکم امیر سیف الدین دربار میں حاضر ہوا تو بادشاہ نے اس پر بھی بہت بخششیں کیں - اس کی خاطر داری کی خاص وجہ یہ تھی کہ وہ عرب تھا اور سلطان کو عربوں سے بہت انس تھا - ایک مرتبہ مانکپور کے حاکم ملک اعظم بایزیدی نے دربار میں نزر پیش کی ' جس میں گیارہ اصیل اور تازی گھوڑے تھے ' سلطان نے وہ سب کے سب امیر سیف الدین کو دے دیئے - پھر دس گھوڑے اور دیئے ' جن کے زین بھی سونے کے تھے اور لگامیں بھی سونے کی - بعد میں اس کی شادی بادشاہ نے اپنی بہن فیروزہ اخوندہ سے کردی -

سلطان محمد جس طرح تواضع میں مشہور تھا اسی طرح انصاف پرستی میں بھی شہرۂ آفاق تھا - ہندو امیروں میں سے ایک امیر نے قاضی کے دربار میں نالش دائر کی کہ " بادشاہ نے میرے بھائی کو بے جرم قتل کردیا ہے " - بادشاہ کو خبر ہوئی تو مدعا علیہ کی طرح قاضی کے دربار میں آیا - اور اس ہیئت سے آیا کہ نہ تو بدن پر زرہ تھی نہ بکتر ' نہ کوئی حربہ تھا نہ ہتھیار - قاضی کو پہلے سے کہلا بھیجا تھا کہ جب میں عدالت میں پہنچوں تو تم نہ میری تعظیم کے لئے اٹھنا - نہ ادب کرنا - غرض بادشاہ عدالت

میں داخل ہوا تو پہلے اُس نے قاضی کو سلام کیا - پھر ملزموں کے مقام پر جا کھڑا ہوا - قاضی نے مقدمے کی روئداد سن کر حکم دیا کہ " بادشاہ اُس ہندو کو راضی کرلے ورنہ قصاص کا حکم دیا جائیگا " -

ایک دفعہ کسی مسلمان نے سلطان محمد پر اس بات کی نالش کی کہ " میرا کچھ مال چاہئے جسے سلطان فوراً ادا کرے " - قاضی نے حکم دیا کہ " بادشاہ مال واپس کردے " - اسی طرح کسی امیر کے لڑکے نے بادشاہ پر اس بات کا دعویٰ کیا کہ " بادشاہ نے بغیر جرم کے مجھے مارا ہے " - مقدمہ عدالت میں دائر ہوا قاضی نے حکم دیا کہ " بادشاہ اس لڑکے کو مال دے کر راضی کرلے ورنہ قصاص کے لئے تیار ہو جائے " - یہ سنکر بادشاہ قاضی کی عدالت سے اپنے دربار میں آیا اور وہاں لڑکے کو بلا کر اس کے ہاتھ میں لکڑی دی اور کہا " تجھے میرے سر کی قسم تو بھی مجھکو اسی طرح مار جس طرح میں نے تجھے مارا تھا " - لڑکے نے بادشاہ کو اکیس لکڑیاں ماریں یہاں تک کہ بادشاہ کی ٹوپی بھی گر پڑی -

سلطان محمد نماز کو جماعت کے ساتھ پڑھنے کی تاکید کیا کرتا تھا - جو شخص جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھتا تھا اسے سخت سزا دیتا تھا - ایک دن اسی جرم میں اُس نے نو آدمی قتل کر ڈالے ' جن میں سے ایک گویّا تھا - بادشاہ کا حکم تھا کہ نماز کے وقت جو شخص بازار میں خرید فروخت کرتا ہو اُسے گرفتار کرلیا جائے - یہ بھی حکم تھا کہ سب مسلمان نماز کے ارکان سیکھیں - نماز کے متعلق ان سے سوال بھی کئے جاتے تھے اور انہیں جانچا بھی جاتا تھا - جو کوئی اچھی طرح نہ بتا سکتا اسے سزا دی جاتی تھی - لوگوں کی یہ حالت تھی کہ دکانوں پر بیٹھے بیٹھے اور بازار میں چلتے چلتے کاغذوں پر نماز کے ارکان لکھتے تھے ' اور آپس میں مل کر اور ایک دوسرے سے پوچھ پوچھ کر یاد کرتے تھے - جس طرح سلطان محمد نماز کا پابند تھا اسی طرح شریعت کے قوانین کا بھی پابند تھا - اس نے اپنے بھائی مبارک خاں کو حکم دے رکھا تھا کہ عدالت میں بیٹھ کر مقدموں کے فیصل کرنے اور انصاف کرنے میں قاضی کو مدد دیا کرے - اگر کسی بڑے امیر کے خلاف مقدمہ دائر ہوتا اور کوئی مطالبہ اس کے ذمے اسے نکلتا جس سے وہ انکاری ہوتا تو مبارک خاں کے سپاہی اُسے پکڑ کر عدالت میں

لے آتے - ظلم اور انصاف کی جانچ کرنے کی غرض سے بادشاہ نے خود بھی هفتے میں دو مرتبہ پیر اور جمعرات کو دیوان خانے کے اندر ایک بڑے میدان میں بیٹھنا شروع کر دیا تھا ' جہاں چار افسر خاص طور پر مقرر رهتے تھے - ایک امیر حاجب ' دوسرے خاص حاجب ' تیسرے سیدالحجاب ' چوتھے شرف‌الحجاب - چار بڑے بڑے امیر بھی دیوان خانے کے چاروں دروازوں پر مقرر ہوتے تھے تاکہ وہ فریادیوں کی فریادیں لکھیں - ان میں سے ایک بادشاہ کا چچازاد بھائی ملک فیروز تھا - اگر پہلے دروازے والا فریادی کی فریاد نہ لکھتا تو وہ دوسرے دروازے پر چلا جاتا - اگر وہ بھی نہ لکھتا تو تیسرے دروازے پر چلا جاتا - اگر وہ بھی نہ لکھتا تو چوتھے دروازے پر چلا جاتا - اگر وہ بھی نہ لکھتا تو پھر فریادی اپنی فریاد بادشاہ کے پاس لے جاتا - کوئی روک ٹوک نہ تھی - فریادیوں کو بادشاہ تک جانے کی عام اجازت تھی - بادشاہ پر یہ کھل جاتا کہ فلاں فلاں امیروں نے فریادی کی فریاد لکھنے سے انکار کیا ہے تو ناراض ہوتا اور انہیں سزائیں دیتا - غرض دن بھر یہی دَور رهتا - چاروں امیر اپنے اپنے رجسٹروں میں دن بھر کی کارروائی لکھتے جاتے جسے بادشاہ رات کو عشا کے بعد پڑھا کرتا -

قحط پڑ جاتا تو سلطان محمد رعیت کو خرچ دیا کرتا اور کھانا کھلایا کرتا - ایک دفعہ سارے هندوستان میں قحط پڑ گیا اور غلّے کا بھاؤ چھ ٹنکے من کا هوگیا - سلطان نے حکم دیا کہ چھ چھ مہینے کا خرچ ڈیڑھ رطل روزانہ کے حساب سے سب دهلی والوں کو بچے هوں یا بوڑھے ' غلام هوں یا آزاد ' شاهی گودام سے دیا جائے - اس حکم کی تعمیل میں سرکاری افسر نکلے وہ ایک ایک دکان اور مکان پر نام پوچھتے پھرتے تھے ' اور محلے وار فہرستیں بناتے تھے اور پھر ایک ایک آدمی کو چھ چھ مہینے کا خرچ دیتے تھے -

سلطان محمد میں سب خوبیاں تھیں' سخاوت بھی' انصاف بھی' تواضع بھی' انکساری بھی' ترس بھی اور رحم بھی - لیکن وہ خون بہت بہاتا تھا - کوئی دن ایسا نہ جاتا تھا کہ اس کے دروازے پر خون نہ بہتا هو میں نے اپنی آنکھوں سے بیسیوں آدمیوں کا خون بہتے ہوئے دیکھا اور ان کی نعشوں کو محل سرا کے باهر پڑے ہوئے دیکھا - ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ گھوڑے پر بیٹھ کر میں

شاهي محل کي طرف جا رہا تھا یکایک میرے گھوڑے نے کسی چیز سے ٹھوکر کھائی - میں نے جھک کر دیکھا تو زمین پر سفید سفید چیز سي نظر آئی - میں نے کہا " خدایا ! یہ کیا ہے ؟ میرے ساتھیوں میں ایک بولا یہ اُس آدمی کا سینہ ہے جس کو یہاں قتل کیا گیا ہے اور جس کے تین ٹکڑے کئے گئے ہیں -

سلطان محمد سزائیں دینے پر اترتا تو نہ عمر کا لحاظ کرتا نہ مرتبے کا ' کیا چھوٹا ' کیا بڑا ' کیا آزاد ' کیا غلام ' کیا عالم ' کیا صوفی ' اس کے نزدیک سب برابر تھے - دربار میں قریب قریب ہر روز قیدي لائے جاتے - اس ہیئت سے کہ ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہوتیں - پانوؤں میں بیڑیاں اور گلے میں طوق - پھر انہیں طرح طرح کی سزائیں دی جاتیں - بعضوں کو قتل کیا جاتا - بعضوں کو کوڑے لگائے جاتے -

سلطان محمد فقیہوں ' صوفیوں اور درویشوں کو بھی بےدریغ تہ‌تیغ کرتا - شیخ شہاب‌الدین بڑے پائے کے عالم اور درویش تھے - چودہ چودہ دن تک مسلسل روزے رکھتے - سلطان قطب‌الدین‌مبارک شاہ اور سلطان تغلق شاہ دونوں ان کے معتقد تھے اور ان کی زیارت کو جایا کرتے تھے - سلطان محمد نے ان کو اپنے دربار میں رکھنا چاہا اور ان کے لئے کوئی خدمت تجویز کي - شیخ نے انکار کر دیا اور دربار میں رہنا منظور نہ کیا - بادشاہ نے ناراض ہوکر شیخ ضیاالدین سمنانی کو حکم دیا - " ذرا جاکر شہاب‌الدین کی ڈاڑھی کے بال نوچ ڈالو " ضیاالدین نے انکار کر دیا تو بادشاہ اور بھی ناراض ہوا - حکم دیا کہ " شہاب‌الدین کے ساتھ ساتھ ضیاالدین کی ڈاڑھی بھی نوچی جائے " - چنانچہ دونوں کی ڈاڑھیاں نوچی گئیں -

سندھ کے دو مولوی دربار کے ملازم تھے - سلطان نے ان کو کسی کار خاص پر مامور کیا - لیکن مامور کرتے دیر نہ ہوئي تھی کہ ان پر بدنیتي کا الزام لگا دیا اور کہا -

سلطان—" تمہاری نیت درست نہیں ہے ' تمہارے دل میں یہ ہے کہ پرایا مال کھاؤ ' اور دوسروں کے [۱] ذمے اُس کا الزام لگاؤ " -

---

[۱]—سفر نامے کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ بادشاہ نے ایک ترکی افسر کو کسی ضلع کا حاکم مقرر کیا تھا - اور اُن دونوں مولویوں کو اس پر نگہبان بنانا چاہا تھا - مگر ان کی گفتگو ھي سے بادشاہ ناخوش ہوگیا - کہنے لگا کہ " تم پرایا مال کھا کر اس جاھل ترکي کے ذمے الزام لگانا چاہتے ہو " -

مولوی—" جہاں پناہ ' خدا کی قسم ' ہماری یہ نیت نہیں ہے " -
سلطان—" نہیں ' تمہاری نیت یہی ہے " -
سلطان—(چوبداروں سے) " ان دونوں کو جلاد [۱] کے پاس لے جاؤ " -
جلّاد—(مولویوں سے) " تم دونوں کو بادشاہ قتل کرنا چاہتا ہے ' جو کچھ وہ کہتا ہے اُس کا اقبال کر لو ' ورنہ خیر نہیں " -
مولوی—" جو ہماری نیت تھی وہ تو ہم بادشاہ سے بیان کر ہی چکے ' اب اور کیا کریں " -
جلّاد—(نوکروں سے) " ارے ' ان مولویوں کو عذاب کا مزا چکھا دو " -

دونوں مولوی چت لٹائے گئے اور ان کے سینوں پر گرم لوہے کی ایک چادر رکھ دی گئی ' جب چادر اٹھائی گئی تو ان کے سینوں کا گوشت اُس کے ساتھ ہی کھچ آیا - اُس وقت ان کے زخموں پر پیشاب میں ملا کر کچھ راکھ ڈال دی گئی -

مولوی—(بیچین ہوکر) " جو بادشاہ کہتا ہے بس وہی ہم بھی کہتے ہیں ' وہی کہتے ہیں ' ہم گنہگار ہیں اور قتل کے مستحق ہیں " -

مولویوں نے یہ الفاظ لکھ دئے اور ان کی تحریر کو تصدیق کی غرض سے قاضی کی خدمت میں پیش کیا گیا - قاضی نے اس پر مہر کر دی ' اور اپنی قلم سے لکھ دیا کہ یہ دونوں بغیر کسی جبر کے اپنے جرم کا اقبال کرتے ہیں - ان غریبوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ ایک دفعہ مر جائیں تو عذاب سے چھٹکارا ہو جائیگا - اگر وہ یہ کہتے کہ ہم سے زبردستی اقبال کرایا گیا ہے تو نہ معلوم اُن پر اور کیا کیا ظلم [۲] ہوتے -

---

[۱]—جلاد کا نام شیخ زادہ نہاوندی تھا - ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ " یہ شخص لوگوں کو عذاب دینے پر مقرر تھا " -

[۲]—ابن بطوطہ کا یہ بیان مبالغے سے خالی نہیں - اس نے لکھا ہے کہ مولویوں کو گرم لوہے کی چادر سے زخمی کیا گیا - جب ان کے بدنوں سے لہو گرنے لگا تو اس پر پیشاب میں ملی ہوئی راکھ لگائی گئی - جب مولویوں نے اقبال کرلیا تو ان دونوں نے اپنے اپنے ہاتھ سے ایک تحریر لکھ دی - یہ کیونکر ممکن ہے کہ جو شخص اس قدر زخمی ہو ' زمین پر پڑا ہو ' بدن سے خون جاری ہو ' تمام سینے پر گھاؤ ہوں اور ان میں راکھ بھری ہوئی ہو جس کے سبب آگ لگی ہوئی ہو ' اس کے ہوش حواس قائم رہیں اور اُس میں اتنی قوت بھی باقی رہے کہ وہ اٹھ بیٹھے اور بھلے چنگے آدمی کی طرح اپنے ہاتھ سے تحریر لکھ دے - ملاحظہ ہو کتاب رحلۃ ابن بطوطہ مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۲۲ھ ' جلد دوم ' صفحہ ۶۷) -

شیخ رکن الدین ملتانی کے پوتے شیخ ہود کو سلطان محمد نے ملتان کی خانقاہ کا منتظم بنا دیا تھا - کچھ عرصے بعد سندھ کے حاکم عمادالملک نے ان پر روپیہ جمع کرنے اور بیجا صرف کرنے کا الزام لگایا تو بادشاہ نے اُن پر سختی کی ' آخر انہیں قتل کرا دیا -

شیخ شمس‌الدین بڑے زاہد تھے - دنیا کو ترک کرکے کوئل[۱] میں جا پڑے تھے - سلطان کے پاس آنا جانا پسند نہ کرتے تھے بلاتا تو بھی نہ جاتے - ایک دفعہ سلطان محمد خود اُن سے مل نے گیا تو مکان چھوڑ کر کہیں چل دئے - بادشاہ کو ان پر بغاوت کا شبہ ہوگیا - ان کی اور ان کے بیٹوں کی گرفتاری کا حکم دے دیا - کوئل کے قاضی اور محتسب پر بھی سلطان محمد کو اسی قسم کا شبہ ہوگیا تھا ' انہیں بھی پکڑ بلایا - پھر ان سب کو قید خانے میں ڈال دیا ' بعد میں قاضی اور محتسب کو تو اندھا [۲] کرادیا ' اور شیخ شمس‌الدین کو مع ان کے بیٹوں کے قید خانے ہی میں رکھا - اسی اثنا میں یہ معلوم ہوا کہ شیخ کے بیٹوں کا باغی ہندوؤں سے میل ہے بادشاہ نے انہیں طلب کیا اور کہا :—

بادشاہ—" اب تم باغیوں سے میل جول نہ رکھنا " -

لڑکے—" ہم تو باغیوں سے کبھی نہیں ملتے " -

بادشاہ—(غضب ناک ہوکر) " ارے ' انہیں جلاد کے پاس لے جاؤ "

بادشاہ—(قاضی سے) " شمس‌الدین کے بیٹوں کے ساتھی اور کون کون تھے ؟ "

قاضی—" جہاں پناہ ' یہ ' یہ ہندو تھے " - قاضی نے بہت سے ہندوؤں کے نام لکھ کر دے دئے -

بادشاہ—(غصے سے تھرا کر) " یہ شخص میری رعیت کو [۳] اُجاڑنا چاہتا ہے - اسے قتل کرو " قاضی فوراً قتل کر دیا گیا -

[۱]—کوئل سے مراد علی گڑھ ہے -

[۲]—قاضی کو بادشاہ نے آخر میں اندھا کرایا ہوگا ورنہ وہ نام لکھ نہیں سکتا تھا -

[۳]—جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ مسلمان بادشاہ ہندوؤں کو مارنا اور پیسنا چاہتے تھے اور کافر کشی کو ثواب جانتے تھے وہ اس واقعے پر غور کریں - سلطان محمد ہندوؤں پر کس درجہ مہربان ہے - ہندوؤں پر کوئی تہمت لگائی جائے یہ بھی اُسے گوارا نہیں - محض اس بنا پر کہ قاضی نے ہندوؤں کو باغی بتایا - اور سازش کے سلسلے میں بعض ہندوؤں کے نام لکھ دیئے سلطان نے قاضی کا گلا کٹوا دیا - اور ہندوؤں کے متعلق اسے ذرا بھی بدگمانی نہیں ہوئی -

شیخ علی حیدری ایک پہونچا ہوا فقیر تھا اور کھمبایت میں رہا کرتا تھا - بادشادہ کو اس پر بغاوت کا شبہہ ہوگیا - بادشاہ کے کان میں کسی نے یہ بات ڈال دی تھی کہ شیخ نے قاضی جلال باغی کے لئے دعا کی ہے اور برکت کی نیت سے اپنے سر کی ٹوپی بھی اُسے دے دی ہے - بادشاہ نے تحقیق کرنی چاہی ' اور اس غرض سے ایک کمیٹی بنائی جس میں بڑے بڑے عالموں اور فقیہوں کو شامل کیا - شرف‌الملک کو صدر بنایا - کمیٹی نے شیخ کے قتل کا فتوی دے دیا - جب جلاد نے شیخ کی گردن پر تلوار چلائی تو تلوار نہ چلی لوگوں کو بڑا تعجب ہوا - اُس وقت شرف‌الملک نے دوسرے جلاد کو حکم دیا جس نے بڑھ کر شیخ علی حیدری کی گردن جدا کر دی -

فرغانے کا شہزادہ طوفان اپنے بھائی کو لےکر سلطان محمد کے دربار میں آیا - سلطان نے ان دونوں پر بڑی عنایتیں اور نوازشیں کیں اور وہ دونوں محل کے قریب ہی رہنے لگے - کچھ عرصے کے بعد سلطان کو خبر ملی کہ وہ بھاگنے کی تیاریاں کر رہے ہیں - حکم دیا کہ اُن کے ٹکڑے ٹکڑے کردئے جائیں اور ان کا مال ضبط کرلیا جائے - حکم کی تعمیل ہوئی اور ان دونوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے گئے - ان کا مال اس شخص کے حوالے کر دیا گیا جس نے سلطان تک ان کے بھاگنے خبر پہونچائی تھی -

عین‌الملک کی بغاوت میں ملک‌التجار اور قطب‌الملک کے بیٹے گرفتار کر لئے گئے تھے - جب انہیں بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا تو حکم ہوا کہ ایک لکڑی میں ہاتھ باندھ کر انہیں لٹکا دیا جائے ' اور امیروں کے لڑکے اُن پر تیر چلائیں ' ایسا ہی کیا گیا ' اور وہ غریب تیر کھاکھا کر مرگئے - خواجہ امیر تبریزی سے نہ رہا گیا قاضی کمال‌الدین سے مخاطب ہوکر بولے " ملک‌التجار کا بیٹا تو قتل کا مستحق نہ تھا " .. بادشاہ تک یہ بات پہونچی تو اس نے خواجہ تبریزی کو طلب کیا اور کہا " تونے یہ بات پہلے سے کیوں نہ کہی ؟ " اتنا کہہ کر حکم دیا کہ خواجہ " کو دو سو کوڑے لگائیں جائیں اور قید خانے میں ڈال دیا جائے اور اس کا مال اسباب ضبط کرکے جلادوں کے سردار کو دے دیا جائے " - خواجہ تبریزی کئی مہینے قید رہا - جب رہا ہوا تو بادشاہ کو اُس پر رحم آگیا ' قدیمی منصب پر بحال کر دیا - تھوڑے دن بعد پھر ناراض ہوگیا اور اسے خراسان کی طرف نکال دیا - خواجہ تبریزی نے ہرات پہونچ کر ایک

عرضی لکھی جس میں توبہ کی اور واپس آنے کی درخواست کی - بادشاہ نے اُسے واپس آنے کی اجازت دے دی -

ایک مرتبہ سلطان محمد سفر میں تھا - دھلی کا خطیب الخطبا ساتھ ساتھ تھا - سلطان نے جواھرات کے خزانے کی نگرانی اس کے سپرد کر دی - اتفاق سے رات کو ڈاکا پڑ گیا اور جواھرات لٹ گئے - بادشاہ کو معلوم ہوا تو حکم دیا کہ " خطیب کو کوڑے لگائے جائیں - غریب کوڑے کھاتے کھاتے مرگیا " -

تاریخ مبارک شاھی میں سلطان محمد کی خوبیاں نام کو نہیں - ابن احمد نے سلطان کو شروع ھی میں خونی کا لقب دے دیا ھے جسے آخر تک نبھایا ھے - لکھا ھے کہ " یہ بادشاہ قتل کرنے اور سزائیں دینے میں بڑا اھتمام کرتا تھا - اُس نے عدالت کے اندر الگ الگ کمروں میں چار مفتی بٹھا دیئے تھے - جو کوئی گرفتار ھوکر آتا اس کے متعلق بادشاہ چاروں مفتیوں سے دریافت کرتا - انھیں پہلے سے یہ ھدایت کر دی تھی کہ اگر کوئی شخص ناحق قتل کر دیا گیا اور تم اس کے بارے میں حق بات کہنے سے قاصر رھے تو اس کا خون تمہاری گردنوں پر ھوگا - اس سبب سے چاروں مفتی قتل کا فتویٰ دینے سے پہلے بہت غور کرتے اور کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھتے - اگر وہ قائل ھو جاتے اور مجرم کا جرم ثابت ھو جاتا تو بادشاہ کے حکم سے مجرم کو فوراً سزا دی جاتی ' خواہ آدھی رات ھی کیوں نہ ھو - اگر بادشاہ خود قائل ھو جاتا تو پھر سزا کا حکم نہ دیتا - دوسرے دن مفتیوں کو طلب کرتا ' اور پھر بحث کرتا ' رات میں مقدمے کی روئداد پر خوب غور کرلیتا اور صبح ھوتے تک مفتیوں کی دلیلوں کا جواب سوچ لیتا - پھر جس وقت مفتی قائل ھو جاتے اُسی وقت مجرم کو قتل کرا دیتا ' اگر دوسری مرتبہ بھی بادشاہ قائل ھو جاتا تو پھر فوراً ملزم کو رھا کر دیتا - شرع کا اس قدر لحاظ اور قانون کی اتنی پابندی' نہ معلوم یہ بادشاہ کیوں کیا کرتا تھا ؟ رعیت کے آرام و آسائش کی غرض سے کرتا تھا یا کچھ اور غرض تھی ؟

کہتے ھیں کہ ایک دن سلطان محمد جوتیاں پہن کر دھلی کے قاضی کمال الدین صدر جہاں کی عدالت میں گیا ' اور یہ دعویٰ دائر کیا کہ " شیخ زادہ جامی نے مجھے ناحق ظالم کہا ھے - اُسے بلایا جائے اور باز پرس کی جائے - اگر وہ میرا ظلم ثابت کر دئے تو عدالت کو اختیار ھے کہ فیصلہ کرے اور شرع کے

مطابق حکم جاری کرے" - قاضی نے شیخ‌زادے کو طلب کیا ' بادشاہ بھی عدالت میں حاضر ہوا - قاضی نے مدعا علیہ سے دعوے کا جواب طلب کیا اور کہا -

قاضی—" شیخ جی ! تمہارے خلاف بادشاہ نے عدالت میں - بات کی نالش دائر کی ہے کہ تم نے اسے ظالم کہا ہے " -

شیخ زادہ جامی—" بیشک میں نے کہا ہے " -

بادشاہ—" شیخ صاحب - میرا ظلم کیا ہے ؟ بیان کیجئے " -

شیخ زادہ جامی—" اے بادشاہ تو حق ناحق سزائیں دیتا ہے - خیر جو سزائیں دیتا ہے اس کی ذمہ داری تو تیری ذات پر ہے - اور تجھے اس کی جواب دہی کرنی ہوگی مگر غضب تو یہ ہے کہ تو عورتوں اور بچوں کو پکڑ پکڑ کر جلادوں کے حوالے کر دیتا ہے اس غرض سے کہ وہ انہیں بیچ ڈالیں - بتا یہ ظلم ہے یا نہیں ؟ یہ تو کسی مذہب میں روا نہیں -

بادشاہ کو جواب بن نہ پڑا - خاموش رہ گیا - جب عدالت برخاست ہوگئی تو قاضی نے حکم دیا کہ شیخ زادہ دمشقی کو پکڑ کر لوہے کے پنجرے میں ڈال دیا جائے - حکم کی تعمیل ہوئی - شیخ پنجرے میں بند کر دئے گئے - جب بادشاہ دولت‌آباد کی مہم پر گیا تو وہ پنجرہ ہاتھی پر رکھ کر اپنے ساتھ لیتا گیا - جب دولت‌آباد سے لوٹا اور دہلی آیا تو وہ پنجرہ ساتھ ساتھ تھا - دہلی کی عدالت میں لاکر اُسے کھولا گیا اور شیخ جامی کے دو ٹکڑے کر دئے گئے -

سوائے تاریخ مبارک شاہی اور منتخبات‌التواریخ کے کسی اور تاریخ میں اس واقعے کا ذکر نہیں - منتخبات‌التواریخ میں بھی تاریخ مبارک شاہی سے نقل کیا گیا ہے - لیکن تاریخ مبارک شاہی کی روایت ضعیف ہے - بات یہ ہے کہ سلطان محمد اپنی زندگی ہی میں بہت بدنام ہو گیا تھا - یحییٰ بن احمد نے آسی (۸۰) برس بعد تاریخ مبارک شاہی لکھی اور بہت سی روایتیں جن کا پتہ نہ تاریخ فیروز شاہی میں ملتا ہے اور نہ سفر نامے میں ' لکھ دیں - مگر ان کے بارے میں کسی راوی کا نام تک نہیں دیا - شیخ زادہ جامی کے واقعے سے ہی اندازہ ہو سکتا ہے کہ تاریخ مبارک شاہی میں کتنا مبالغہ ہے یہ واقعہ ابن بطوطہ کے سفرنامے میں تاریخ مبارک شاہی کی نسبت صحیح صحیح ملتا ہے

ابن بطوطہ خود سلطان محمد کے دربار میں موجود تھا - اس کے بیان میں یحیی بن احمد کا یہ فقرہ کہ [۱] " اے بادشاہ.....غضب ہے ! تو عورتوں اور بچوں کو پکڑ پکڑ کر جلادوں کے حوالے کر دیتا ہے - اس غرض سے کہ وہ انہیں بیچ ڈالیں - کیا یہ ظلم ہے یا نہیں ؟ یہ تو کسی مذہب میں روا نہیں " - اور یہ فقرہ کہ " سلطان محمد نے شیخ زادہ جامی کو پکڑوا کر لوہے کے پنجرے میں ڈال دیا اور دھلی سے دولت‌آباد تک اور دولت‌آباد سے دھلی تک اُسے لئے لئے پھرا....." کہیں نظر نہیں آتا - یحیی نے یہ فقرے بغیر کسی حوالے کے لکھ دئے - اُنہی کو ملا بدایونی نے منتخبات‌التواریخ میں لکھ دیا - تعجب ہے ! اور کسی تاریخ میں شیخ زادہ جامی کے اس ظلم و ستم کا جسے صرف یحیی بن احمد نے اور ملا بدایونی نے لکھا ہے، پتہ بھی نہیں ملتا - ایسی حالت میں تاریخ مبارک شاھی کی روایتیں صحیح نہیں مانی جا سکتیں -

شیخ زادہ صرف لقب تھا - وہ شیخ احمد جام کی اولاد سے تھے اور دھلی میں رھا کرتے تھے اور خواجہ نظام‌الدین اولیا کے ھمسر اور حریف تھے - بہت لوگ ان کے معتقد تھے - لیکن جو ان کے معتقد تھے وہ خواجہ نظام‌الدین اولیا سے صاف نہ تھے - اور جو سلطان‌الاولیا حضرت نظام‌الدین سے عقیدت رکھتے تھے وہ شیخ زادہ جامی سے بد ظن رھتے تھے - سلطان قطب‌الدین مبارک شاہ خلجی اور سلطان غیاث‌الدین تغلق ' خواجہ نظام‌الدین اولیا سے صاف نہ تھے - اس سبب شیخ شہاب‌الدین کی طرف مائل تھے - سلطان محمد بن تغلق خواجہ نظام‌الدین اولیا کا معتقد تھا - شاید اسی سبب اُسے شیخ شہاب‌الدین جامی سے بد ظنی تھی -

طبقات اکبری کے مولف نظام‌الدین احمد بخشی نے سلطان محمد کی سیرت کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ حرف بحرف تاریخ فیروز شاھی سے لیا ہے - ملا بدایونی نے جو لکھا ہے وہ تاریخ مبارک شاھی سے لیا ہے - ان دونوں کا بیان ہے کہ سلطان محمد کی ذات میں متضاد صفتیں جمع تھیں - منتخبات‌التواریخ میں ہے کہ " اسی سبب لوگ اُسے خونی کہنے لگے - بعض کتابوں میں بھی اسے بجائے عادل کے خونی لکھا ہے " -

فرشتہ نے تاریخ فیروز شاھی اور تاریخ مبارک شاھی کی پیروی کی ہے - اس نے ضیاالدین برنی کی طرح پہلے تو سلطان محمد کی بخششیں اور

[۱]--سفر نامے سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ زادے کا اصلی نام شہاب‌الدین تھا -

بلند خیالیاں لکھی ھیں پھر اس کی خوبیوں ' برائیوں اور بد نسائیوں کی تصویر یوں کھینچی ہے " فصاحت ' شیریں زبانی اور خوش بیانی میں یہ بادشاہ اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا - فارسی اور عربی کی عبارتیں بے تکلف ایسی اعلیٰ درجے کی لکھتا تھا کہ نامی گرامی منشی اور اہل قلم حیران رہ جاتے تھے - اس کا خط نہایت خوش‌نما تھا ' اس کی تحریروں کو دیکھ کر فن خوش خطی کے اُستاد پھڑک جاتے تھے - بادشاہ سیاست ' تمدن اور ملک داری میں بڑا قابل تھا ' قواعد اور قوانین بنانے میں ملکہ رکھتا تھا ' طبیعت کی تیزی اور ذہن کی رسائی میں بے مثل تھا ' بلا کا مردم شناس تھا ' آدمی کی صورت دیکھتے ہی اس کے نیک و بد پر آگاہ ہو جاتا تھا ' دل کی بات تاڑ جایا کرتا تھا اکثر ایسا ہوا کہ اِدھر ایک شخص نمودار ہوا اُدھر اُس کا رتی رتی حال سلطان پر روشن ہو گیا - اُس شخص کو اپنا حال اپنی زبان سے بیان کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی -

سلطان محمد علم تاریخ میں ماہر تھا ' حافظہ بلا کا تھا ' بات کو ایک مرتبہ سن لینا شرط تھا ' پھر عمر بھر نہ بھولتا - شاھنامے کی حکایتیں ' ابو مسلم کے مقالے اور امیر حمزہ کے قصے اس کو نوک زباں تھے - فلسفے میں ' منطق میں ' نجوم میں ' ریاضی میں ' خاص کر طب میں اُسے بڑی مہارت تھی - بیماروں کا علاج کیا کرتا تھا - مرض کی تشخیص میں اور دواؤں کی تجویز میں دنیا کے مشہور مشہور طبیبوں کا مقابلہ کرتا ' اور اُن سے بحث کیا کرتا ' بحث کرتا تو طالب علموں کے طریقے سے' مگر ایسی قوی قوی دلیلیں پیش کرتا کہ حاذق حاذق طبیب خاموش ہو جاتے' انہیں جواب بن نہ پڑتا - بادشاہ ایک ایک کر کے ان کی غلطیاں نکالتا' اور ان کی تشخیص اور تجویز میں جو کمزوریاں ہوتیں وہ بتاتا - اسی طرح فلسفے اور منطق کے مضامین پر بھی بحث کرتا اور اس قسم کی بحثیں تو اکثر دربار ہی میں چھڑ جاتیں - سعد منطقی ' عبید شاعر ' نجم‌الدین انتشار اور مولانا علم‌الدین شیرازی جیسے فلسفیوں کے ساتھ بادشاہ بیٹھ جاتا اور نامور مصنفوں اور مشہور معروف عالموں کی کتابیں سامنے رکھ کر تقریر شروع کردیتا -

سلطان محمد کو مذہب کی لکھی ہوئی کتابوں پر کچھ عقیدہ نہ تھا - اسی وجہ سے شرع کے رت لینے والوں کی اور حدیثوں کو بے سمجھے بوجھے

ازبر کر لینے والوں کی اس کے دربار میں وقعت نہ تھی - یہ بادشاہ مذہبی کتابوں میں سے صرف وہ باتیں جو عقل کے مطابق ہوتی تھیں چن لیتا تھا - انہیں کو تسلیم کرتا ' باقی کو روک دیتا ' فارسی زبان میں شعر خوب کہتا اور قدیم شاعروں کا کلام سمجھ جاتا - شجاعت اور بہادری میں بے نظیر تھا ' بڑے حوصلے والا تھا ' ہر وقت نئے نئے ملک فتح کرنے کی فکر میں لگا رہتا - اس کا سارا زمانہ لڑائیوں ہی میں گزرا - مورخوں نے اسے دنیا کی عجائبات میں شمار کیا ہے -

اصل یہ ہے کہ سلطان محمد میں ایسی صفتیں جمع تھیں جو ایک دوسرے کی ضد تھیں ' اور ایسے وصف تھے جو ایک دوسرے کے مخالف اور برعکس تھے - وہ چاہتا کہ حضرت سلیمان کی سی بادشاہت کروں اور اُن کی مثل بادشاہت کے ساتھ نبوت کا درجہ بھی حاصل کروں - نبیوں کی سی خو بو پیدا کرلوں - شریعت کا پابند ہوکر دنیا پر حکومت کروں - سلطان محمد کو سچے اسلام کی' معرفت تھی اور وہ نیک نیتی سے شریعت کے مطابق عمل کرنا چاہتا تھا - پانچوں وقت کی فرض نمازیں جو پڑھتا سو پڑھتا - سنتی نمازیں بھی ترک نہ کرتا - نمازوں کی طرح اور عبادتوں میں بھی اس کا درجہ سب سے بڑھا رہتا - وہ نہ کبھی نشہ کرتا نہ زنا کرتا ' نہ اقلام کرتا - غرض سب حرام چیزوں سے پرہیز کرتا - لیکن قہر و سیاست میں ' خونریزی و تشدد میں وہ بے باک تھا - قہر کرنے پر یا سیاست اُترتا ' یا خون بہانے کی دھن ہوجاتی اور خلق خدا کو ستانے کی سما جاتی تو پھر کچھ نہ دیکھتا - شرع کے خلاف بھی کر بیٹھتا - ایسا معلوم ہوتا تھا کہ روئے زمین سے نسل انسانی کو مٹا دیگا - کوئی ہفتہ ایسا نہ گزرتا تھا کہ خدا کے ماننے والوں کو ' توحید پر ایمان رکھنے والوں کو ' سیدوں کو ' درویشوں کو ' قلندروں کو ' صوفیوں کو ' اہلکاروں کو' منشیوں کو اور لشکریوں کو سزایں نہ دیتا ہو - اور ان کا خون نہ بہاتا ہو " .

حاجی الدبیر [۱] نے لکھا ہے کہ ضیاالدین برنی کے نزدیک محمد شاہ بڑا عاقل ' فاضل اور کامل بادشاہ تھا - طبیعت کا تیز تھا اور دل کا سخی تھا - خوش بیان اور شیریں زبان تھا - سننے والے کبھی اس کا بیان سننے سے نہ

[۱]—حاجی الدبیر کے بیان میں بعض باتیں ایسی ہیں جن کا اس تاریخ فیروز شاہی میں جو رائل ایشیاٹک سوسائٹی سے چھپی ہے نام نشان تک نہیں - اسی سبب یہاں حاجی الدبیر کی پوری عبارتوں کا ترجمہ کیا گیا ہے -

گھبراتے ، اور وہ بخششیں کرنے سے کبھی نہ اکتاتا ، اور سلطنت کے کاموں سے کبھی جی نہ چراتا - تاریخ کی کتابیں سکندر نامہ ، ابو مسلم نامہ ، اور تاریخ محمودی وغیرہ ہر وقت اس کے سامنے رہتیں جن کا وہ مطالعہ کیا کرتا - قوت انتظامیہ اُس میں اعلیٰ درجے کی تھی اور حافظہ بلا کا تھا - ایک دفعہ کی سنی ہوئی بات کبھی نہ بھولتا ، کسی شخص کو ایک مرتبہ دیکھ لیتا تو عمر بھر یاد رکھتا - علم طب میں بھی کمال رکھتا تھا ، مریضوں کا علاج کیا کرتا تھا ، مباحثے میں فرد تھا ، مناظرے میں بے نظیر تھا ، مثلیں بیان کرنے اور تشبیہیں دینے میں بے مثال تھا ، گویائی میں لاثانی تھا - اگر فلسفے میں نہ اُلجھتا اور سعد منطقی ، عبید شاعر ، نجم انتشار اور علم‌الدین جیسے فلاسفر اس کو فلسفے اور منطق کا پابند نہ بنالیتے اور فلسفے کا میلان اور فلسفیوں کی ہم‌نشینی اُسے شریعت کی مخالفت پر آمادہ نہ کردیتی تو وہ امام‌العلوم کا رتبہ پاتا - مگر فلسفے نے سلطان محمد کو حکیم نامی فلاسفر کی روش پر ڈال دیا تھا اور شریعت کے دائرے سے باہر نکال دیا تھا ، اور خلقیوں کی خونریزی پر آمادہ کردیا تھا - یہی وجہ تھی کہ اُس نے شریعت و طریقت کے عالموں کی اور صوفیوں اور درویشوں کی ایک بڑی جماعت کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا - اس کے دربار میں فلسفروں کا ایک ایسا گروہ رہا کرتا تھا جو لوگوں کو حکیم فلسفی کے مذہب کی ترغیب دلاتا - اُن سے اُس کو بڑا اُنس تھا ، اور اُنھیں اس کے بل پر بڑا گھمنڈ تھا - یہ لوگ جس کسی پر بحث میں غالب آجاتے اُسے اپنا ہم خیال بنا لیتے - اگر وہ ان کا ہم خیال نہ بنتا تو اُسے قتل کرائے بغیر نہ رہتے - بعض مسلمانوں کو مثلاً قلندروں کو ، درویشوں کو ، کاتبوں اور منشیوں کو ، دستکاروں کو ، ملازم پیشہ لوگوں کو اور سپاہیوں کو جاہلوں میں شمار کرلیا گیا تھا - ان کے قتل کا تو کوئی حساب ہی نہ تھا - روز قتل ہوتے تھے - رفتہ رفتہ علم و فضل والوں کی نوبت آگئی - وہ بھی قتل کئے جانے لگے - کوئی ہفتہ نہ گزرتا تھا بلکہ کوئی دن ایسا نہ جاتا تھا جس میں علمائے شریعت کی گردنیں نہ کاٹی جاتی ہوں - علماء کا جرم سوائے اس کے کچھ نہ تھا کہ وہ علم غیر معقول کی حمایت کیا کرتے تھے - بادشاہ علم معقول کا حامی تھا -

خونریزی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ جو کچھ سلطان محمد کے دماغ میں آجاتا تھا اُسی کا وہ حکم دے دیتا - حکم کی تعمیل رعیت پر

فرض تھی ' اور اس بارے میں وہ رعایا پر جبر بھی کرتا - اس کی بلند خیالیاں شرع کے خلاف ہوتیں جنھیں اہل شریعت سمجھ نہ سکتے اور جن پر وہ عمل نہ کرسکتے تو بادشاہ ان کو اپنا دشمن سمجھنے لگتا ' اور ان پر بغاوت کا شبہہ کرنے لگتا - بغاوت کی سزا موت تھی ' لہذا اہل شریعت پر حجت قائم ہوجاتی اور ان کا خون حلال ہو جاتا -

سلطان محمد کی خونریزی اس حد تک پہونچ گئی تھی کہ اگر وہ مفتیوں سے کسی شخص کے بارے میں فتویٰ طلب کرتا تو ان کی زبان سے بے گناہ کے حق میں بھی یہی نکلتا " حضور جہاں پناہ - یہ واجب‌القتل ہے اس کا قتل جائز ہے بلکہ واجب ہے " مفتی نفس امر کو صاف صاف لفظوں میں کیا گول گول الفاظ میں بھی نہ کہہ سکتے تھے -

ضیاالدین برنی کا قول ہے کہ " سلطان محمد کے دربار میں ہم سب نمک حرام جمع ہو گئے تھے - ہمیں حرام حلال کی تمیز تھی ' اور علمائے دین کی خونریزی سے اختلاف و انحراف کی قدرت بھی تھی ' مگر کرتے کیا ؟ دنیا کی حرص اور بادشاہ کی نزدیکی کے لالچ نے ہمیں ان سب باتوں سے روکے رکھا - اور سیاست کے وقت حق نہ کہنے دیا ' پیاری جان کے خوف نے اور مٹنے والی زندگی کی چاہت نے بیجا باتوں پر بھی ہمیں مخالفت بادشاہ کی نہ کرنے دی........کاش ہم خاموش ہی رہتے ! مگر خاموشی کیسی' ہم تو بادشاہ کی موافقت میں بولا کرتے تھے ' اور تاریخی نظیروں اور کمزور روایتوں کے ذریعہ اُسے قتل پر اُبھارا کرتے - اسی کی پاداش میں آج میری یہ گت بنی ہے - کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ جی حضور کہنے والوں اور حق ناحق تائید کرنے والوں پر وبال آجائےگا ! اوروں کی میں کیا جانوں ' اپنی تو میں کہتا ہوں کہ اِنھیں کرتوتوں کی پاداش میں میری یہ حالت ہوگئی ہے کہ میری دولت افلاس سے بدل گئی ' میری شہرت گمنامی بن گئی ' احتیاج نے مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا ' ہر ایک کے سامنے گڑگڑانے کی نوبت آگئی ہے - آہ ' یہ ذلت ہے ذلت ' رسوائی ہے رسوائی ' افسوس ! جوانی میں مجھے کچھ خبر نہ ہوئی - بڑھاپے میں آنکھیں کھلیں جب نفس میں دنیا کی نعمتوں سے لذت اُٹھانے کا مادہ نہ رہا ' اور اُن دکھ دردوں نے آ گھیرا جن کو نفس اپنے اِختیار سے ہرگز قبول نہ کرتا - یہ تو دنیا میں ہوا - ع - آخرت کی خبر خدا جانے -

خیر - اُسی کے بندے ہیں ' اُسی کے دربار میں پیش ہونا ہے ' اُسے اختیار ہے مارے یا چھوڑے - یہ بھی بتادوں کہ اس قدر مغز زنی میں نے کی کیوں ؟ بات یہ ہے کہ میں اُن لوگوں میں سے ہوں جن کو سلطان محمد کے انعامات سے حصہ ملا ہے اور جو کچھ مجھے اُس کے دربار سے ملا وہ تو مجھ کو کبھی کہیں اور سے ملا ہی نہیں ' بلکہ سلطان محمد کے مرجانے کے بعد اُس کے عہد کی نعمتیں پھر مجھے خواب تک میں بھی دیکھنی نصیب نہ ہوئیں - اس سبب میرا دل سلطان محمد کے لئے دکھتا ہے - اس میں سب طرح کی فضیلتیں تو تھیں ہی ' اگر فلسفے سے وہ اور بچا رہتا تو میں دعوے سے کہہ دیتا کہ اُس جیسا بادشاہ دنیا کے پردے میں نہیں ہوا -

میں سترہ سال اور تین مہینے تک سلطان محمد کے خدمت میں رہا ' اور اس مدت میں سلطان محمد کا ابر کرم مجھ پر برابر برستا ہی رہا ' لیکن میں ایک غفلت اور بےخودی کی سی حالت میں رہا - میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں سلطان محمد کا شکریہ ادا کرنے بیٹھوں تو کیا کہوں اور کن لفظوں میں شکریہ ادا کروں ؟ میں نے اسے نالائقوں ' کم اصلوں ' کم حسبوں ' بدذاتوں ' شریروں ' رذیلوں ' کمینوں اور نمک حراموں کی مذمت کرتے بارہا سنا تھا - وہ کہا کرتا تھا کہ ایسے لوگوں میں تربیت کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی - شر اور فساد کے سوا اُن سے کچھ ہو ہی نہیں سکتا - وہ خود ایسے آدمیوں سے بچتا رہتا - باوجود اس کے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اُس نے بد اصل ' کمینے ' گوّیے کے لونڈے عزیز حمار کو اتنا رتبہ بخشا کہ اس کو بڑے بڑے امیروں سے بھی بڑھا دیا - گجرات ' ملتان اور بدایوں کی حکومت اس کے حوالے کردی - اس کے بھائی کو بھی بڑی عزت دی ' فیروز حجام کو بھی بڑے مرتبے پر پہونچایا - منکلا باورچی کو ' لدھا باغبان کو اور ایسے ایسے بھکھرے کمینوں کو بڑی بڑی ذمہ داری کے عہدے دے دئے - نقو جولاہے کے بیٹے شیخ بابو کو اپنا مقرب بنا لیا ' اور پیرا مالی کو جو ہزار کمینوں کا ایک کمینہ تھا وزارت کا عہدہ دے دیا ' اور مقبل کو جو احمد ایاز کے غلاموں میں سے پرلے درجے کا کمینہ تھا ' گجرات کا نواب بنا دیا - اسی طرح بہت کچھ کیا - اب سلطان محمد کی باتوں پر کس طرح تعجب نہ ہو - وہ ملکی سیاست میں تو نوشیرواں اور قیصر کے ہم دوش تھا ' اور عمل و عقل میں بزرجمہر کے برابر تھا ' لیکن میدان عمل اور میدان سیاست میں وہ سب پر

فوق لے گیا تھا - سب حدوں سے گزر گیا تھا - مختصر یہ کہ وہ اس حد کو پہونچ گیا تھا کہ سلطنت میں خلل پیدا ہونے لگا - کمینوں کو اس نے اتنا سر پر چڑھا لیا کہ خدا کی خدائی ان کی چوکھٹوں کو چومنے لگی - سلطان محمد کے ان فاسد منصوبوں اور حرکتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنی ایک چوتھائی سلطنت کھو بیٹھا -

اُس نے اسلام میں مکروہ اور ناپسندیدہ باتوں کو رواج دے دیا ' اور خرابیوں اور برائیوں کو رائج کر دیا - اس کی قلمرو میں جو شکر گزار تھے نافرمان بن گئے اور جو ناشکرے تھے وہ باوجود انعام و اکرام کے باغی ہوگئے - میں نہیں سمجھ سکتا کہ سلطان محمد کو شریعت کی بیخ‌کنی اور بربادی پر اتنی جرات کیسے ہوگئی ؟

سلطان محمد میں خوبیاں بھی تھیں - ایک خوبی یہ تھی کہ ادھر اذان کی آواز اس کے کانوں میں پہونچی اُدھر وہ دربار میں سے اٹھ کھڑا ہوا ' اور جب تک اذان ختم نہ ہوجاتی کھڑا ہی رہتا - ختم ہوجاتی تو کھڑے ہی کھڑے دعا مانگتا - صبح کی نماز کے بعد سورج نکلنے تک برابر وظیفے پڑھا کرتا - اور جب حرم‌سرا میں جانیکا ارادہ کرتا تو خواجہ سراوں کو آگے آگے بھیج دیتا تاکہ نامحرم عورتیں سامنے سے ہٹ جایں - لڑکپن میں اُس نے قتلغ خاں سے کچھ پڑھا تھا ' اس سبب وہ اس کا بے حد ادب کیا کرتا تھا اور جتنی زیادہ اطاعت وہ اپنی والدہ مخدومہ جہاں کی کیا کرتا تھا اتنی تو کسی دوسرے سے ممکن ہی نہ تھی غرض سلطان محمد میں ایسی صفتیں تھیں جو ایک دوسرے کی بالکل ضد تھیں - اس سبب اس کی ذات عقل میں نہیں آتی اور اس کے سمجھنے سے پریشانی ہی پریشانی اور حیرت ہی حیرت ہوتی ہے - اپنی بابت تو مجھے یقین ہے کہ میں سلطان محمد کو نہیں سمجھ سکا - اس سبب سوائے اس کے اور کچھ نہیں لکھ سکتا کہ سلطان محمد روئے زمین پر خدا کی بنائی ہوئی عجائبات میں سے عجوبہ ترین تھا -

میں تاریخ فیروز شاہی کا مولف ہوں لیکن میں سلطان محمد کی متضاد صفتوں کو دیکھ دیکھ کر سخت حیرت میں ہوں - میں اس کے متضاد وصفوں اور صفتوں میں سے کسی وصف یا صفت کو یقینی طور پر

اس کی ذات کے ساتھ مخصوص نہیں کرسکتا اور کروں بھی کیوں کر ؟ میں دیکھتا ہوں کہ ایک طرف تو بادشاہ شریعت کا پکا معتقد ہے اور ایسی سختی سے اسپر کاربند ہے کہ اس نے اپنا نام بھی " محمد " رکھا ہے - اور باوجودیکہ " محمد " کا نام اور سب ناموں کی نسبت زیادہ وقار اور زیادہ احترام والا ہے - ان تمام بادشاہوں سے جن کا نام محمد تھا وہ برابر کراہت کرتا رہا اور ان کی عیب جوئی کرتا رہا - یہ میری آنکھوں دیکھی بات ہے - اس کے ساتھ یہ بادشاہ عباسیوں کا خواہ وہ مردہ کیوں نہ ہوں اتنا احترام کرتا ہے کہ غلاموں کے غلام بھی اپنے آقا کا اتنا احترام گوارا نہ کرینگے - باوجود اس سب کے کوئی دن ایسا نہیں جاتا جس دن دربار میں مسلمانوں کا خون بہایا نہ جاتا ہو اور لاالہ‌الااللہ و محمد رسول‌اللہ کہنے والوں کو بلا وجہ اور بےقصور تہ تیغ نہ کیا جاتا ہو - یہ بات بھی میری چشم دید ہے -

اس بادشاہ نے اپنی زیر نگرانی ایک دیوان سیاست قایم کیا ہے اور اس کا انتظام اُن لوگوں کے سپرد کیا ہے جو علم کلام کے دلدادہ ہیں - ایسے دل‌دادہ ہیں کہ علم کلام کی خاطر اسلام کو چھوڑ بیٹھے ہیں - ایسے ہی لوگوں کو بادشاہ نے دیوان سیاست کل کا کل سونپ دیا ہے - انہیں کو مفتی بھی بنایا ہے اور قاضی بھی - منصف بھی اور محتسب بھی - ان کے مذہب سے جو شخص نکل جاتا ہے اس کے قتل کے وہ لوگ درپے ہو جاتے ہیں اور صرف اسی کے قتل پر بس نہیں کرتے جو اُن سے الجھا ہو یا جس نے اُن سے مناظرہ اور مباحثہ کیا ہو بلکہ ان کو تو اہل توحید ہی سے دشمنی ہوگئی تھی - اہل توحید کے خلاف مقدمے دائر کیا کرتے اور جھگڑے کھڑے کردیا کرتے - لوگوں کی جانوں پر بن رہی تھی - عذاب اُن پر ٹوٹ رہا تھا - مختصر یہ کہ جس وقت تک یہ دیوان سیاست بنا رہا اور شاہی نمایندے برقرار رہے بندگان خدا مصیبت ہی میں رہے - میں حیران ہوں سلطان محمد کے متضاد وصفوں میں سے کس وصف کا یقین کروں - میں تو جب اس کا خیال کرتا ہوں اور اس کی باتوں کو یاد کرتا ہوں تو بس یہ کہہ دیتا ہوں کہ خدا نے سلطان محمد کو ایک اعجوبہ فرد بنا دیا تھا - اس کی صفتیں ایک دوسرے کی برعکس تھیں - میری سمجھ میں اور میرے قیاس میں تو ایک بھی نہیں آئی " -

حاجی‌الدبیر نے سولھویں صدی عیسوی میں تاریخ فیروز شاہی کا مطالعہ کیا تھا اور اس کی مذکورہ بالا عبارتوں کا فارسی سے عربی میں ترجمہ

کہا تھا مگر اس نے سلطان محمد کو نہ ظالم بتایا نہ دیوانہ اور نہ خونی - انیسویں صدی آئی تو تاریخ فیروز شاہی کی عبارتوں کا انگریزی میں ترجمہ کیا گیا - اس کی بنا پر یورپ کے مورخوں نے سلطان محمد کو ظالم ' خونی اور دیوانہ لکھدیا ' گارڈنر براون نے غور سے کام لیا تو کچھ اور ہی نظر آیا - جہاں الفنسٹن - لین پول اور اسمتھ کو برائیاں ہی برائیاں دیکھائی دی تھیں وہاں گارڈنر براون کو خوبیاں جھلکنے لگیں اور اس بات کا یقین ہوگیا کہ ضیاالدین برنی نے سلطان محمد کی تصویر کو بدنما کردیا ہے - کرنیل ھیگ کا بھی ایسا ہی خیال نظر آتا ہے - مگر ابھی تک یہ کھلنے نہیں پایا کہ ضیاالدین برنی نے سلطان محمد کی تصویر کو بدنما کیا تو کیوں ؟

ضیاالدین برنی نے سلطان محمد کی تاریخ اس عنوان سے لکھی ہے کہ پڑھنے والے کے دل پر اس کی خونریزی ' سفاکی اور بےرحمی نقش ہوجاتی ہے - اس کی خوبیوں اور فضیلتوں کا دل پر ذرا اثر نہیں ہوتا - یہی ضیاالدین برنی کا کمال ہے' یہی اس کی سحر بیانی ہے' جسکا اس کو دعوی ہے - ضیاالدین برنی جس بات کو بیان کرتا ہے اس کا بالکل نقشہ کھینچ دیتا ہے - ایسے مناسب الفاظ لکھتا ہے ' ایسی ترتیب سے لکھتا ہے اور ایسے دلکش پیرائے میں لکھتا ہے کہ پڑھنے والا محو ہو جاتا ہے - اور آخر میں وہی رائے قائم کرلیتا ہے جو ضیاالدین برنی قائم کرانا چاھتا ہے -

عام آدمی یہ نہیں سمجھ سکتے کہ ضیاالدین برنی سلطان محمد سے آزردہ تھا - اکثر کا یہ خیال ہے کہ ضیاالدین برنی سلطان محمد تغلق کی مذمت بھلا کیوں کرتا ؟ وہ تو سترہ برس سے زیادہ اس کے دربار میں رہا ' اور اس کی بخششوں سے مالامال ہوتا رہا - اسی کا قول ہے کہ " جو نعمتیں مجھے اس بادشاہ سے ملیں وہ مجھے خواب میں بھی دیکھنی نصیب نہ ہوئیں ' برخلاف سلطان محمد کے سلطان فیروز شاہ نے ضیائے برنی کی بالکل قدر نہ کی - یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ضیاالدین برنی اپنے اس مربی اور محسن کی ہجو کرے جسکے احسانات کا وہ تہ دل سے شکر گزار ہے " ایسا کہنے والے ضیاالدین برنی کی اس قابلیت سے واقف ہیں وجو اسے تاریخ نویسی میں بدرجہ کمال حاصل تھی ' مگر اس کی شخصیت اور ذہنیت سے بالکل واقف نہیں -

ضیاالدین برنی لکھتا ہے کہ " میں ایک معزز خاندان سے ہوں - میرے باپ دادا کا گھرانا خوش حال تھا - میرے یہاں اکثر مہمانداری ہوا کرتی

تھی " - معلوم ہوتا ہے کہ ضیاالدین برنی کے بزرگ برن کے رئیس تھے - اس کا نانا حسام‌الدین بلبنی لشکر کا سپہ‌سالار تھا - اس کے باپ اور چچا کا شمار جلالی امرا میں تھا - سلطان جلال‌الدین خلجی نے ضیاالدین برنی کے باپ کو موید‌الملک کا اور اس کے چچا کو علاءالملک کا خطاب دیا تھا - موید‌الملک سلطان جلال‌الدین خلجی کے منجھلے بیٹے ارکلی خاں کا نایب مقرر ہوا - اور علاءالملک سلطان جلال‌الدین خلجی کے بھتیجے علاءالدین کا مقرب خاص بنا - اور اس کے ساتھ کڑے میں رہنے لگا - جب علاءالدین دیو گڑھ گیا تو اس نے علاءالملک کو کڑے میں اپنا نائب بنایا - جب اُسے دھلی کا تخت مل گیا تو اس نے علاءالملک کو کڑے اور اودھ کا - اور موید‌الملک کو برن کا جاگیردار بنا دیا - علاءالملک سے سلطان علاءالدین خلجی کو بہت خصوصیت تھی - وہ اس کی جدائی گوارا نہ کر سکتا تھا ' اس لئے جب خود دھلی میں رہنے لگا تو علاءالملک کو بھی وھیں بلا لیا اور شہر کا کوتوال بنا دیا - اُس وقت سے کڑے اور اودھ کا انتظام علاءالملک کے نائب کرنے لگے - علاءالملک اس قدر موٹا تھا کہ زیادہ چل پھر نہ سکتا تھا - مہینے میں ایک دفعہ بادشاہ کو سلام کر آتا تھا - علاءالدین اکثر اس سے مشورہ کیا کرتا - اس کی بات مان لیتا اور اُس کی رائے پسند کرتا اور اسی پر عمل کرتا - اس کی نظر میں علاءالملک کی وفاداری نیک نیتی اور نمک حلالی کُھپ گئی تھی - علاءالملک کہا کرتا تھا کہ " ھمارا سارا خاندان تخت علائی سے وابستہ ہے - بادشاہ کی سرسبزی و شادابی ھی میں ھماری اصلاح اور بہبودی ہے " - جب علائی دور ختم ہوا اور تغلق خاندان کا دور شروع ہوا تو علاءالملک اور موید‌الملک کا انتقال ہو چکا تھا - اب سارے خاندان کی ناک ضیاالدین برنی ھی تھا -

ضیاالدین برنی عہد بلبنی کے آخر میں پیدا ہوا تھا - عہد جلالی میں اس کا باپ موید‌الملک شہزادہ ارکلی خاں کا نائب تھا اور کیلوکھڑی میں رہا کرتا تھا - وھیں اُس نے ایک بڑی حویلی بنا لی تھی - وھیں ضیاالدین بڑا ہوا اور سن شعور کو پہونچا - اس کا بیان ہے کہ " عہد جلالی میں میں نے قرآن شریف ختم کیا ' لکھنا پڑھنا سیکھا اور ابا جان کی خدمت میں آنے جانے والوں کی صحبت میں بیٹھنا شروع کیا " - وہ باتیں جو ضیاالدین برنی نے اُن لوگوں سے سنیں بڑھاپے تک اس کے ذھن نشین رھیں - سلطان علاءالدین

خلجی تخت نشین ہوا تو ضیاالدین برنی گیارہ سال کا تھا - عہد علائی ختم ہوا تو اس کی عمر بتیس (۳۲) سال کی تھی - اس وقت تک زمانہ موافق تھا - خوشحالی اور آسودہ حالی تھی - اگرچہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا ' اور چچا کا بھی انتقال ہو چکا تھا ' پھر بھی خدا کا فضل تھا - بے فکری تھی - برن کی جاگیر اب بھی موجود تھی ' سب عزیز اور رشتےدار خوش حال تھے - سلطان غیاث‌الدین تغلق کے عہد میں بھی بے فکری اور اسودہ حالی رہی - سلطان محمد تخت نشین ہوا تو اس نے برن کا علاقہ دھلی کے صوبے میں ملا لیا - ضیاالدین برنی کو نہ جاگیر دی نہ نوابی - مگر سلطان کی عطا و سخا ضیائے برنی پر ہوتی رہی اور ضیاالدین کو معاش کی طرف سے اب بھی بے فکری رہی - جلوس کے آٹھویں سال اس کا داخلہ درباریوں میں ہوگیا اور وہ پایۂ تخت میں رہنے لگا - خدا کا فضل تھا ' بادشاہ کی نظر عنایت تھی ' مگر ضیاالدین برنی کے گھر میں روپئے پیسے کی ریل پیل نہ تھی - اور وہ اپنے باپ کی طرح کوئی حویلی نہ بنا سکا -

موجودہ زمانے کے مورخوں نے ضیاالدین برنی کو بڑا عالم فاضل مانا ہے - مگر یہ ان کی غلطی ہے ' وہ تو معمولی لیاقت کا آدمی تھا ' اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں - اس کا گھرانا کا گھرانا ہی ایسا تھا - سلطان علاءالدین خلجی نے ضیاالدین برنی کے چچا علاءالملک سے کہدیا تھا " علاءالملک ! تمھارا شمار منشیوں اور محرروں میں ہے - اس سے زیادہ تمھارا علم نہیں - تمھارے باپ دادا بھی اتنے ہی تھے " - ضیاالدین برنی کی علمیت اوسط درجے کی تھی - فارسی اس کی مادری زبان تھی - عربی سے اسے شد بد تھی - فقہ اور شریعت سے اس کو رسمی واقفیت تھی - وہ نہ عالم تھا - نہ عامل ' البتہ زمانہ ساز تھا اور خوش‌دل ' تاریخ فیروز شاہی گواہ ہے کہ سلطان معزّالدین کیقباد کے زمانے کا عیش و طرب بیان کرتے کرتے ضیاالدین برنی کے دل میں جوانی کی لہریں اٹھنے لگیں - اس کا اپنا قول ہے کہ " مُعزّی زمانے کے عیش و طرب کا حال لکھتے لکھتے میں مدھوش ہوا جاتا ہوں - اگرچہ اب میرا بڑھاپا ہے اور ایک دانت بھی میرے منہ میں باقی نہیں رہا - زمانہ بھی مخالف ہے اور عرصے سے حاسدوں اور دشمنوں کی مار کھاتے کھاتے میرا یہ حال ہوگیا ہے - مجھے جوانی کی خوشیاں پھر یاد آرہی ہیں - آہ ! آہ ! ایک زمانہ میرا وہ تھا کہ میری محفل میں خوبصورت نازنین ' خوش طبع اور ظریف سفید سفید پنڈلیوں

والی حسن کی پریاں ' بوٹا سے قد والے ساقی ' نیلے نیلے ہونٹوں والے اور گورے گورے گالوں والے لڑکے اور گانے بجانے والے مشہور اور نامور غزل خواں کثرت سے رہا کرتے تھے - یہ بات میرے دل میں کانٹے کی طرح کھٹک رہی ہے کہ آج کچھ تو ایسے حسینوں کے نہ ملنے کے سبب اور کچھ اپنی مفلسی کے باعث میں ذلیل و خوار ہوکر ایک گوشے میں جا پڑا ہوں - کوئی میرا پوچھنے والا بھی نہیں - کیا کروں ؟ خدایا ! تاریخ کی یہ کتاب کس کے پاس لے جاؤں " -

اس کے علاوہ ضیاالدین برنی نے عہد معزي کے عیش و طرب کو اور حسینوں کے حسن و جمال کو اور ان کی غزلوں کو ایک علیحدہ کتاب میں مفصل بیان کیا جس کا نام تبۃالتواریخ رکھا - سلطان محمد مردم شناس تھا - اُس نے ضیاالدین برنی کی قابلیت کا ٹھیک اندازہ کرکے اُسے دربار کے منشیوں میں داخل کرلیا ' جہاں اس پر انعام و اکرام ہوتا رہا - انہیں دنوں اس کی تاریخ دانی کی شہرت ہوئی - اُس نے تاریخ کی ایک کتاب لکھی جو تاریخ برامکہ کے نام سے مشہور ہوئی ' اور اس وقت تک موجود ہے - سلطان محمد تک یہ خبر پہونچی تو اس کے ضیاالدین کو وقتاً فوقتاً اپنے پاس بلانا شروع کیا -

تاریخ نویسی ضیاالدین برنی کا خاندانی اور موروثی فن نہ تھا ' بلکہ ذاتی تھا - اُس نے خود ہی حاصل کیا تھا اُسے فطرتاً تاریخ کا شوق تھا - عہد جلالی اور عہد علائی میں اُس نے تاریخ کی کتابیں پڑھ لی تھیں اور اپنی معلومات بڑھالیں تھیں - اسی بنا پر سلطان محمد نے اس کی توقیر کی اور آخر میں اس کا رتبہ اور بڑھایا اور تقرب بخشا -

سلطان محمد کو بھی تاریخ کا شوق تھا - اس وجہ سے اُس کے اور ضیاالدین برنی کے درمیان مناسبت سی ہوگئی - مذہبی اعتبار سے بھی یکجہتی تھی - دونوں حنفي مذہب کے سنی تھے - مگر ضیاالدین برنی علماء پرست اور تنگ نظر تھا - اس کے نزدیک عالموں ' فقیہوں ' سیدوں ' صوفیوں اور درویشوں کی بڑی وقعت تھی - سزا دینی تو کیسی اُن سے باز پرس بھی نہ کی جاسکتی تھی ؟ کم اصلوں کی اور نیچ ذات والوں کی کچھ عزت اور کوئی منزلت نہ تھی - سلطان محمد فراخ دل ' بلند حوصلہ اور عالی همت تھا - اس کی نظر وسیع تھی اور اس کی واقفیت بڑی تھی - وہ عالم بھی تھا اور عامل بھی - تعصب سے اور تنگ نظری سے اُس کو نفرت تھی - اس کے نزدیک سب انسان برابر تھے '

خواہ سید ہوں یا غیر سید ' مسلم ہوں یا غیر مسلم ' اونچے طبقے کے ہوں یا نیچے طبقے کے - صرف علم و عمل کے ذریعے ان کے مدارج بڑھ سکتے تھے جتنا زیادہ کوئی شخص علم و عمل میں بڑھا ہوا تھا اتنا ہی زیادہ عزت و منزلت کا وہ مستحق تھا - اگر سلطان محمد نے ہندوؤں کو علم و عمل والا پایا تو انہیں بھی عزت دی اور تقرب بخشا - ابن بطوطہ نے دیکھا کہ بعض جوگیوں کو سلطان کی خلوتوں میں جانے کا شرف حاصل تھا - رتن ' کشن اندری ' اور دھارا دھر کو سلطان محمد نے اہل پایا تو انہیں حکومتیں دیں اور مسلمانوں کے اوپر فرماں‌روا بنایا - اسی طرح باہر سے آنے والوں کو ہندوستان کے رہنے والوں سے زیادہ قابل پایا تو انہیں ترجیح دینی شروع کی - سلطان محمد کے نزدیک علماء ' سادات اور صوفی معصوم نہ تھے ' اور خطا سے پاک نہ تھے - ان کی جانچ کرنا ' اچھی باتوں اور اچھے کاموں پر جزا دینا اور بری باتوں اور برے کاموں پر سزا دینا بادشاہ کا فرض تھا - عزت و منزلت کسی کے ورثے میں آنے والی شے نہ تھی بلکہ ذاتی قابلیت ' لیاقت اور اہلیت پر منحصر تھی - بڑے بڑے عہدے صرف اونچے درجے کے آدمیوں کے لئے مخصوص نہ تھے - نیچے درجے کے آدمی بھی ذاتی قابلیت کی بدولت بڑے بڑے عہدوں تک پہونچ سکتے تھے - سلطان محمد خود بھی ایک زمانے میں نیچے درجے کا آدمی تھا - اس کا باپ گڑریا تھا - جب سلطان نے خود نیچے درجے سے ترقی کی تھی تو اور آدمی کیوں ترقی سے محروم رکھے جائیں ؟ - محض اس وجہ سے کہ ایک شخص جولاہے کے گھر میں پیدا ہوا ہے اور اِس وجہ سے کہ وہ ہندو ہے یا ہندو گھرانے میں پیدا ہوا ہے ' اور ہندوؤں میں بڑھا اور پلا ہے ' اس کا جوہر خاک میں ملا دیا جائے ' اور قابلیتیں نظر انداز کردی جائیں ' اور ترقی کے زینے تک اس کو پہونچنے بھی نہ دیا جائے - یہ بات سلطان محمد کو نا گوار تھی - اس نے سمجھ لیا تھا کہ اسلام میں ذاتوں کی کوئی تفریق نہیں اور خاندانی وقار کوئی وقار نہیں - وہ جانتا تھا کہ بقول حضرت امیر " صورت کے لحاظ سے سب آدمی یکساں ہیں - وہ سب کے سب آدم کی اولاد ہیں - حسب نسب کی بزرگی کوئی بزرگی نہیں - جو لوگ حسب نسب پر اتراتے ہیں وہ اصل میں مٹی اور پانی پر اتراتے ہیں - حسب کی نسب حقیقت بس اتنی ہی ہے " حضرت نے فرمایا کہ " اگر مجھ سے کوئی پوچھے کہ میں کس بات پر

فخر کرتا ہوں تو میں یہ کہونگا کہ میں اپنی ذاتی خوبیوں پر ' بزرگیوں پر ' اپنی فراغ دلی پر ' اور اپنے رتبے کی بلندیوں پر نازاں ہوں - بزرگی تو علم والوں ہی کے لئے ہے - انہیں پر کل بزرگیوں کا خاتمہ ہے - اہل علم ہی راہ راست پر ہیں اور وہی دوسروں کے رہنما بن سکتے ہیں ......" - سلطان محمد جانتا تھا کہ جو آدمی علم و عمل میں بڑھ جاتے ہیں وہی رتبے کے مستحق ہوتے ہیں - اس کے نزدیک عہد بلبلی سے لے کر اس وقت تک جتنے بادشاہ دہلی کے تخت پر بیٹھے تھے وہ سب جابر تھے - حیوانی قوتوں کے ذریعے غلبہ حاصل کر بیٹھے تھے اور تخت و تاج کے مالک بن گئے تھے - وہ اسلام کو نہ سمجھے اور نہ سمجھ سکتے تھے -

سلطان محمد جانتا تھا کہ " میلے اور میرے باپ نے جائز طور سے سلطنت حاصل کی ہے - ہم دونوں کا استحقاق ظاہر ہے - ہم تخت و تاج کے وارث ہوئے ہیں تو ظالموں اور غاصبوں سے لڑ کر ' حق کی اعانت میں اور بندگان خدا کی حمایت میں تلواریں کھینچ کر - ابا جان کی ساری عمر لڑائی میں گزری - سلطنت ملی تو آخر میں - اس وقت بھی زمانے نے اِنھیں مہلت نہ دی اور وہ دین کی طرف توجہ نہ کر سکے ' اصلاح کا موقع انھیں نہ ملا - اب خدا نے مجھے تخت و تاج کا مالک بنایا ہے تو میرا یہ فرض ہے کہ ضروری اصلاح کروں - مستحقوں کی امداد کروں اور علم و ہنر کے مقابلے میں ذات کا اور خاندان کا لحاظ نہ کروں اور آئین حکومت سے ان باتوں کو نکال دوں جو عالم نما جاہلوں کی بدولت داخل ہو گئی ہیں " اس مطلب کو پورا کرنے میں سلطان محمد کو بڑی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا ' عالموں کا - مفتیوں کا ' سیدوں کا اور جتھے والوں کا ' سر گروہوں کا اور خاندانوں اور قبیلوں کے سرداروں کا مقابلہ کرنا پڑا - یہ سب اس کے دشمن بن گئے - مگر اسے کسی کی مخالفت اور دشمنی کی پرواہ نہ تھی - اس کے نزدیک جرم جرم تھا اور خطا خطا تھی - مرتکب چاہے کوئی ہو ' جرم ثابت ہونا شرط تھا - ثابت ہوگیا تو قانون کا جاری کرنا اور سزا دینا سلطان کا فرض تھا - اسی وجہ سے عالموں ' سنیوں ' سیدوں اور صوفیوں کی خونریزی ہوئی -

یہ کوئی معمولی بات نہ تھی ' انقلاب عظیم کے آثار تھے - ایسی حالت میں بغاوتوں کا ہونا اور بےچینیوں کا پھیلنا لازمی تھا - سلطان محمد نے

بہت بڑا کام اپنے ذمے لے لیا تھا - جن باتوں کی وہ اصلاح کرنا چاہتا تھا وہ ایک دو دن کی یا دو چار برس کی نہ تھیں - ان کا تعلق اسلام کی تاریخ سے تھا ' خیالات کی نشو و نما سے تھا - یہ ایسا مرض تھا جس کی تشخیص آسان نہ تھی اور جس کا فوری علاج محال تھا - سلطان محمد کی تشخیص ناقص تھی اور ناقص تشخیص کی بنا پر جو علاج ہوا وہ کیوں کر کارگر ہوسکتا تھا ؟ ضیاالدین برنی اور ابن بطوطہ کے بیانات یکطرفہ ہیں - صرف اُن کی بنا پر سلطان محمد کی سیرت لکھنا ایسا ہی ہے جیسے آج کل کانگریس کے یکطرفہ بیانات پر برٹش گورنمنٹ کی تاریخ لکھنا - آج کل ہندوستان میں بےچینی پھیلی ہوئی ہے - گورنمنٹ نئے نئے فرمان جاری کر رہی ہے ' اور گرفتاریاں کرنے اور سزائیں دینے پر مجبور ہوگئی ہے ' اور کانگریس کو قابو میں لانے کی تجویزیں کر رہی ہے - کانگریس کے نمایندے گورنمنٹ کو [۱] الزام دے رہے ہیں - ضیاالدین برنی اور ابن بطوطہ کی حالت اُن ہی کی سی ہے - وہ اُن علماء کے حامی تھے جنھیں سلطان محمد مفسد سمجھ کر سزایں دے رہا تھا -

سلطان محمد کو چاہئے تھا کہ علماء کی خطائیں نکالنے اور انھیں سزائیں دینے سے پہلے اپنے موافقوں کی ایک ایسی جماعت پیدا کر لیتا جو دشمنوں کے دانت کھٹے کرتی رہتی ' اور سلطنت کو بیخ کنی سے بچائے رہتی - اکبر نے علماء کا خون نہیں بہایا تھا ' صرف انھیں سبک اور خفیف کر دیا تھا اُس پر کیا کچھ نہ ہوا - جونپور کے قاضی نے کفر کا فتویٰ دے دیا اور اکبر کے خلاف مسلمانوں کو جہاد پر ابھارنا شروع کیا - لیکن اکبر نے اپنے حامیوں کو پہلے ہی سے قوی بنا لیا تھا اور اپنے فریق کو منظّم کر لیا تھا - دشمنوں نے ہزار سر پٹخا مگر ایک پیش نہ گئی - سلطان محمد نے تو علماء کی گردنیں کاٹیں تھیں - اس کے خلاف عام مسلمانوں کی بغاوتیں ہوگئیں تو کیا تعجب ؟ تعجب تو یہ ہے کہ سلطان محمد کی گردن بچی رہی ' اور اس کا بال بھی بیکا نہ ہوا - پچیس (۲۵) سال اس نے حکومت کی اور آخر وقت تک وہ تخت و تاج کا مالک بنا رہا - یہ اس کی نیک نیتی ' عالی ہمتی اور

[۱]—ملاحظہ ہو پنڈت مدن موہن مالویا جی کا وہ خط جو وائسرائے کے نام' شروع فروری سنہ ۱۹۳۲م کے لیڈر میں شایع ہوا ہے -

ایمانداری کی دلیل ہے - لیکن دشمنوں نے اس کے ناک میں دم کر دیا - سلطنت کی جڑ ہلا دی - چپے چپے پر بغاوتوں کے بیج بو دئے - دکن کا سنبھالنا پہلے ہی مشکل تھا - جب ہندوؤں نے مسلمانوں کی بغاوتوں اور خانہ جنگیوں کو دیکھا تو انہیں بھی موقع ملا - سلطان کو مسلمانوں ہی سے فرصت نہ تھی - دور دراز کے ہندوؤں کی کون خبر لیتا ؟ نتیجہ یہ ہوا کہ وجیا نگر کی بنیاد پڑ گئی - اب چاروں طرف بغاوتیں پھیل گئیں - گویا ایک ہوا تھی جو وبا کو ایک سمت سے دوسری سمت تک پھیلاتی چلی گئی - واقعہ نگاروں نے تحقیق نہیں کی کہ یہ ہوا کیوں چلی اور بغاوتیں کیوں کر پھیلیں ؟ ان کو آسان سی توجیہہ یہی نظر آئی کہ سلطان محمد ظالم تھا - اس سبب بغاوتیں پھیلیں - سلطان غیاث‌الدین بلبن اور سلطان علاءالدین بلبن اور سلطان علاءالدین خلجی کے زمانے کی خونریزیوں کا سلطان محمد کے عہد کی خونریزیوں سے مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ پہلے زمانے میں کچھ کم بے‌رحمیاں نہ ہوئی تھیں - فرق اتنا تھا کہ پہلے زمانے میں علماء امن اور چین سے رہتے تھے - اور خونریزیاں زیادہ تر ہندو اور مسلمان باغیوں کی ہوتی تھیں - اب خونریزیاں علماء کی کثرت سے ہونے لگیں - اسی وجہ سے چاروں طرف بغاوتیں اٹھ کھڑی ہوئیں - اور ایسے باغی اور اتنے نافرمان اُبل پڑے جو کسی عنوان نہ مطیع ہوئے اور نہ قابو میں آئے - غور کا مقام ہے کہ سلطان غیاث‌الدین بلبن تو بڑھاپے میں طغرل جیسے زبردست حاکم بنگالہ پر غلبہ پالے - دہلی چھوڑ کر بنگالے پہونچے اور جنگلوں اور پہاڑوں میں سے طغرل کو ڈھونڈھ نکالے اور اس کا سر قلم کر ڈالے اور ایک مدت تک اس میں مصروف رہے ' پر نہ کہیں بد عنوانی ہو ' نہ بد امنی - اس کے بر خلاف سلطان محمد گجرات کی بد امنی بھی دور نہ کر سکے ' گجرات سے لے کر دکن تک آگ لگ جائے تو وہ نہ بجھا سکے - اور طاغی جیسے ناکس کو بھی گرفتار نہ کر سکے !

سلطان محمد اپنے زمانے کے کل آدمیوں سے اعلیٰ تھا ' اس کا مرتبہ بہت بلند تھا - اس کے ہمعصر مورخ اس کو مطلق نہ سمجھے - معلوم ہوتا ہے کہ ضیاالدین برنی اور ابن بطوطہ سلطان محمد کی سیرت کا اندازہ اُسی طرح کر رہے تھے جس طرح کوئی شخص نشیب میں کھڑے ہوکر سورج کے حجم کا اور اس کی قوت کا اندازہ کرے - ایسی حالت میں جو کچھ وہ لکھ سکے وہی

لکھ دیا - ان کے بیانات پر غور کئے بغیر سلطان محمد کے بارے میں رائے قائم کرلینا مورخ کو شایاں نہیں - ضرورت ہے کہ تاریخ فیروز شاہی اور سفر نامے کے ساتھ ساتھ مسالک‌الابصار کی روایتوں پر بھی نظر ڈالی جائے -

خواجہ احمد بن خواجہ عمر ابن مسافر اس زمانے کا ایک سیاح تھا ' جس نے ہندوستان میں آ کر سلطان محمد کو اور اس کے دربار کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اس کی سیرت کا مطالعہ کیا - اس کا بیان ہے کہ "یہ بادشاہ باوجود لڑائیوں میں مصروف رہنے کے تند خو نہیں ہے - اس کا برتاؤ سب کے ساتھ نیکی اور احسان کا ہے ' اور وہ خدا کی خوشنودی کے لئے سب کے ساتھ انکساری سے پیش آتا ہے - اس کو سارا قرآن شریف حفظ یاد ہے ' اور قرآن شریف کے ساتھ ہی امام ابوحنیفہ کی کتاب ہدایہ جو مسائل کی مشہور کتاب ہے نوک زبان ہے - بادشاہ فلسفے کا تو پورا ڈاکٹر ہے ' مجتہد ہے ' امام ہے ' نہایت خوشخط ہے ' ریاضی میں کمال رکھتا ہے' ادب و تہذیب کا مالک ہے ' شاعر ہے ' اور شعروں کو پڑھتا ہے اور پرکھتا بھی خوب ہے - علماء اور فضلاء سے مباحثے اور مناظرے کیا کرتا ہے ' فارسی زبان میں لوگوں کی غلطیاں نکالا کرتا ہے ' خاص کر شاعروں کی گرفت کرتا ہے - یہ کوئی معمولی بات نہیں - اسی سے ثابت ہے کہ سلطان محمد شاعری کے فن پر خوب حاوی ہے اور شعر کے ہر ایک رگ پٹھے سے اچھی طرح واقف ہے -

میں نے اس بادشاہ کو ایک مرتبہ علماء سے بحث کرتے دیکھا - وہ عالموں سے پوچھ رہا تھا کہ تمہارے نزدیک کل کا دن شرف میں بڑھا ہوا ہے یا آج کا - ایک عالم نے کہا کہ کل کا دن شرف میں بڑھا ہوا ہے ' کیونکہ وہ بلحاظ زمانے کے پہلے گزر چکا اور آج کا دن اس کے بعد آیا ' اور آگے چلنے والے کو پیچھے چلنے والے پر شرف ہوتا ہے - دوسرے عالم نے کہا نہ کل کا دن شرف میں اس لئے بڑھا ہوا ہے کہ اُس کا مرتبہ آج کے دن سے زیادہ ہے - تیسرے نے کہا کہ کل کے دن کو آج کے دن پر نہ زمانے کے لحاظ سے شرف حاصل ہے اور نہ مرتبے کے اعتبار سے - اس کا شرف ذاتی ہے ' صفاتی نہیں - آخر میں بادشاہ نے فرمایا کہ جتنی باتیں تم نے کہیں اُن میں سے کوئی بھی ٹھیک نہیں - اتنا کہہ کر اُس نے خود اسی مضمون پر ایک تقریر کی اور آخر میں کہا کہ قدیم علماء ہی کے قول سے تم سب کی تردید ہوتی ہے - اُن کا مقولہ ہے کہ اِن‌الامس متقدم لابشی من ھذا - یعنی کل کو آج پر بلا لحاظ کسی دوسری چیز کے شرف حاصل ہے -

یہ بادشاہ اپنے ہم نشینوں کے ساتھ طرح طرح کے مضامین پر بحث چھیڑا کرتا تھا ' اور اس کے ہم نشین زیادہ تر عالم ہوتے تھے - یوں تو علماء ہمیشہ ہی اس کے دربار میں حاضر رہتے تھے ' مگر رمضان کے مہینے میں روزہ بھی شاہی دسترخوان پر کھولتے تھے - صدر جہاں کا یہ معمول تھا کہ ہر رات کسی نہ کسی عالم کو اس بات پر آمادہ کرتا کہ بادشاہ کے پاس جاکر کوئی نئی اور باریک بات بیان کرے - چنانچہ کوئی نہ کوئی عالم ایسا کرتا - پھر تو یہ حالت ہوتی کہ بادشاہ کی محفل بحث کرنے والوں سے بھر جاتی - اور بحث شروع ہو جاتی خود بادشاہ بھی انہیں بحث کرنے والوں میں شامل ہو جاتا اور حاکم و محکوم کا فرق اٹھ جاتا - اس وقت لوگ آسانی سے بادشاہ پر اعتراض کرسکتے تھے [۱] " -

مسالک‌الابصار کے مولف شہاب‌الدین احمد عباس لکھتے ہیں کہ " مجھسے اسحاق شبلی کے بیٹے علامہ ابو صفا عمر نے بیان کیا کہ سلطان محمد عالموں کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا ہے - سفر میں بھی ان کو اپنے ساتھ لے جاتا ہے - ان کی جدائی وہ کسی وقت گوارا نہیں کرسکتا - راوی کہتا ہے کہ ہم ایک جنگ کے موقع پر سلطان محمد کے ہمراہ تھے - ابھی سلطان راستے ہی میں تھا کہ ہراول کی طرف سے فتح نامے اسے وصول ہوئے - ہم نے دیکھا کہ بادشاہ فتح کی خبریں پڑھ کر خوش ہوا اور کہنے لگا " یہ فتح عالموں ہی کی برکت سے حاصل ہوئی ہے " - پھر خوشی میں آکر علماء سے کہا " تم میں سے جو چاہے خزانے میں چلا جائے اور جتنا مال لا سکے لے آئے - اگر کوئی کمزور اور ضعیف ہو اور مال اُٹھانے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ کسی دوسرے سے اجرت پر اُٹھوالے " - راوی کا بیان ہے کہ یہ حکم پاتے ہی سب عالم خزانے میں گھس گئے - میں اور مجھ جیسے چند اور رہ گئے - اس لئے کہ ہم لوگوں کو دنیا اور مال دنیا کی ہوس نہ تھی - جتنے عالم خزانے میں گئے تھے ان میں سے ہر ایک نے دو دو تھیلیاں اُٹھالیں - ہر تھیلی میں دس ہزار درہم تھے - ایک عالم نے حرص کے مارے تین تھیلیاں اٹھا لیں - ایک تھیلی تو سر پر رکھی اور دو دونوں بغلوں میں دبالیں - یہ دیکھ کر بادشاہ ہنس پڑا ' اور اس عالم کے لالچ پر تعجب کرنے لگا - پوچھا " مال لینے کے لئے کیا اتنے ہی عالم خزانے میں گئے تھے ؟ " پھر مجھ جیسوں کی طرف اشارہ کرکے کہا " یہ لوگ

[۱]—یہاں تک بیان خواجہ احمد بن خواجہ عمر کا ہے ۔

خزانے میں کیوں نہ گئے ؟ " کسی نے کہا " وہ لوگ اور ھیں - اور یہ اور ھیں - وہ جو خزانے سے روپے لے آئے عالم اور معلم ھیں - اور یہ جو خزانے میں داخل بھی نہ ہوئے عالم اور عامل ھیں " - یہ سن کر بادشاہ نے حکم دیا کہ ہم میں سے ہر ایک کو دس ہزار درھم دیئے جائیں -

اس بادشاہ کی بدولت شریعت کے منارے قائم ھیں اور علم کی روشنی پھیل رھی ھے - اس کے دربار میں عالموں کی بڑی قدر ھے - دربار میں اُن کی بڑی عظمت ھے - چاروں طرف ان کا بڑا وقار ھے - بادشاہ کو اس بات کا خیال رھتا ھے کہ علماء کو فرائض کے ادا کرنے اور ظاھر و باطن کی اصلاح کرنے میں سہولتیں اور آسانیاں ھوں ' اور ان کے مطالعے اور [۱] اجتہاد میں کسی قسم کی رکاوٹ پیدا نہ ھو - یہ سب رعاتیں علماء کے حق میں خاص طور سے سلطان محمد اس لئے کرتا ھے کہ علماء اپنا کیرکٹر بنائیں - اور کوئی ایسی بات نہ کریں جو عالم کی شان سے نہ ھو - اور ھر حال میں اپنی روش میانہ رکھیں -

سلطان محمد کی یہ بھی عادت ھے کہ خلافِ تہذیب اور خلافِ اخلاق اور خلافِ شرع ' کسی بات کو روا نہیں رکھتا - ایسا عمل کرنے والے کو وہ منھ بھی نہیں لگاتا - مجرم کے حق میں کسی کی سفارش نہیں سنتا - یہی تاکید اس نے اپنی قلمرو کے ھر حاکم کو بھی کر دی ھے -

یہ بادشاہ شراب کا دشمن ھے - شراب خوار کو وھی سزا دیتا ھے جو شرع کی رو سے مقرر ھے - اگر درباریوں میں سے یا شاھی مصاحبوں میں سے کوئی شراب پی لیتا ھے تو پھر اس کی خیر نہیں - سخت سخت سزائیں اسے دی جاتی ھیں - مجھ سے تاج‌الدین سید شریف سمرقندی کہتے تھے کہ دھلی میں ایک بڑے مرتبے والا خان شراب پیا کرتا تھا - برابر پیتا ھی رھتا تھا - اور کسی طرح چھوڑتا نہ تھا - منع کیا جاتا تو بھی باز نہ آتا - سلطان محمد نے اُس خان کی یہ حالت دیکھی تو غصے میں بھر گیا - اس کو قید کیا اور اس کے مال اور جاگیر کو ضبط کر لیا - اُس کے پاس نقدی ھی نقدی چالیس کرور مثقال چاندی اور تین کرور ستر لاکھ مثقال سونے کی تھی ' یہ سب ضبط کرلی گئی - اس واقعے سے یہ ثابت ھوتا ھے کہ سلطان محمد بن تغلق اپنی رعایا کو بری باتوں اور خراب عادتوں سے بچانے کے لئے انتہائی کوشش کرتا

[۱]—اجتہاد سے مراد ریسرچ (Research) ھے -

تھا - اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں چاندی سونے کی بڑی کثرت تھی - چاندی سونے کی اس مالیت کا مصر کی ناپ سے اندازہ کیا جائے تو چاندی پینتالیس ہزار قنطار نکلے گی اور سونا سات سو قنطار بیٹھیگا - چاندی سونے کی یہ مقدار شمار سے باہر ہے " -

ابو صفا بن عمر شبلی کا بیان ہے کہ " سلطان محمد شراب سے بہت بیزار ہے - اس کی قلمرو میں شراب کے پینے کی بھی اور بیچنے کی بھی سخت ممانعت ہے - شراب بیچنے والوں کو سخت سخت سزائیں دی جاتی ہیں اور پینے والوں کو بہت ذلیل کیا جاتا ہے - یہی وجہہ ہے کہ دھلی میں شراب لاکھوں روپے کے مول بھی نہیں ملتی ' اور رعیت میں سے کسی کا یہ دل ' گردہ نہیں کہ شراب کا ایک قطرہ بھی کسی کے ہاتھ بیچ سکے - کھلم کھلا تو کیا چوری چھپواں بھی کوئی نہیں بیچ سکتا " - یہ ابو صفا عمر کی آنکھوں دیکھی بات ہے -

شہاب‌الدین احمد عباس لکھتے ہیں کہ حسن سمرقندی جو ملک ملک گھوم چکا ہے اور جس نے ساری دنیا چھان ڈالی ہے مجھسے بیان کرتا تھا کہ سلطان محمد بڑی نیکیوں والا اور بخششوں والا بادشاہ ہے - اس کی نیکیوں ' خوبیوں اور خیراتوں کا ذکر دنیا کی تاریخ میں ہوا کرےگا ' اور اُن کے نقش صفحۂ روزگار پر ابھرے نظر آئیں‌گے - اس کے علاوہ حسن سمرقندی نے اور بہت سی باتیں کہیں ' جن سے سلطان محمد کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے - حسن سمرقندی کی تائید شیخ مبارک کے بیانات سے بھی ہوتی ہے - شیخ کا قول ہے کہ سلطان محمد ہر روز دو لاکھ کی نقدی خدا کی راہ میں خیرات کرتا ہے جو مصری سکّے کے دس لاکھ درہم کے اور شامی سکّے کے چھ لاکھ درہم کے برابر ہوتی ہے - اور کسی کسی دن پچاس لاکھ کی نقدی خیرات کر دیتا ہے - سلطان کا معمول ہے کہ ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو چاند دیکھتے ہی دو لاکھ تنکے خیرات کرتا ہے ' جسے کسی حال میں ترک نہیں کرتا - اس کے علاوہ چالیس ہزار فقیروں کو روزانہ کھانا کھلاتا ہے - اس طریقے سے ہر فقیر کو ایک درہم نقد مل جاتا ہے اور ڈھائی سیر چاول ' یا ڈھائی سیر گیہوں کے آٹے کی روٹی - یہ خیراتیں سلطان محمد ہمیشہ کیا کرتا ہے اور بڑی پابندی سے کرتا ہے -

اس نے جا بجا درس‌گاہیں قائم کر رکھی ہیں اور پاٹ شالے کھول دئے ہیں ' جن میں ایک ہزار لیق فایق معلم مقرر ہیں جنھیں شاہی خزانے سے

تنخواہیں ملتی ہیں - یہ معلم رعایا کے بچوں کو خاص کر یتیموں کو لکھنا پڑھنا سکھاتے ہیں -

سلطان محمد کی قلمرو میں بھیک مانگنے کی ممانعت ہے - خاص کر دھلی میں اس کے متعلق بڑا اھتمام ہے ' جو شخص بھیک مانگتے دیکھ لیا جاتا ہے اس کو بھیک مانگنے سے روک دیا جاتا ہے - اس کے لئے وہی خوراک مقرر کر دی جاتی ہے جو بادشاہ کی طرف سے اور فقیروں کو ملتی ہے - مختصر یہ کہ اس بادشاہ کی بخششیں غریبوں اور نا اُمیدوں کے حق میں اس درجہ ہیں کہ سننے والے کو ان کا یقین بھی نہ آئیگا -

مجھ سے حکیم طیاری کے بیٹے یحیی نے جو بڑی خوبیوں کا آدمی تھا بیان کیا کہ " ہمارے بادشاہ سلطان ابوسعید کے لشکر میں عضد نامی ایک آدمی تھا جو قاضی برد کا بیٹا تھا - یہ شخص وزارت کا عہدہ حاصل کرنے کی آرزو رکھتا تھا مگر اس عہدے کی قابلیت اُس میں نہ تھی - نہ وزیروں کی سی خوبو اس میں پائی جاتی تھی - اس نے سلطان ابو سعید کے وزیروں میں پھوٹ ڈالنی شروع کی اور لشکریوں میں فساد پھیلانے لگا - سلطان ابو سعید کے وزیروں نے اُس شخص کو ملک سے باہر نکال دینے کی تدبیر کی ' اور عضد کو ایلچی بنا کر سلطان محمد بن تغلق کے پاس دھلی بھیج دیا - اور سلطان کے نام ایک پیغام لکھ کر عضد کے حوالے کر دیا - پیغام یہ تھا " السلامُ والوداُد والسواک والا فتقاد " اس فقرے کے ذریعے سلطان محمد تغلق کو یہ بتایا گیا تھا کہ ہمیں اس نا اھل کی دوری مقصود ہے - سلطان ابو سعید کے وزیروں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اب یہ شخص دھلی سے واپس نہ آئیگا - مگر جب عضد بن قاضی برد دھلی پہونچا اور سلطان محمد تغلق کے دربار میں حاضر ہو کر سلطان ابو سعید کا پیغام پہونچایا تو بادشاہ اس کی طرف خاص طور سے متوجہ ہوا - خلعت اور انعام دے کر اس کو شرف بخشا اور اتنا دیا کہ مالا مال کر دیا - اور اس مال کو لاد کر لیجانے کے لئے ایک اونٹ بھی عنایت کیا - بےانتہا دولت پائی تو عضد کے دل میں وزارت حاصل کرنے کی پھر آئی اور سلطان ابو سعید کی طرف لوٹ کر جانے کا ارادہ کیا - چلتے وقت سلطان محمد تغلق نے عضد سے کہا " جاؤ ' خزانے میں جاؤ اور جو کچھ چاھو جتنا چاھو لےآو " - مگر عضد تھا اللہ والا - شاھی خزانے میں گیا - لیکن جیسا گیا تھا ویسا ھی واپس چلا آیا - بس قرآن شریف کی ایک جلد اُٹھا لایا -

بادشاہ کو اس کی یہ ادا بھا گئی - پوچھا " تم نے زرو جواہر کیوں نہ لیا " ؟ عضد نے جواب دیا " خداوند - بات یہ ہے کہ حضور مجھے پہلے ہی اتنا دے چکے ہیں کہ اب میرے دل میں زرو جواہر کی ہوس باقی نہیں رہی اور کتاب خدا سے زیادہ قیمتی کوئی چیز مجھے خزانے میں دکھائی نہ دی " - عضد کا یہ بر جستہ جواب بھی بادشاہ کو پسند آیا اور اس کے قول و فعل سے خوش ہو کر بادشاہ نے پھر اُس کو بہت کچھ مال دیا - جتنا دیا اُس میں کچھ تو عضد کے لئے مخصوص کر دیا اور کچھ سلطان ابو سعید کے واسطے بطور ہدیے کے اُس کے ہمراہ بھیج دیا - ابو سعید کی نذر کے لئے بادشاہ نے جو کچھ بھیجا وہ آٹھ سو تومان تھے - ایک تومان موجودہ زمانے کے دس ہزار دینار کے برابر ہوتا ہے اور ایک دینار چھ درہم کے برابر ہوتا ہے ' اس حساب سے آٹھ سو تومان کی رقم اَسی (۸۰) لاکھ دینار ہوئي ' جس کے چار کرور اَسی لاکھ درہم ہوئے - جب عضد اتنی بڑی رقم کو لےکر لوٹا تو اس کو یہ اندیشہ ہوا کہ یہ سب دولت لشکری نہ ہتھیا لیں - یہ سوچ کر اس نے اپنی دولت کو اِدھر اُدھر چھپا دیا - سلطان ابو سعید کے وزیر غیاث‌الدین محمد کے سبب سے یہ شخص لشکر سے نکالا گیا تھا - اب جو ہندوستان کی دولت سے مالا مال ہو کر واپس آیا تو وزیر کی طرف سے عضد کو لکھا گیا کہ تم کو لشکر میں مَلِک تو نہیں مگر امیر کا عہدہ مل سکتا ہے اور امیر بن گئے تو تم کو سرداروں پر بھی حکومت حاصل ہو جائیگی - عضد اس بات پر راضی ہوگیا - بادشاہ کے دربار میں اور خانوں کی خدمت میں اس قدر چاندی سونا بھیجا کہ اس میں کئی چھکڑے سونے اور چاندی کے برتنوں کے بن گئے - ہندوستان کی اس دولت کی بدولت عضد کو پھر لشکر میں آنا نصیب ہوا -

سلطان محمد تغلق کی بخشش غیر معمولی اور انوکھی ہے - غریبوں پر تو وہ اپنی دولت لٹاتا ہی رہتا ہے - ایک مرتبہ ایران سے ایک عالم فاضل اس بادشاہ کی خدمت میں آیا ' اور حکمت کی چند کتابیں اس کی خدمت میں پیش کیں - اِنہیں کتابوں میں سے ایک کتابِ شفا بھی تھی ' جس کو حکیم ابن سینا نے تصنیف کیا تھا - جوں ہی یہ ایرانی عالم بادشاہ کے دربار میں پہونچکر کتابیں پیش کرنے لگا ' کہیں سے بادشاہ کی خدمت میں قیمتی جواہرات کی ایک بوری آئي - اُس میں سے بادشاہ نے مٹھی بھری اور اس مرد فاضل کو دیدي - بادشاہ کی یہ بخشش اُن انعامات کے علاوہ

تھی جو پہلے اسے دئے جا چکے تھے - بادشاہ کے دئے ہوئے جواہرات کو اس شخص نے اگوایا تو بیس ہزار مثقال یعنی سات ہزار پانچ سو تولے کے برابر نکلے -

ابوصفا عمر بیان کرتے ہیں کہ سلطان محمد کے دربار میں کوئی بڑی تقریب ہوتی ہے تو سلطان کی مدح میں قصیدے لکھے جاتے ہیں- لکھ لئے جاتے ہیں تو حکم ہوتا ہے کہ قصیدوں کے ہر ہر شعر کو گنا جائے اور قصیدہ خوان کو ہر شعر کے عوض دس ہزار تنکے دئے جائیں - بادشاہ کو کوئی خاص شعر پسند آجاتا ہے تو اس کے عوض کسی معین چیز کے دے ڈالنے میں ہمت کی کمی سمجھتا ہے اُس وقت یہ کہہ دیا کرتا ہے "خزانے میں چلے جاؤ اور جس قدر روپیہ اُٹھ سکے اُٹھا لے جاؤ - " میں نے اپنی آنکھوں سے لوگوں کو ایک ایک شعر کے عوض اتنا مال لاتے ہوئے دیکھا تو مجھے بادشاہ کی بے شمار بخشش پر تعجب ہوا - ایسی بخشش بھولے بھٹکے ہی نہیں ہوتی بلکہ عطا کے موقعوں پر یوں ہی ہوتی رہتی ہے -

شہاب‌الدین احمد عباس لکھتے ہیں کہ مجھ سے شریف سمرقندی نے بیان کیا کہ بخارا کے رہنے والے جاڑوں کی فصل میں سلطان محمد تغلق کی خدمت میں آتے ہیں اور اپنے ملک سے زرد خربوزے بطور ہدیے کے لاتے ہیں خربوزے کی فصل بخارا میں جاڑے تک رہتی ہے ' جبکہ اور سب جگہ ختم ہوجاتی ہے - ان خربوزوں کے بدلے بادشاہ ان لوگوں کو بڑے بڑے انعام دیا کرتا ہے- شریف سمرقندی نے مجھ سے یہ بھی بیان کیا کہ جو لوگ بخارا سے خربوزے لا لاکر بادشاہ کے انعام و اکرام سے مالا مال ہوتے ہیں اُن میں سے ایک کو تو میں بھی جانتا ہوں - ایک مرتبہ وہ شخص سلطان کی خدمت میں خربوزوں کی دو بوریاں بھر لایا - دہلی تک پہونچتے پہونچتے صرف بائیس خربوزے اچھے نکلے باقی ' سب سڑ گئے - بادشاہ نے اُن بائیس خربوزوں کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا اور ہدیے کے شکریے میں تین ہزار مثقال یعنی چار ہزار پانچ سوچھ تولے سونا اُس شخص کو عطا کیا - شریف سمرقندی کا بیان ہے کہ مجھ سے شیخ ابوبکر بن ابوالحسن ملتانی نے جو حافظ ابن تاج کے نام سے زیادہ مشہور ہے کہا کہ اس بادشاہ نے یہ عادت ڈال لی ہے کہ جب کسی کو انعام دیتا ہے تو تین ہزار مثقال یا ساڑھے چار ہزار تولہ سونے سے کم نہیں دیتا - حافظ ابن تاج وہ شخص ہے جس سے میری پہلی ملاقات ملتان میں ہوئی تھی - وہاں یہ شخص بادشاہ کی عنایتوں سے مالا مال ہو رہا تھا - بعد میں جب

میں ملتان سے روانہ ہوکر دہلی پہونچا تو وہاں بھی میں نے حافظ ابن تاج کو دیکھا اور بادشاہ کی بخششیں اسی طرح اس پر جاری تھیں۔

ابوصفا عمر نے سلطان محمد کے بہت وصف بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ " دین و دنیا کی کوئی خوبی ایسی باقی نہیں رہی جس کو بادشاہ نے اپنی ذات میں جمع نہ کرلیا ہو - ہندوستان کی کوئی محفل ایسی نہیں جس میں بہترین الفاظ کے ساتھ اس کا ذکر نہ ہوتا ہو - بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ مجلسوں کو اسکے ذکر سے وہ زینت ملی ہے جو موتیوں اور جواہروں کے ہاروں سے بھی نہیں مل سکتی تھی - بادشاہ کی صورت پر ایسی ہیبت برستی ہے کہ دیکھنے والوں کے دل لرز جاتے ہیں ' حالانکہ وہ رعایا میں ملاجلا رہتا ہے اور جس سے بات کرتا ہے نہایت نرمی اور ملائمت سے کرتا ہے - جو بھی بادشاہ سے ملنا چاہتا ہے بےدھڑک اس تک پہونچ جاتا ہے - دروازوں پر نہ عام دربانوں کی مجال ہے نہ خاص دربانوں کی طاقت ہے کہ جانے والے کو ٹوک بھی سکیں " -

سلطان محمد بن تغلق کے عہد میں ہندوؤں کو مذہبی آزادی حاصل تھی اور کسی قسم کا جبر یا ظلم ان پر مذہب یا قومیت کی بنا پر نہ ہوتا تھا - یہ بات تاریخ کی سب کتابوں سے ظاہر ہوتی ہے - اسحاق شبلی کے بھتیجے علامہ ابو صفا عمر نے اس بارے میں مسلمانوں کے سامنے پیش کرنے کی غرض سے جو کچھ لکھا ہے اُس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے - وہ لکھتا ہے کہ "اس بادشاہ نے ہندوستان میں چاروں طرف اسلام کے پھیلانے میں بڑی کوشش کی ہے اور اس ملک میں اسلام کی روشنی ہر طرف چمک بھی گئی ہے - گمراہی اور ضلالت دور ہوگئی ہے اور راستی اور ہدایت قائم ہوگئی ہے - بت پرست مغلوب ہوگئے ہیں - سرکشوں کو مطیع اور فرماں‌بردار بنا لیا گیا ہے مگر ذمیوں سے بادشاہ مطمئن ہے اور مطمئن ہوکر ان کو پوری آزادی دے دی ہے " -

یہ ثابت ہوچکا ہے کہ سلطان محمد ہندوؤں پر بہت مہربان تھا - اس نے کبھی ان پر زیادتی نہیں کی اور کسی قسم کا تشدد روا نہ رکھا - اس نے کبھی مندروں کو ڈھایا نہ ' دھرم شالوں کو مٹایا - اس قسم کا ذکر کسی تاریخ میں نہیں - بعض ہمعصر سیّاحوں کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان محمد کے عہد میں بت بنائے جاتے تھے مگر ظاہر بظاہر تجارت کی غرض سے - ممکن ہے یہی بت جو سلطان کے عہد میں دوکانوں پر رکھے

دیکھے جاتے تھے بت خانوں میں رکھ دئیے جاتے ھیں - اصل یہ ھے کہ اس بادشاہ کی حکومت میں ھندوؤں کو جزیہ ادا کرنے کے بعد اپنے مندروں اور مکانوں میں پوجا کرنے کی کوئی ممانعت نہ تھی - اگر چہ شبلی نے مورتیوں کا توڑنا بھی سلطان محمد کی طرف منسوب کیا ھے مگر یہ محض اُس کا حسن ظن ھے ' چونکہ اس زمانے میں مورتیوں کا توڑنا ایک خاص وصف خیال کیا جاتا تھا - سلطان نے اگر مورتیاں توڑی ھوتیں تو یہ نامممکن تھا کہ تاریخ فیروز شاھی میں اور سفر نامے میں ' یا بدرچاچ کے دیوانوں میں ' یا تاریخ مبارک شاھی میں ' یا منتخبات التواریخ میں ' یا حاجی الدبیر کی تاریخ گجرات میں اس کا ذکر نہ آتا اور مسالک الابصار کے مولف کو اس کی اطلاعیں متواتر نہ پہونچتیں اور مسالک الابصار میں اس کا مفصل ذکر نہ ھوتا اور کئی کئی مقامات پر اس کے حوالے نہ دئے جاتے - اس میں صرف ایک مقام پر چند لفظ اس بارے میں ایسے عنوان سے لکھے ھیں جن سے ظاھر ھوتا ھے کہ اصلیت کچھ بھی نہ تھی - اصل عبارت یہ ھے - " اس سلطنت میں نصرت - ظفر ' فتوحات - کفار کی بنیادوں کا ڈھانا ' جادو گروں کے جادو کا رد کرنا اور ھندوؤں کی مورتیوں اور تصویروں کا مٹانا ' جس پیمانے پر اس بادشاہ کو میسر ھوا ھے اُس پیمانے پر کسی بادشاہ کو اس سے پہلے میسر نہ ھوا تھا - ھاں بعض مورتیں یا تصویریں بکری کے خیال سے دوکانوں کے اندر رکھی رہ گئی ھیں تو وہ کسی گنتی میں نہیں - غرض یہ کہ دین اور دنیا کی کوئی خوبی ایسی باقی نہیں رھی جس کو بادشاہ نے اپنی ذات میں جمع نہ کر لیا ھو - اور جو کچھ نقص باقی رہ بھی گیا ھو تو اُس کو وہ اپنی شمشیر آبدار سے دھونے کے لئے تیار ھے -

ھر مسلمان کو اس بادشاہ کے لئے دعا کرنی چاھئے اور میرا یہ کہنا کہ بادشاہ کے لئے دعا کرو خدا کے نزدیک جہاد کا مرتبہ رکھتا ھے - بادشاہ کے حق میں دعا کرنا مسلمانوں کے لئے عبادت ھے" - یہ مضمون سیّاح نے اس امید میں لکھا تھا کہ سلطان محمد عام مسلمانوں میں ھردل عزیز ھوجائے - اُس زمانے کے عام مسلمانوں میں ایسے ھی بادشاہ ھردل عزیز سمجھے جاتے تھے ' جو شریعت کا لحاظ نہ کرکے جا بےجا حملے کریں اور مورتیاں توڑیں -

مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی مصنف آئینۂ حقیقت نما نے لکھا ھے کہ " سلطان محمد تغلق مذھب کا پابند اور سچا پکّا مسلمان تھا - اُسکے

دیوگڑھ کو دارالسلطنت بنانے کے ارادے سے وہاں نہ صرف دولت آباد کا بے نظیر قلعہ پہاڑ کو تراش کر بنایا بلکہ شہریت اور دارالسلطنت کے تمام لوازم فراہم کئے اور وہاں رہنے کے ارادے سے چلا بھی گیا - ایلورا کے مشہور معروف مندر دولت آباد سے کچھ دور نہ تھے ' مندروں کے مسمار کرانے کا الزام جو......تھوپا جا رہا ہے اگر اس میں رتی بھر بھی صداقت ہوتی اور اسلام دوسری قوموں کے معابد کو منہدم کرنے کی اجازت دیتا تو محمد تغلق جیسا پابند شرع سلطان اپنے بغل میں ایلورا کے مندروں کو کسی طرح باقی نہ رہنے دیتا......."
ہمارا خیال ہے کہ اگر سلطان محمد واقعی بتوں کا توڑنے والا اور مندروں کا ڈھانے والا ہوتا تو ایلورا بعد میں جاتا ' پہلے دیوگڑھ ہی کے مندروں اور بتوں پر ہاتھ صاف کرتا - دیوگڑھ برسہا برس سے ہندوؤں کی تہذیب کا مرکز چلا آرہا تھا لیکن سلطان محمد نے وہاں کے نہ کسی مندر کو ٹھیس لگنے دی اور نہ کسی مورتی کو - نہ کبھی کسی ہندو کو ہندو ہونے کی وجہ سے کوئی ایذا پہونچائی -

اب ثابت ہوگیا کہ سلطان محمد کیا تھا اور بنانے والوں نے اسے کیا بنا دیا - وہ بیدار مغز ' روشن ضمیر ' صُلح پسند ' فراغ دل ' مصلح ' عالی حوصلہ ' عالم ' عامل ' محقق ' مجدد ' مدبر ' فیاض ' سیر چشم ' محتاط اور اصول کا پابند تھا - وفاداروں اور فرمانبرداروں کا تو کیا ذکر دشمنوں پر بھی مہربانی کرتا - مجرموں کے جرم کو معاف کردیتا اور خطا کاروں کی خطاؤں کو بخش دیتا ' چشم پوشی سے بھی کام لیتا ' سزائیں بہت دیتا ' اور خونریزیاں کرتا ' مگر جو کچھ کرتا تھا کسی خاص مطلب اور مصلحت سے کرتا تھا - بدقسمتی سے اُس کا مطلب پورا نہ ہونے پایا - اُس نے جاہل نما عالموں کی اصلاح کرنی چاہی تھی اور بہترین علماء اور مشایخ کو ملکی عہدوں اور ذمہ داریوں پر بلکہ دربار کی مختلف خدمتوں پر مقرر کرنا چاہا تھا ' مگر ناکام رہا - دشمنی پھیل گئی اور مخالفت بڑھ گئی ' باغیوں کی بن آئی اور سلطان محمد کی جان پر آ بنی - آخر وہ ہلاک ہوگیا - اس کے مرتے ہی سلطنت پر ان علما کا اثر قائم ہوگیا جن کی اصلاح میں سلطان محمد اتنے عرصے سے کوشاں تھا - اسی اثر کے تحت میں ایک تحریک ہوئی جس کی بنا پر سلطان کے ظلم اور اس کی خونریزیاں باقاعدہ لکھی گئیں - سلطان فیروز شاہ کا قول ہے کہ " میں نے اُن مظلوموں کے وارثوں کو جمع کیا جن پر سلطان محمد نے ظلم کئے تھے - انھیں میں نے راضی کیا

اور ان سے معافی نامے لکھواکر سلطان محمد کی قبر میں دفن کرا دئے" -
سمجھ میں نہیں آتا کہ معافی ناموں کی ضرورت کیا تھی ؟ اور ایسے معافی ناموں سے سلطان محمد کو کیا فائدہ پہونچ سکتا تھا ؟ فیروز شاہ آج تک پکا مذہبی اور سچا مسلمان سمجھا جاتا ہے - اسی بنا پر اس کا یہ فعل بھی اسلام کے مطابق سمجھا گیا - ہمیں تو شبہہ ہے - ہمارے نزدیک سلطان فیروز شاہ کا یہ فعل سیاسی پہلو لئے ہوے تھا ' شریعت سے اسکا کوئی واسطہ نہ تھا - سلطان محمد کو فیروز شاہ کے اِس فعل سے خدا کے یہاں جو فائدہ پہونچا ہو اُسے تو خدا ہی جانے ' دنیا میں تو نقصان پہونچا - اس کی بدنامی بڑھ گئی ' اور دور دور پھیل گئی - اس وقت سلطان محمد کو ظالم اور خونی لکھنے کی کسی میں ہمت نہ تھی - ضیاالدین برنی اور ابن بطوطہ نے اپنی ساری ترکی تمام کردی مگر سلطان محمد کو نہ ظالم لکھا نہ خونی ' اور نہ اُن سیاحوں نے لکھا جن کے چشم دید واقعات مسالک الابصار میں موجود ہے - مسالک الابصار میں تو سلطان محمد کی بے رحمیوں اور خونریزیوں کی بابت ایک حرف بھی نہیں - سلطان فیروز شاہ کے طفیل اور فتوحات فیروز شاہی کی بدولت نوبت یہاں تک پہونچ گئی کہ مورخوں نے سلطان محمد کو ظالم اور خونی لکھنا شروع کردیا - سلطان فیروز شاہ کے وفات کے چالیس پینتالیس سال بعد تاریخ کی جو کتاب لکھی گئی اس میں مصنف نے پہلی مرتبہ سلطان محمد کو خونی لکھا - اور " سلطان محمد خونی " کی سرخی قائم کی گئی -

جو شخص ظالم اور خونی ہو اس کی برائیوں کا کیا ٹھکانہ ؟ سولہویں صدی عیسوی میں یہی ہوا - تصویر کھینچنے والوں نے اُس زمانے میں جو سلطان محمد کی تصویر کھینچی تو اُس کو رنگیلا اور عیّاش بھی بنا دیا - ہمایوں کے عہد میں شہور خراسانی نے سلطان محمد بن تغلق کی ایک تصویر [۱] کھینچی جس میں یہ دکھایا کہ رقص و سرود کی محفل جمی ہوئی ہے - طبلہ کھڑک رہا ہے ' شراب کا دور چل رہا ہے ' نازنینوں کا مجمع ہے ' اور سلطان محمد بیٹھا زندگی کے لطف اُٹھا رہا ہے اور عیش کے مزے لوٹ رہا ہے -

---

[۱]—یہ تصویر مسٹر او - سی گنگولی (O. C. Gangoly) نے کلکتے سے مجھے بھیجی - میں ان کا شکر گزار ہوں -

بنانے والوں نے سلطان محمد کو کیا سے کیا بنا دیا - اُسے شراب سے کیا واسطہ ؟ اور عیاشی سے کیا نسبت ؟ اور رقص و سرود سے کیا تعلق ؟ شراب کی اُس نے سخت ممانعت کردی تھی - وہ خود شراب کیوں کر پی سکتا تھا ؟ رقص و سرود کی ممانعت نہیں کی تھی مگر رقص و سرود کا وہ دلدادہ نہ تھا - عیاشی سے وہ کوسوں دور تھا -

سولھویں صدی پر کیا منحصر ہے ؟ بیسویں صدی میں بھی رنگ چڑھانے والوں نے سلطان محمد پر رنگ چڑھایا - تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ " دولت‌آباد کے سفر میں بیر کے قریب سلطان محمد کا ایک دانت ٹوٹ گیا تو اُس نے بڑے احترام سے اس کو دفن کردیا اور اُس پر ایک برج بنوا دیا " برج کے اندر قبر کا کوئی نشان تک نہیں بنایا ' پھر بھی لوگوں نے اُسے دانت کا مقبرہ مشہور کردیا - اور آج یورپ کے مؤرخوں نے دانت کا مقبرہ بنانے والے کو از خود رفتہ اور دیوانہ بتا دیا - بات یہ ہے کہ سلطان محمد شریعت کا پابند تھا - شریعت کا حکم ہے کہ دانت یا ناخن گرجائے یا بال ٹوٹ جائے تو اُسے بے محل نہ پھینکا جائے - احتیاط سے زمین میں دفن کردیا جائے - سلطان محمد کا دانت ٹوٹ گیا تو اب وہ کرتا کیا ؟ کیا پھینک دیتا ؟ اُس نے خاک میں چھپا دیا - قبر نہیں بنائی - مگر بطور یادگار کے اُس مقام پر ایک چھوٹا سا برج بنا دیا - بڑھانے والوں نے یہ فقرہ بڑھا دیا کہ سلطان نے دانت دفن کرتے وقت بڑی دھوم دھام کی اور تاریخ فرشتہ کا حوالہ دے دیا - لیکن تاریخ فرشتہ میں دھوم دھام کا کچھ ذکر نہیں -

چھٹا باب

چھٹا باب

یادگاریں

بادشاہوں کی یادگاریں عمارتوں سے قائم رہتی ہیں ' مگر سلطان محمد کی عمارتیں بہت ہی کم ہیں ' جو ہیں وہ بھی شکستہ - ان کا پتہ کچھ تو بنیادوں سے اور کچھ ہمعصر سیاحوں اور مورخوں کی کتابوں سے ملتا ہے - کرنیل ہیگ کا خیال ہے کہ جلوس کے پہلے یا دوسرے سال سلطان محمد بن تغلق نے عادل آباد [۱] کا قلعہ بنایا اور جہاں پناہ کا شہر بسایا تھا - سفر نامے میں لکھا ہے کہ "جہاں پناہ دھلی کا چوتھا شہر ہے ' جس میں سلطان محمد شاہ رہتا ہے ' اُسی نے یہ شہر آباد کیا ہے - اس کا ارادہ تھا کہ چاروں شہروں کو یعنی پرانی دھلی کو ' سیری کو ' تغلق آباد کو اور جہاں پناہ کو ملاکر ان کے گرد ایک فصیل بنا دے اور فصیل بنانی شروع کردی تھی مگر خرچ دیکھ کر ادھوری چھوڑ دی - فصیل بےمثل ہے ' اس کا عرض گیارہ ہاتھ کا ہے ' اس کے اندر کوٹھریاں بنی ہوئی ہیں اور مکان بھی ' جن میں چوکیدار رہتے ہیں - وہیں غلّے کے کھتے بھی اور گودام بھی ' گوداموں میں لڑائی کا سامان بھرا رہتا ہے - ان میں تابدان ہیں جن میں شہر کی طرف سے روشنی آتی ہے - فصیل کے نیچے کا حصہ پتھر کا اور اوپر کا پکّی اینٹوں کا بنا ہوا ہے - شہر کے اٹھائیس دروازے [۲] ہیں جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں - بداوں دروازہ ' مندوی دروازہ ' گل دروازہ ' نجیب دروازہ ' کمال دروازہ '

---

[۱]—عادل آباد کا نام محمدآباد بھی لکھا ہے - یہ قلعہ تغلق آباد کے قریب شکستہ حالت میں ہے - تغلق آباد کا شہر سلطان غیاث الدین تغلق نے بنوایا تھا - اب شہر تو باقی نہیں ' ایک گاؤں ہے اور ایک قلعہ ہے ' جو قطب کی لاٹ سے پانچ میل مشرق کی طرف واقع ہے اور تغلق آباد کے نام سے مشہور ہے -

[۲]—ملفوظاتِ تیموری میں تیمور کے چشم دید حالات موجود ہیں - اس میں لکھا ہے جہاں پناہ کے صرف تیرہ دروازے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ تیمور کے زمانے تک بہت سے دروازے منہدم ہوگئے تھے -

غزنی دروازہ ' پالم دروازہ ' بحبالصۃ دروازہ " - جہاں پناہ کا شہر سیری کے جنوب میں واقع تھا - آج ان دونوں شہروں کے ویرانے نظر آتے ہیں - سیری کی جگہ اب شاہ پور کا گاؤں آباد ہے اور جہاں پناہ کی جگہ بیگم پور کا گاؤں آباد ہے - اور ایک اور گاؤں جس کے بیچوں بیچ حضرت نصیرالدین چراغ دھلی کا مقبرہ ہے اور جس میں سلطان بہلول لودی کی قبر ہے - گورنمنٹ آف انڈیا کے ڈیپر تعلیم (Educational Secretary) - مسٹر ایچ شارپ [۱] کا خیال ہے کہ پرانی دھلی کو سیری کے شہر سے ملانے کی اور اس نواح کو حملوں سے محفوظ رکھنے کی غرض سے سلطان محمد بن تغلق نے جہاں پناہ کا شہر بنایا تھا - اب اس کے کھنڈر پڑے ہیں اور اس کی بنیادوں کا پتہ بھی مشکل سے چلتا ہے - البتہ اُس کی حدود میں قابل ذکر یادگاریں ہیں - حضرت کبیرالدین اولیا کا مقبرہ ہے جسے سلطان محمد نے بنوایا تھا اور دو مسجدیں ہیں جو بیگم پوری اور کرکی کی مسجدیں کہلاتی ہیں - کرکی کی مسجد کے مشرق میں جہاں پناہ کی جنوبی دیوار کے برابر ایک واٹر گیٹ (Water Gate) کے نشان ہیں یہ مقام ستپُلہ کہلاتا ہے - سतपुला اس کی لمبائی ڈھائی سو فیٹ سے زیادہ ہے - چاروں طرف کی ندیوں اور نالیوں کا پانی آکر جہاں پناہ میں جمع ہو جاتا تھا - وہاں سے نکل کر ستپُلے کے ذریعے جمنا میں جا گرتا تھا - ستپُلہ جہاں پناہ کی جنوبی دیوار سے ملا ہوا ایک ندی پر اس طریقے سے بنایا گیا تھا کہ شہر میں آنے جانے والے اسی پر سے گزرتے تھے - یوں سمجھنا چاہئے کہ شہر کا جنوبی راستہ ستپُلے کے ذریعے تھا -

بیگم پور کا گاؤں بیگم پوری مسجد کے ارد گرد بسا ہوا ہے - مسٹر شارپ کا خیال ہے کہ بیگم پوری مسجد سلطان فیروز شاہ کے زمانے میں بنی تھی ' مگر اس بات کا کوئی ثبوت نہیں - قرینے تو یہ بتاتے ہیں کہ یہ مسجد سلطان محمد نے جہاں پناہ میں بنائی تھی - سلطان محمد کو مسجدیں بنوانے کا شوق تھا - وہ ڈاک چوکیوں تک میں مسجدیں بنوایا کرتا تھا - کیوں کر ہو سکتا ہے کہ اپنے پایۂ تخت میں اس نے کوئی مسجد نہ بنوائی ہو ؟ ہمارا خیال ہے کہ سلطان محمد نے شہر کے اور محل کے ساتھ ہی یہ مسجد بنوائی ہوگی - بیگم پور کے شمال میں ایک عمارت کے آثار ہیں جو بجایا बिजाया یا بیدی منڈل کہلاتی ہے - बेदीमंडल مشہور یہ ہے کہ اس پر چڑھ کر

" Buildings of the Tughluqs " By H. Sharp—[۱]

بیگمات اور شہزادیاں تماشہ دیکھا کرتی تھیں - بعضوں کا خیال ہے کہ یہ عمارت جہاں پناہ کی دیوار کے عقب میں تھی ' اور اس میں جہاں پناہ کا گھنٹہ گھر تھا -

جہاں پناہ میں سلطان محمد نے ہزار ستونوں والا ایک محل بھی بنوایا تھا جو اب تک ہزار ستون کے نام سے مشہور ہے - کہتے ہیں کہ سلطان نے اسی نام کا ایک اور محل عادل آباد میں بنوایا تھا - اب تو دونوں میں سے کسی کا بھی پتہ نہیں ' صرف بھدی منڈل کے نشان باقی ہیں - ممکن ہے یہی ہزار ستون محل کا ایک حصہ ہو -

جہاں پناہ میں سلطان محمد نے آب کشی اور آب پاشی کا انتظام بھی کیا تھا - تغلق آباد کے جنوب میں ایک جھیل بنائی تھی جس کے نشان اس وقت تک ملتے ہیں - سلطان فیروز شاہ نے آب رسانی کے جو طریقے بعد میں نکالے ان کا پہلا سبق اس نے یہیں سے سیکھا تھا -

دہلی میں سلطان محمد بن تغلق کی ایک یادگار اور ہے جو کسی نہ کسی حیثیت سے اب تک قائم ہے ' وہ حضرت شیخ نظام الدین اولیا کی درگاہ ہے - درگاہ کی اصلی عمارت سلطان محمد نے بنوائی تھی لیکن بعد میں اسے پھر بنوایا گیا - اب سلطان محمد کے زمانے کی صرف ایک مسجد رہ گئی ہے جو جماعت خانے والی مسجد کہلاتی ہے -

سلطان غیاث‌الدین تغلق کا مقبرہ تغلق آباد کے قلعے سے جنوب کی طرف ہے ' جسے سلطان محمد نے بنوایا تھا - یہ سنگ سرخ کا بنا ہوا ایک گنبد ہے جس کی دیواریں اسّی فٹ اونچی ہیں - اس گنبد میں برابر برابر تین قبریں ہیں جن پر نہ کتبہ ہے ' نہ نقش نگار ' نہ آرائش ' نہ زیبائش ' نہ نام ' نہ تاریخ - کہتے ہیں کہ بیچ والی قبر تو سلطان غیاث‌الدین تغلق کی ہے اور پہلوؤں کی دونوں قبروں میں سے ایک سلطان محمد کی ہے اور اس کی ماں مخدومہ جہاں کی - سلطان محمد کا انتقال ٹھٹھے کے قریب ہوا تھا ' وہاں سے اس کی نعش پایۂ تخت میں لائی گئی ' اور تغلق آباد کے مقبرے میں دارلامن کے اندر دفن کی گئی ' مگر اس کا ذکر نہ ضیاالدین برنی نے کیا اور نہ شمس سراج عفیف نے—کیوں نہیں کیا ؟ معلوم ہوتا ہے کہ ضیاالدین برنی نے حسب معمول اختصار کیا ہے - اُس نے زندگی ہی کے حالات مفصل نہیں

لکھے تو موت کے بعد کیا لکھتا ؟ شمس سراج عفیف نے تاریخ فیروز شاہی میں سلطان محمد کا کہیں کہیں ذرا سا ذکر کردیا ہے - اُس سے ایسی باریک باتوں اور تفصیلوں کی اُمید رکھنا بےجا ہے[۱] -

سلطان محمد کے زمانے میں نیچ ذات والوں کی جو عزت بڑھی اور جو مرتبے انہیں ملے ان کی یادگار آج تک زمین نے اپنے دامن میں چھپا رکھی ہے - عادل آباد سے تقریباً آدھ میل جنوب مشرق کی طرف ایک کھنڈر ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں یہاں بڑی بڑی عمارتیں تھیں - اس کھنڈر کے مختلف نام ہیں - دھوبی کا قلعہ ' نائی کا قلعہ ' اور بھنگی کا قلعہ - ان ناموں سے بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ قلعے اُنہیں لوگوں نے بنوائے تھے جنہیں سلطان محمد کے عہد میں عروج ملا تھا -

تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ " جب سلطان محمد سید احسن شاہ کا سر کچلنے کے لئے دھلی سے روانہ ہوا تھا تو وارنگل پہونچ کر بیمار پڑ گیا - اس سبب وہاں سے دولت آباد کی طرف مڑ گیا - جب قصبہ بیر کے قریب پہونچا تو اس کے دانتوں میں درد ہونے لگا اور ایک دانت ٹوٹ کر گر پڑا - سلطان نے دانت کو وہیں دفن کرا دیا ' اور اُس پر ایک گنبد بنوا دیا ' جو اس وقت تک موجود ہے - لوگ اسے سلطان تغلق کے دانت کا گنبد کہتے ہیں " - بیر کا شہر اب اعلیٰ حضرت نظام حیدرآباد کے علاقے میں ہے - حیدرآباد کے محکمہ آثار قدیمہ کی سالانہ [۲] رپورٹ میں لکھا ہے کہ بیر کی آبادی سے آٹھ میل جنوب مشرق کی طرف ایک چھوٹا سا برج ہے جو شاہی دانت کا برج کہلاتا ہے - اس برج کے اندر نہ تو کوئی قبر ہے اور نہ کتبہ ' پتھر کے دو بڑے بڑے گھڑے سے اندر رکھے ہیں ' وہ ایسے ہیں جیسے مقبروں پر نذریں چڑھانے کی غرض سے رکھے جاتے ہیں -

عمارتوں سے زیادہ مشہور اور پائدار یادگار سلطان محمد کے سکوں سے قائم ہے - سکے کثرت سے ہیں اور کئی کئی طرح کے ہیں ' خوشنما ہیں اور ساخت کے اعتبار سے تعریف کے قابل ہیں - اگر کل سکے جمع کر لئے جائیں تو اُن کی

---

[۱]—شمس سراج عفیف نے سلطان محمد کے مفصل حالات " مناقب سلطان محمد " میں لکھے تھے مگر " مناقب " کا کوئی نسخہ مجھے دستیاب نہیں ہوا - شاید ناپید ہے -

[۲]—سنہ ۲۱—۱۹۲۰ء -

مدد سے اُس زمانے کی تاریخ کا اچھا خاصا گوشوارہ بنایا جا سکتا ھے - ھم نے جو گوشوارہ بنایا ھے اُس کے چار حصے ھیں - پہلے کا نام خوشحالی ھے ' دوسرے کا تنگی ' تیسرے کا بیداری ' چوتھے کا بےچینی - یعنی سلطان محمد کا پہلا دور خوشحالی کا تھا - دوسرا دور تنگی کا ' خزانے کی کمی کو پورا کرنے کی غرض سے سلطان نے اسی دور میں تانبے کی مہریں چلائیں تھیں - تیسرا دور بیداری کا تھا - جس میں بادشاہ نے تانبے کی مہریں لے لیں اور اس قسم کے خیال ھمیشہ کے لئے ترک کردئے - چوتھا دور ان بےچینیوں کا تھا جنھیں رفع کرنے کی غرض سے بادشاہ نے بجائے اپنے نام کے خلفائے عباسیہ کے نام کا سکہ چلایا -

سلطان محمد کے نزدیک سکوں کی بڑی اھمیت تھی - تخت نشینی کے بعد ھی اس نے اُن کی طرف توجہ کی - اُس وقت خزانے میں چاندی کی نسبت سونا زیادہ تھا اس لئے بادشاہ نے تنکہ سرخ کا یعنی سنہری تنکے کا وزن اٹھارہ رتی بڑھا دیا - پہلے سنہری تنکے کا وزن ایک سو سٹر رتی تھا - اب ایک سو اٹھانوے رتی ھوگیا - پھر چاندی کا ایک نیا سکہ چلایا جس کا وزن ایک سو چالیس رتی تھا - جب دولت‌آباد میں پایۂ تخت قائم ھوگیا اور سونے چاندی کی بہتات ھوئی تو بادشاہ نے وھیں سے کئی اور چھوٹے چھوٹے سکے جاری کئے - ان میں سے بعض کا وزن چھپن رتی تھا ' اور بعض کا اکیاون رتی - پھر سلطان محمد نے تانبے کے سکوں پر اپنا ٹھپہ لگا کر ان کو چاندی کی قدر و قیمت کا بنا دیا ' یہ سکے مہروں کے نام سے مشہور ھوئے ' اور کچھ عرصے بعد متروک ھوگئے ' چاندی اور تانبے کے سکے پھر بدستور چلنے لگے - مگر اب سونے کے تنکے کا وزن ایک سو انہتر رتی ھوگیا ' اور چاندی کے سکے بنے جن میں سے ھر ایک کا وزن پچپن رتی تھا -

بہترین یادگار اولاد ھے - اولاد کے آگے عمارتوں اور سکوں کی حقیقت ھی کیا ھے ؟ لیکن اس اعتبار سے سلطان محمد خوش نصیب نہ تھا ' خدا نے اُسے بیٹیاں تو کئی دی تھیں ' مگر بیٹا بھی کوئی دیا تھا یا نہیں ' یہ بات ابھی تک زیر بحث ھے - بعض کا خیال ھے کہ سلطان محمد کا ایک بیٹا تھا جو باپ کی وفات کے وقت چھوٹا سا تھا - کرنیل ھیگ کا خیال ھے کہ ملک فیروز کو سلطان محمد کے اس بیٹے کا علم تھا - اسی وجہ سے وہ اپنے آپ کو سلطان محمد کا شرعی وارث نہ سمجھتا تھا - لیکن ضیاالدین برنی کا قول ھے کہ "سلطان محمد کا کوئی بیٹا نہ تھا ' اسی سبب وہ ملک فیروز پر

مہربان رہتا تھا - اور عرصے سے اس کو اپنا جا نشین بنانے کی فکر میں تھا - آخر بنا ہی دیا - پھر بھی جب وقت آیا تو ملک فیروز نے بادشاہ بننے سے انکار کر دیا اور دو روز تک برابر انکار کرتا رہا - بڑی مشکل سے تیسرے روز رضامندی ظاہر کی " - طبقات اکبری میں لکھا ہے کہ " ملک فیروز نے آخر وقت میں سلطان محمد کی بڑی خدمتیں کی تھیں - اس وجہ سے وہ اس کی طرف بہت مائل ہوگیا اور اُسے اپنا جانشین بنا دیا " - تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ سلطان محمد اپنے چچازاد بھائی ملک فیروز باربک کو اپنا جا نشین اور خلیفہ بنانا چاہتا تھا - ٹھٹھے کے نواح میں جب سلطان محمد کا وقت آخر ہوا تو ملک فیروز نے اس کی بہت خدمت کی جس سے سلطان اس پر اور بھی مہربان ہوگیا - مرنے سے پہلے اُس نے ملک فیروز کو اپنا ولی‌عہد بنا دیا اور یہ شعر پڑھا -

تو سر سبز باشی بشاهنشهی   کہ من کردہ ام سر ز بالین تهی

" فیروز ! خدا کرے تم دنیا میں پھولو پھلو اور سرسبز و شاداب ہو - میری عمر کا پیمانہ تو لبریز ہوگیا اور اب دنیا سے میرا کوچ ہے " - جب سلطان محمدکا انتقال ہوگیا اور ٹھٹھے سے شاہی لشکر لوٹا اور سہوان میں پہونچا تو وہاں مخدوم زادہ عباسی اور شیخ نصیرالدین چـراغ دہلی جیسے بہت سے عالم اور درویش اور بڑے بڑے امیر ملک فیروز کے خیمے میں آئے اور کہنے لگے " اے ملک - سلطان محمد نے آپ کو ولیعہد بنایا تھا دوسرا کوئی اس لائق ہے بھی نہیں - مناسب یہ ہے کہ آپ تخت پر بیٹھ جائیں اور تاج پہن لیں " ملک فیروز نے بہت تامل کے بعد جواب دیا " میرا ارادہ تو حج کو جانے کا ہے " - لیکن امیروں نے فیروز کو مجبور کیا اور تخت پر بٹھا دیا - منتخبات‌التواریخ میں لکھا ہے کہ ملک رجب کا بیٹا سلطان غیاث‌الدین تغلق کا بھتیجہ اور سلطان محمد عادل کا چچا زاد بھائی فیروز ولی عہد تھا - ٹھٹھے کے قریب سلطان محمد کا انتقال ہو گیا تو امیروں اور وزیروں نے اسی کو تخت پر بٹھا دیا - ایک روایت یہ ہے کہ فیروز شاہ کی تخت نشینی مخدوم زادہ عباسی بغدادی اور شیخ نصیرالدین چراغ دہلی کی بدولت ہوئی- ان دونوں نے لوگوں کو فیروز کی بیعت پر آمادہ کیا - مشہور یہ ہے کہ جن دنوں سلطان محمد گجرات اور سندھ کی مہم پر گیا ہوا تھا اُن دنوں شیخ نصیرالدین چراغ نے ملک فیروز کو دہلی

میں بادشاہ بنا دیا - جب یہ خبر سلطان محمد کو ملی تو اُس نے اُن کی گرفتاری کا حکم دے دیا - حکم کی تعمیل ہوئی - شیخ نصیرالدین اور ملک فیروز دونوں گرفتار کئے گئے اور قیدی بنا کر دھلی سے سندھ بھیجے گئے - راستے میں ملک فیروز نے جُل کھیلا - نگہبانوں کو ایسا پرچایا کہ وہ اُسے شیخ جمال‌الدین کے پوتے شیخ بدرالدین کے پاس ہانسی لے پہونچے - شیخ بدرالدین کی نظر فیروز پر پڑی تو بولے - " اس قیدی کو عنقریب بادشاہ بنایا جائیگا " - غرض جب شیخ نصیرالدین محمود اور ملک فیروز دونوں ٹھٹھے کی نواح میں پہونچے اور شاہی کیمپ میں داخل ہوئے تو سلطان محمد نے ان کے قتل کا حکم دے دیا - حکم دیتے دیر نہ گزری تھی کہ سلطان کی حالت غیر ہوگئی - سلطان کا ایک لڑکا تھا جو اس وقت شکار کھیلنے چلا گیا تھا - جب اُمرا نے بادشاہ کا غیر حال دیکھا تو اُس کے حکم کی تعمیل نہ کی - شیخ نصیرالدین اور ملک فیروز قتل ہونے سے بچ گئے - سلطان محمد کا انتقال ہو گیا تو امیروں اور وزیروں کے اتفاق سے ملک فیروز نے تاج پہنا اور تخت نشین ہوا - پھر اُس نے کسی حیلے سے سلطان محمد کے بیٹے کو قتل کرا دیا - جب سلطان فیروز دھلی واپس آیا تو اس نے ہانسی کی نواح میں پرگنہ چوراسی شیخ بدرالدین کی نذر کیا - شمس سراج عفیف نے اِن روائیتوں کا کچھ ذکر نہیں کیا - وہ لکھتا ھے کہ " سلطان محمد کو ملک فیروز سے بڑی محبت تھی - وہ اسے اپنی آنکھوں کے سامنے رکھتا ' حکومت کے طریقے سکھاتا ذمہ داریاں اُس کو سونپتا اور طرح طرح کی محنت مشقت کے کام اُس سے لیتا "- اگر اس کو فیروز سے محبت نہ ہوتی- عداوت ہوتی تو وہ فیروز کو دربار میں رکھتا ہی کیوں ؟ نکال دیتا - جب سلطان محمد کا انتقال ہو گیا اور مغلوں نے شاہی کیمپ کو لوٹنا شروع کیا تو ان امیروں ' عالموں اور صوفیوں نے جو سلطان محمد کے ساتھ ساتھ ٹھٹھے میں تھے مل کر یہ طے کیا کہ فیروز کو بادشاہ بنا دیا جائے - مگر اسے بادشاہ بننے کی خواھش نہ تھی - اُس نے انکار کردیا اور کہا " میرا ارادہ تو خانۂ کعبہ کی زیارت کا ھے......"سلطان محمد کی بہن خداوند زادہ موجود تھی - اس نے اُمرا کو پیغام بھیجا کہ " میرا بیٹا داور ملک نائب امیر حاجب سلطنت کا حق دار ھے - تم سب کو چاھئے کہ اسی کو بادشاہ بناؤ - اُس کے ہوتے ہوئے تم دوسرے کو کیوں کر بادشاہ بنائے دیتے ہو ؟ " - یہ بات اُمرا کو ناگوار گزری انہوں نے ملک سیف‌الدین خوجو کے

ذریعے خداوند زادہ سے کہلا بھیجا " بیگم......داور ملک کو ہم بھی جانتے ہیں لیکن ہم ملک فیروز کو چھوڑ کر داور ملک کو بادشاہ بنا دیں گے تو قیامت ہی آجائے گی - تم کو بھی اصل خیر سے گھر پہونچنا مشکل ہو جائےگا اور ہم بھی اپنے بال بچوں کی صورتیں دیکھنے نہ پائیں گے - تمہارا بیٹا داور ملک ناکارہ ہے ' سلطنت اُس کے بس کی نہیں - بہتر یہ ہے کہ جو کچھ ہم سب نے مل کر طے کیا ہے اُسی کو تم بھی منظور کر لو...... " یہ سن کر خداوند زادہ خاموش ہو گئی اور ملک سیف‌الدین لوٹ آیا ......غرض سب نے مل کر فیروز کو بادشاہ بنانا چاہا ' پر فیروز کسی طرح راضی نہ ہوتا تھا - صحیح اور معتبر روائیتیں یہ بتاتی ہیں کہ اُس وقت تاتار خاں جیسا جہاندیدہ بزرگ کھڑا ہو گیا اور اس نے فیروز کا بازو پکڑ کر زبردستی اُس کو تخت پر بیٹھا دیا ...... یہ واقعہ ہجری سنہ ۷۵۲ کی چوبیسویں محرم اور عیسوی سنہ ۱۳۵۱ کی بارھویں مارچ کو ہوا ...... اس کے بعد سلطان فیروز محل میں گیا اور خداوند زادہ کے پیروں پر گر پڑا - خداوند زادہ نے فیروز کا سر اُٹھا کر اپنی گود میں لے لیا - اور وہ تاج جو سلطان تغلق شاہ اور سلطان محمد شاہ کی یادگار تھا اور جس کی قیمت ایک لاکھ تنکے تھی اپنے ہاتھ سے ملک فیروز کو پہنا دیا ...... شمس سراج عفیف نے سلطان محمد کے کسی بیٹے کا ذکر نہیں کیا اور اس کے بیان سے یہ پایا بھی نہیں جاتا - اگر سلطان محمد کا کوئی بیٹا ہوتا تو خداوند زادہ اپنے بیٹے کو سلطنت کا حق‌دار نہ سمجھتی اور اس کی طرف سے سلطنت کی دعویدار نہ ہوتی ؟

کرنیل ہیگ نے شمس سراج عفیف کے بیان کو قابل اعتبار نہیں سمجھا اور ملا عبدالقادر بدایونی کے بیان کو کمزور بتایا ہے اور یہ لکھا ہے کہ ان دنوں خواجہ جہاں وزیر دہلی میں تھا اس کو سلطان محمد کی وفات کا حال معلوم ہوا تو اُس نے کہا " سلطنت سلطان مرحوم کے فرزند کا حق ہے - اتنا کہہ کر اُس نے ایک شہزادے کو تخت پر بیٹھا دیا " - خواجہ جہاں کے نزدیک وہی سلطان محمد کا بیٹا تھا - یہ بات سب میں مشہور ہوگئی - جب سلطان فیروز دہلی میں آیا تو معاملہ دگر گوں ہوگیا - نہ بادشاہ رہا ' نہ بادشاہ گر ' نہ شہزادہ رہا اور نہ خواجہ جہاں -

شمس سراج عفیف نے کشور خاں بن کشلو خاں بہرام ایبہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب خواجہ جہاں کو دہلی میں سلطان محمد کے مرجانے

کی خبر ملی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سب سرداروں ' امیروں ' خانوں عالموں اور صوفیوں نے مل کر ملک فیروز کو بادشاہ بنا لیا ہے تو اس نے سلطان محمد کے بیٹے کو تخت پر بیٹھا دیا - پھر کچھ جمعیت اکٹھی کر کے سلطان فیروز کے مقابلے پر اتر آیا لیکن یہ بات ٹھیک نہیں ہے - ...... خواجہ جہاں نے جو کچھ کیا مصلحت کی بنا پر کیا - اس کا غلام ملیح نامی سلطان محمد کے ساتھ ساتھ ٹھٹھے کی مہم میں موجود تھا - ملیح نے اپنی آنکھوں سے سلطان کو مرتے ہوئے دیکھا ' اس کے کیمپ کو لٹتے ہوئے دیکھا اور لشکر کے نظم و نسق کو مٹتے ہوئے دیکھا تو دوڑا اور دھلی کا رخ کیا - وھاں پہونچ کر خواجہ جہاں سے کہا " بادشاہ کا تو انتقال ہوگیا ملک فیروز گم ہو گیا اور مغلوں کے دھاوے ہو رہے ہیں - قیامت برپا ہے " - یہ سن کر خواجہ جہاں گھبرا گیا - وہ ملک فیروز کو اپنے بیٹے کے برابر عزیز رکھتا تھا - بیٹا بیٹا کہہ کر اسے پکارا کرتا تھا - ملک فیروز کے گم ہو جانے کی خبر سنی تو بےحد صدمہ ہوا - ساتھ ھی سلطنت کا خیال آیا اور حفاظت کی غرض سے ایک لڑکے کو سلطان محمد کا بیٹا بنا کر تخت پر بٹھا دیا - خواجۂ جہاں کے نزدیک اس وقت مصلحت اسی میں تھی -

ضیاالدین برنی نے لکھا ہے کہ " سلطان فیروز شاہ ٹھٹھے سے دھلی کے طرف روانہ ہوا تو راستے میں سنا کہ احمد ایاز (خواجہ جہاں) باغی ہوگیا ہے - لوگوں کو دھوکہ دینے کی غرض سے اس نے چھہ سات برس کے ایک حرامی بچے کو سلطان محمد کا بیٹا مشہور کر دیا ہے اور کھلونے کی طرح اسے تخت پر بٹھا دیا ہے ...... جب شاھی سواری ھانسی سے آگے بڑھی تو احمد ایاز کے کل ساتھی مجرموں کا سا حال بنائے سلطان فیروز شاہ کے سامنے آئے اور تھوڑی دیر میں خود احمد ایاز بھی بادشاہ کی خدمت میں آموجود ہوا - اس کا حال ابتر تھا ' بدن لرز رہا تھا ' دل کپکپا رہا تھا سر منڈا ہوا تھا اور کھلا ہوا تھا - سر کا پٹکو مجرموں کی طرح گردن میں پڑا تھا......غرض شاھی سواری اور آگے بڑھی ...... اور بادشاہ کا داخلہ پایۂ تخت میں ہو گیا - اس وقت سب چین سے رہے - نہ خونریزیاں ہوئیں نہ گرفتاریاں - البتہ خان جہاں پر ' اس کے ساتھیوں پر ' اور اس کم بخت بچے پر جسے اس نے تخت پر بٹھایا تھا مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا - ان میں سے کسی کا نام نشان تک باقی نہ رہا " -

ضیاالدین برنی کا اور شمس سراج عفیف کا مطلب ایک ھی ھے مگر طرز بیان جدا جدا ھے - ضیاالدین برنی نے خواجہ جہاں ' احمد ایاز کو بہت سخت سست کہا ھے ' اس پر لعنت ملامت کی ھے اور اس بچے کو جسے خواجہ جہاں نے تخت پر بٹھا دیا تھا نطفۂ بے تحقیق لکھا ھے - شاید ضیاالدین برنی ایسا لکھنے پر مجبور تھا - وہ سلطان فیروز شاہ کے ابتدائی دور میں تاریخ لکھ رہا تھا اور جو کچھ لکھ رہا تھا فیروز شاہ کی خدمت میں پیش کرنے کی غرض سے اور انعام حاصل کرنے کی غرض سے لکھ رہا تھا - خواجہ جہاں پر اور اُس کے بنائے ہوئے " بادشاہ " پر لعنت ملامت نہ کرتا تو کیا کرتا ؟ - شمس سراج عفیف کو اس بات کی ضرورت نہ تھی - اُس نے نہ خواجہ جہاں پر لعنت کی اور نہ اُس کے بنائے ہوئے بادشاہ پر - یہ بات کہ ملیح نامی غلام نے آکر خواجہ جہاں کو سنانی سنائی جس سے خواجہ جہاں کے آئے حواس جاتے رہے اور اُس نے ایک لڑکے کو تخت پر بٹھا دیا ٹھیک معلوم ہوتی ھے -

یہ لڑکا سلطان محمد کا بیٹا تھا یا نہیں ؟ ضیاالدین برنی ' شمس سراج عفیف ' محمد قاسم فرشتہ ' نظام‌الدین احمد بخشی کا اتفاق ھے کہ سلطان محمد کا کوئی بیٹا نہ تھا - ملا بدایونی نے جو روایت لکھی ھے وہ درست نہیں - معلوم ہوتا ھے کہ ایسی خبریں سلطان محمد کو بدنام کرنے کی غرض سے بعد میں اُڑائی گئیں - مطلب یہ تھا کہ عوام پر وہ بد مزگی روشن ھو جائے جو سلطان محمد کے اور علماء و مشائخ کے درمیان تھی - گویا فیروز شروع سے علماء و مشائخ کا منظور نظر تھا اور سلطان محمد اُن کے نزدیک مردود تھا -

کرنیل ھیگ کا خیال ھے کہ وہ لڑکا جسے خواجہ جہاں نے تخت پر بٹھایا سلطان محمد ھی کا تھا - اور سلطان محمد نے ملک فیروز کو اپنا جانشین ہرگز نہیں بنایا تھا - ممکن ھے کہ موقع اور وقت دیکھ کر اُس نے ملک فیروز کو اپنے بچّے کا نگراں اور اتالیق بنادیا ھو مگر سلطنت اس کے حوالے کردینے کا ثبوت نہیں ملتا -

ھمارے نزدیک خداوند زادہ کی گواھی مستند ھے - اگر سلطان محمد کا کوئی لڑکا ہوتا یا اس نے ملک فیروز کو اپنا جانشین بنا دیا ہوتا تو پھر

خداوند زادہ اپنے بھتیجے داوز ملک کی طرف سے دعوی نہ کرتی - اور خداوند زادہ سے بہتر اس بات کا علم ہو کسے سکتا تھا ؟ - وہ خود قابلِ احترام تھی اور اس کی بات بڑے پایہ کی تھی - یہی وجہ تھی کہ تخت نشینی کے بعد سلطان فیروز اس کو منانے کی غرض سے محل میں گیا اور اُس کے قدموں میں گر پڑا - اتنا اثر خداوند زادہ میں کہاں سے آگیا ؟ -

ساتواں باب

ساتواں باب

نظام سلطنت

بعض کا خیال ہے کہ سلطان محمد کا نظام سلطنت اسلامی تھا ' شریعت کے مطابق تھا - اور بعض کا خیال ہے کہ سلطان محمد شریعت سے بیزار تھا اور اسلامی طرز حکومت سے نفرت کرتا تھا - سلطان علاءالدین خلجی کی طرح اس کو بھی شریعت سے دلچسپی نہ تھی - وہ اپنی تیرہ اینٹ کی مسجد الگ چننی چاہتا تھا اور حکومت کا ایسا نیا آئین بنانا چاہتا تھا جس میں علماء کو دخل نہ ہو ' اور شریعت کا اثر نہ ہو - مگر واقعات بتاتے ہیں کہ یہ دونوں خیال غلط ہیں -

سلطان محمد کے نظام سلطنت میں اور اسلامی حکومت میں بہت فرق تھا - اسلامی حکومت کا اصلی منشا مساوات قائم کرنا تھا ' جو آج کل سوشلزم (Socialism) یا کمیونزم (Communism) کے ناموں سے مشہور ہے - اسلام نے سیاسیات میں اور شریعت میں کوئی فرق نہیں کیا - دین اور دنیا میں جدائی نہیں کی ' کوئی امتیاز نہیں کیا - رسول عربی فرمایا کرتے تھے کہ " جس نے دین کی خاطر دنیا کو چھوڑ دیا وہ مجھ سے نہیں ' اور جس نے دنیا کی خاطر دین کو ترک کردیا وہ مجھ سے نہیں " - غرض اسلام نے دین اور دنیا میں گہرا تعلق پیدا کردیا تھا - رسول عربی خود دین و دنیا دونوں کے حاکم تھے - اُن کے چاروں خلیفہ حضرت ابو بکر ' حضرت عمر ' حضرت عثمان ' اور حضرت علی ' ان ہی کی طرح دین کے بھی حاکم تھے اور دنیا کے بھی - اُن کے زمانے میں سیاسی دنیا ' اسلامی دنیا سے علیحدہ نہ تھی اور دین و دنیا کے درمیان کوئی فرق نہ تھا -

سچ ہے دین دنیا کا باہمی اتحاد اسلامی طرزِ حکومت کی سب سے بڑی خصوصیت تھی ' مگر اسلامی طرزِ حکومت حضرت علی کے بعد سے مٹنے لگا - جمہوریت جاتی رہی - اور دین سے دنیا کی علیحدگی نمودار ہو گئی - پہلے

بنی امیہ کی اور پھر بنی عباس کی بڑی بڑی سلطنتیں قائم ہوئیں۔ اگر چہ سلطان خلیفہ کہلاتا رہا لیکن اب خلیفہ کے لئے شریعت کا عالم اور عامل ہونا ضروری نہ رہا - یہ بات کھل گئی کہ دین کی سرداری اور چیز ہے اور دنیا کی سرداری اور چیز -

سلطان محمد نے اسلامی تاریخ کا اور شریعت کا خوب مطالعہ کیا تھا۔ وہ اسلامی طرز حکومت سے واقف تھا - یہ بھی جانتا تھا کہ انقلاب کیوں کر پیدا ہو گیا ' لیکن مجبور تھا - زمانہ بدل چکا تھا - اُس کی آنکھوں میں پہلے بادشاہوں کا منظر پھر رہا تھا - سلطان محمد غوری اور قطب الدین ایبک سے لے کر اس وقت تک جتنے بادشاہ ہوئے وہ سب شریعت کی مخالفت کرتے اور اپنی اپنی مرضی کو ملک کا قانون بناتے چلے آئے تھے - شریعت کیا تھی ؟ حیلہ سا تھا جسے ذاتی اغراض کے لئے وہ کبھی کبھی اختیار کرلیا کرتے - اور شریعت کے پردے میں جو چاہتے کر بیٹھتے - اصل میں وہ شریعت کو وقتی مصلحت کا منافی جانتے تھے - سلطان علاءالدین خلجی اسلام سے بالکل بے بہرہ تھا - اسے اسلام کے متعلق اتنی بھی واقفیت نہ تھی جتنی سلطان شمس الدین التمش کو یا سلطان غیاث الدین بلبن کو تھی - اس نے شریعت کا پردہ بھی جو اب تک نام چار کو تھا اٹھا ڈالا - اور جو کچھ کیا اپنی ہی طبیعت سے کیا - بعد میں قاضی مغیث الدین بیانوی سے اپنے بنائے ہوئے بعض قانون بیان کئے - اور پوچھا کہ '' یہ قانون کہاں تک شریعت کے مطابق ہیں'' ؟ قاضی نے اپنا سر زمین پر رکھ کر کہا کہ '' یہ سب شریعت کے خلاف ہیں'' - سلطان بولا - '' قاضی جی ! جو کچھ تم کہتے ہو بجا ہے - لیکن دنیا کے اور خاص کر ہندوستان کے معاملات محض شریعت کی پابندی سے تکمیل تک نہیں پہونچ سکتے - جب تک میں سخت سے سخت سزائیں نہ دوں گا ملک میں امن قائم نہ ہوگا - اس زمانے کے آدمی صرف مذہبی نصیحتوں سے راستے پر آنے والے نہیں - آج کل تو ایسے اوباش اور بد چلن لوگ ہیں کہ اپنی حرکتوں سے کسی عنوان باز نہیں آتے - قیدیں کاٹتے ہیں ' سزائیں بھگتتے ہیں ' پھر بھی بدمعاشی اور بدچلنی کو نہیں چھوڑتے - میں تنگ آگیا ہوں - اور تنگ ہو کر آخر میں نے بھی حکم دے دیا ہے کہ بدمعاشوں کو خوجہ کر دیا جائے - میں جانتا ہوں کہ شریعت اس قسم کی سزاؤں کی اجازت نہیں دیتی ' لیکن خدا گواہ ہے - میرا مقصد خلق خدا کی بہبودی ہے - وہ میرے گناہوں کو معاف کرے گا - توبہ کا دروازہ کھلا ہے '' -

سلطان علاءالدین خلجی کا خیال تھا کہ شریعت اور چیز ہے - وقتی مصلحت اور چیز - اور بادشاہ کے لئے شریعت کا سمجھنا اتنا ضروری نہیں جتنا کہ وقتی ضرورت کا پہچاننا - اور مصلحت کے مطابق عمل کرنا - اس کا قول تھا کہ میں نے وقتی ضرورت کو پہچان کر اس کے مطابق عمل کیا ہے - یہی میرے لئے کافی ہے -

سلطان محمد کو سلطان علاءالدین خلجی کی ڈھیٹ پن پر تعجب تھا ' اور عام بادشاہوں کی غفلت پر اچنبھا - وہ جانتا تھا کہ شریعت میں اور وقتی مصلحت میں کوئی تصادم (Conflict) نہیں ' اختلاف نہیں ' سمجھ کا پھیر ہے - شریعت کے ذریعے سیاسیات میں کامیابی ہوسکتی ہے - یہ کہنا کہ " دنیا کے اور خاص کر ہندوستان کے معاملات شریعت کی پابندی سے تکمیل تک نہیں پہونچ سکتے " - نا سمجھی ہے ' جہالت ہے - اسلام نے شریعت کے نام سے اصول (Fundamentals) قائم کر دئے ہیں - فروعات (Circumstantials) کو سمجھنا اور ان کے اور شریعت کے درمیان موافقت پیدا کرنا سلطان کا کام ہے - اسی کا نام وقتی مصلحت ہے ' درایت ہے - پہلے بادشاہ اس بات کو نہیں سمجھ سکے - وہ شریعت کو بھی نہیں سمجھے - بہتیرے علماء بھی نہیں سمجھتے - بادشاہوں نے لا علمی سے اور عالموں نے خود غرضی سے شریعت کو وقتی ضرورت اور مصلحت کی ضد بنا دیا - شریعت کو وقتی مصلحت کا بر عکس ٹھہرا کر بدنام کر دیا بد نما بنا دیا -

سلطان محمد کو اس بات کا افسوس تھا کہ سلاطین دہلی اس وقت تک شریعت کو نہ سمجھے اور نہ انہوں نے سمجھنے کی کوشش کی - جو بات ان کے دلوں ہی میں رہی اسے علاءالدین خلجی نے ڈنکے کی چوٹ کہدیا کہ شریعت ہندوستان میں امن قائم کرنے کے لئے نا کافی ہے - اس کے بر خلاف سلطان محمد کا عقیدہ یہ تھا کہ شریعت وقتی ضرورت اور مصلحت کے منافی نہیں - مخالف نہیں بلکہ مرادف ہے - اور امن قائم کرنے کے لئے اس سے بہتر طریقہ ممکن نہیں - اسی بات پر سلطان محمد کو سلطان علاءالدین خلجی سے اختلاف تھا - جہاں اُسے علاءالدین خلجی سے اختلاف تھا وہاں حضرات علماء کی حالت پر افسوس تھا - اس کو یقین تھا کہ علماء کو شریعت پر عبور نہیں ہے - بہتیرے نام ہی کے علماء ہیں - دراصل نہ عالم ہیں نہ عامل - اگر ان کے ہاتھوں میں سلطان علاءالدین خلجی سلطنت کی باگ دے بھی

دیتا تو بھی کیا بنتا ؟ سلطنت کی اہلیت تو اُن میں ہے نہیں - ان میں فراخ دلی ' سیر چشمی ' حق بینی ' خلوص اور ایثار کی خوبیاں نام کو نہیں -

سلطان محمد نے ان سب باتوں پر غور کیا - پھر پہلی غلطیوں کو دور کرنے بیٹھا - اس نے سلطنت کا اور شریعت کا وہ گہرا تعلق اور باہمی اتحاد قائم کرنا چاہا جو اسلامی حکومت کا منشا ہے - اُسے مذہبی تعصب سے نفرت تھی - وہ اپنی کل رعایا کو ایک نظر سے دیکھتا اور سب کے ساتھ یکساں سلوک کرتا - ہندوؤں اور مسلمانوں کے جھگڑے اس نے مٹا دیئے - شیعہ سنی کے قصے اٹھا دیئے - یہ سب کچھ کیا - مگر اس کی اور علماء کی ٹھن گئی - علماء کا اثر بہت گہرا تھا ' دور دور ان کا جال پھیلا تھا - سلطنت کے عملے اور فوج کے دستے بھی ان کے اثر میں تھے - علماء سمجھے کہ یہ بادشاہ علاءالدین کا بھی باوا نکلا ' اس کے منھہ کو خون لگ گیا ہے - اس نے ہمارا خون بہانے پر کمر باندھ لی ہے - یہ سوچ کر بڑھے اور بادشاہ پر اور اس کے طرز عمل پر دل کھول کر اعتراض کرنے لگے - اور سلطنت کے معاملات میں جا بےجا دخل دینے لگے - نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان محمد اور علماء میں اچھی خاصی جنگ ہو گئی -

سلطان محمد نے عدالت کے محکمے کو علماء کے تحت سے نکال لیا - عدالت میں پرانے عملے کی بجائے نئے نئے تقرر کئے - اور قاضیوں اور مفتیوں کے فتووں پر خود نظر ثانی کرنے لگا - اکثر ان کی تردید بھی کیا کرتا - سلطان نے اوقاف کا انتظام بھی اپنے ہاتھ میں لے لیا - اور بہت سے عالموں کو جو اب تک اوقاف کے متولی بنے ہوئے تھے نکال دیا - اور ان کی جگہہ نئے نئے افسر مقرر کئے - علماء کے نزدیک محصول صرف چار تھے - یعنی خراج ' زکوۃ ' جزیہ اور خمس - سلطان محمد نے محصولوں کی تعداد بڑھا دی - لڑائی کی لوٹ میں سے لشکریوں کو اسی فی صدی ملا کرتا تھا - سلطان محمد نے انہیں بیس فی صدی سے زیادہ نہ دیا - سلطان علاءالدین خلجی نے بھی یہی کیا تھا - سلطان محمد نے اس بارے میں اسی کی پیروی کی - اب تک عالموں ' سیدوں اور بڑے بڑے صوفیوں اور سنیوں کو خاص خاص امتیاز حاصل تھے - قانون کی حد اُن پر جاری نہ ہو سکتی تھی - سلطان محمد نے اس قسم کے کل امتیاز دور کردیئے - ان کے ساتھ عام آدمیوں کا سا سلوک کرتا

شروع کیا - اور شرع کی حدیں بھی ان پر جاری کرنی شروع کیں - جرم ثابت ہو جاتا تو بےتکلف انہیں سزائیں دیتا - سلطان محمد کو علماء سے کوئی دشمنی نہ تھی - وہ جو کچھ کرتا تھا اصول کی بنا پر کرتا تھا - شریعت کے حکم سے کرتا تھا - شریعت کسی امتیاز کی اجازت نہیں دیتی - شریعت میں اگر کوئی معیار ہے تو قابلیت کا ' جوہر کا - رشتوں کی ' تعلقات کی بلکہ ذاتیات کی بھی کچھ اصلیت نہیں - سلطان محمد بھی قابلیت کو اور جوہر کو دیکھتا تھا - اگر وہ علماء میں قابلیت اور جوہر نہ پاتا تو انہیں برخاست کردیتا - ہندوؤں میں دیکھتا تو انہیں تعینات کر دیتا - عام لوگوں میں دیکھتا تو انہیں بڑھا چڑھا دیتا - یہ باتیں علماء کو ناگوار گزرتی تھیں -

بادشاہ کی شان اور ذمہ داریاں

سلطان محمد سلطنت کے کام خود ہی کیا کرتا تھا - یوں تو بہتیرے سردار تھے ' اور ہر محکمے ' کے اہلکار تھے ' افسر تھے ' وزیر تھے ' سپہ‌سالار تھے اور میر عرض تھے جن کے نام رجسٹروں میں درج تھے اور جنہیں تنخواہیں ملا کرتی تھیں - مگر سلطان محمد خود ہی اپنا وزیر تھا - خودہی سپہ‌سالار اور خود ہی میر عرض - امن کے دنوں میں وزیر کا کام کرتا ' اور جنگ کے وقت سپہ‌سالار اور میر عرض بنتا - خود ہی لشکر کو میدان میں جماتا - اور لڑائی کے لئے آراستہ کرتا - اور جنگ کے طریقے بتاتا - یہی وجہ ہے کہ تاریخ میں صرف عہدوں کا ذکر رہ گیا - کسی عہدےدار کا نام نہ آیا - کسی مورخ نے یہ نہیں لکھا کہ سلطان محمد کے عہد میں میر عرض کون تھے ؟ سپہ‌سالار کون تھے ؟ کس نسل کے تھے ؟ کس قوم کے اور کس مذہب کے تھے ؟ اور ان کے نام کیا تھے ؟ بات یہ ہے کہ عہدےدار برائے نام ہوتے تھے - ان کا استاد اور کرتا دھرتا اصل میں بادشاہ ہی تھا - جس طرح خود بادشاہ وزیر کا - سپہ‌سالار کا - اور میر عرض کا کام کیا کرتا تھا اسی طرح عدالت کے افسروں کا بھی - یوں تو سارے ملک میں قاضی مقرر تھے اور قاضی القضاۃ بھی ' میر عدل بھی ' اور محتسب اور مفتی بھی - مگر ان سب کا معلّم بادشاہ ہی تھا - وہ ہی انصاف کا سرچشمہ تھا - جب مقدمے قاضیوں سے فیصل نہ ہو سکتے ' جب فریادیوں کا اطمینان قاضیوں سے نہ ہوسکتا تو بادشاہ ہی فیصلے کرتا ' اور انصاف کی داد دیتا - اور فتوے لگاتا - جاسوسی کے محکمے میں بھی

بادشاہ کو بہت دخل تھا ' جاسوس سارے ملک میں پھیلے ہوئے تھے اور صوبجات کی بلکہ دور دور کی خبریں دربار تک پہونچاتے رہتے تھے مگر ان کی نگہداشت بادشاہ خودھی کیا کرتا - یہی حال وزیروں کا تھا - کل کتنے وزیر تھے ؟ اور ان کے کیا کیا کام تھے ؟ اور کیا فرایض تھے ؟ یہ تفصیل کسی تاریخ میں نہیں ملتی - قرینے بتاتے ھیں کہ وزیرِ مالیہ اور وزیرِ خارجیہ علیحدہ علیحدہ تھے وزیرِ خارجیہ کا کام دیوانِ رسالت کا قایم رکھنا تھا - یعنی غیر ممالک میں پیام و سلام کا انتظام کرنا اور ان کے ساتھ خط کتابت کرنا - مگر اس قسم کے کل کام وزیر بادشاہ ھی کے حکم سے کرتا - وزیرِ مالیہ وہ افسر تھا جو شاھان مغلیہ کے زمانہ میں دیوان کہلایا - لیکن سلطان محمد کے عہد میں وزیرِ مالیہ کی منزلت صدر محرر سے زیادہ نہ تھی ذمہ دار یاں کل بادشاہ ھی کی ھوتی تھیں - وزیروں کا کام مشورہ دینے کا تھا - ضروری تجویزیں پیش کرنے کا ' ضروری خبریں پہونچانے کا ' اطلاعیں بھیجنے کا ' حکم کی تعمیل کرنے کا ' اور فروعات کو انجام دینے کا - اصول ھر محکمے کے بادشاہ خود ھی بناتا تھا - وہ ھر معاملے میں وزیروں اور مشیروں سے راے لے لیا کرتا - پر کرتا وھی جو اس کے نزدیک بہتر ھوتا - غرض سارا ملک بادشاہ سے وابستہ تھا - اور سلطنت میں اس کی مثال کواڑ کی چول کی مانند تھی - جس طرح چول سے کواڑ قایم ھوتا ھے اسی طرح بادشاہ کی ذات سے سلطنت قایم تھی -

مجلسِ شوریٰ

سلطان محمد بن تغلق شریعت کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کرتا تھا - قران میں ھے " وشاورھم‌فی‌الامر " " اے رسول - کام کرنے سے پہلے مشورہ کرلیا کرو " - سلطان محمد بھی مشورہ کیا کرتا - اس نے ایک مجلسِ شوریٰ قایم کر رکھی تھی - لیکن مجلسِ شوریٰ کا کوئی فرد بھی بادشاہ کی طرح بیدار مغز نہ تھا - مشورہ دینے والوں کی ذھنیت اور تھی اور سلطان محمد کی کچھ اور - وہ مجلسِ شوریٰ کو علم و واقفیت میں اپنے سے کمتر پاتا ' اور مُشیروں میں سے کسی کو اھل نہ دیکھتا تو اپنی ھی عقل و سمجھ پر بھروسہ کرتا - مشورہ دینے والوں کو اس کی ھاں میں ھاں ملانے اور اس کی تعریفیں کرنے کے سوا چارہ نہ تھا - تاریخ فیروز شاھی میں لکھا ھے کہ " سلطان محمد نے بڑی نرالی طبیعت پائی تھی - وہ بیدار مغز ' روشن دماغ اور مُجدّد تھا - ایجاد کن تھا اگر چہ مجلس شوریٰ

اس کے ساتھ ساتھ رهتی تھی اور وہ اس سے مشورہ بھی کیا کرتا مگر ملکی ' فوجی اور سیاسی معاملات کو چھوٹے ہوں یا بڑے وہ کبھی مجلسِ شوریٰ کی راے سے نہ کرتا - جو بات اس کے دل میں آجاتی اور جسے وہ خود سوچ سمجھ لیتا اسی پر عمل کرتا " - ایک مقام پر ضیاالدین برنی نے سلطان محمد کے خاص خاص مشیروں پر لعنت کی ہے اور ان کو سخت سست کہا ہے وہیں لکھا ہے کہ " ایسے بدترین آدمی سلطان محمد کے مقرّب تھے - وہ ہی اس کے نزدیک معتبر تھے اور اس کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے "

بادشاہ کے اختیارات

بعض کا خیال ہے کہ سلطان محمد خود مختار تھا - خود راہ تھا - اگرچہ وہ اپنے آپ کو قانون کی حد میں رکھنے کی کوشش کرتا تھا اور شریعت کا دم بھرتا رهتا تھا پھر بھی اس کے اختیارات کی انتہا نہ تھی - ضیاالدین برنی کا اور ابن بطوطہ کا خیال ہے کہ سلطان محمد شریعت کی حدود سے باہر جاتا اور ظلم کرنے پر اترتا اور خونریزی پر آتا تو پھر اس کے سامنے قانون کی اصلیت هي کیا تھی - بات یہ ہے کہ سلطان محمد شریعت کا گرویدہ تھا جب شیخ شہاب‌الدین نے اسے ظالم کہا تو سلطان نے اپنی تلوار نکالی - اور صدر جہاں کو یہ کہہ‌کر دے دي - " صدر جہاں ! مجھے ظالم ثابت کر ' اور میري گردن اس تلوار سے اڑا دے "-

سلطان محمد کو یقین تھا کہ میں حق پر ہوں - اس کے تیوروں سے بھی ظاهر ہوتا ہے - اور اس کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جان بوجھ کر قانون کي بندشوں کو نہ توڑتا تھا - اور شریعت سے منہ نہ موڑتا تھا - اس کو اپنی راستی ' راست گوئي' اور نیک کرداری پر فخر تھا ' اور اپنے عدل و انصاف کا پورا یقین تھا ' تب هی تو اس نے عادل کا لقب اختیار کر لیا تھا ' جو اخلاقی جرات اس نے هر حال میں اور هر اشتعال میں دکھائی اس سے همارے بیان کی تائید ہوتی ہے - سفر نامے میں لکھا ہے کہ " مجرموں پر حکم لگانے سے پہلے بادشاہ بڑی چھان بین کرتا ' خوب سوچتا ' اور عالموں سے بحث کرتا ' بعض دفعہ بحث کرتے کرتے آدھی رات ہو جاتی - اگر آدھي رات کو جرم ثابت ہوتا تو اسی وقت سزا کا حکم دیتا - اور اگر جرم ثابت نہ ہوتا تو رها کر دیتا - اگر اُس کے اور علماء کے درمیان اختلاف پیدا ہو جاتا تو جب تک وہ کسي نتیجہ پر نہ پہونچ جاتا یا علماء قائل نہ ہو جاتے ' بحث کئے جاتا -

بادشاہ کے اختیارات کتنے ہی ہوں ' کیسے ہی ہوں ' اس میں شک نہیں کہ سلطان محمد نے خود ہی اپنے اوپر روک قائم کر لی تھی - عام اجازت دے دی تھی کہ جس کسی کو شکایت ہو وہ دربار میں آکر بیان کرے - اور جس کسی پر ظلم ہوا ہو وہ عدالت میں جاکر نالش کرے - اس شاہی اعلان سے فائدہ اٹھاکر اکثر معمولی معمولی آدمیوں نے - مسلمانوں نے - بلکہ ہندوؤں نے بھی بادشاہ کے خلاف نالشیں دائر کر دیں - سلطان محمد نے بے حد ایثار کیا اور بڑی بے نفسی سے کام لیا - اپنی شاہی شان و شوکت کو چھوڑ کر مدعا علیہ کی طرح قاضی کی عدالت میں ہر پیشی پر حاضر ہوا - حاکم کے سامنے مجرم کی طرح ادب سے کھڑا رہا - اور جو سزا اس نے دی اسے بھگتا - ہندوستان کے کسی بادشاہ نے کبھی اتنا ایثار نہیں کیا - نہ اس قدر قانون کی پابندی کی - اور یہ سب سلطان محمد نے اس وقت کیا جب کہ اُس کو بڑے بڑے اور زبردست اختیارات حاصل تھے - وہ سیاہ و سفید کا مالک تھا - اور رعایا کے جانوں کا اور مالوں کا مختار تھا -

بادشاہ کا دستورالعمل

سلطان محمد ہر وقت سلطنت کے کاموں میں مصروف رہتا - ہر محکمے کی جانچ پڑتال کرتا - کوئی معاملہ ایسا نہ تھا جس کی اصلیت سے اور کوئی واقعہ ایسا نہ تھا جس کی حقیقت سے وہ واقف نہ ہو - اور کوئی کام ایسا نہ تھا جس میں اس کا دخل نہ ہو - وہ محل سرا میں بیٹھ کر ایک دن بھی آرام نہ کرتا - اور ایک لمحہ بھی بےکار صرف نہ کرتا - کسی مورخ نے سلطان محمد کا روزنامچہ نہیں لکھا - مگر سیّاحوں کے بیانوں سے پایا جاتا ہے کہ بادشاہ اوقات کا بڑا پابند تھا سستی اور کاہلی اس میں نام کو نہ تھی ' وہ صبح اندھیرے سے اُٹھتا ' نماز کو وقت پر ادا کرتا صبح کی نماز کے بعد قرآن مجید پڑھتا پھر ہوا خوری کو نکلتا - ہوا خوری سے واپس آتا تو محل سرا میں جاتا اور ناشتہ کرتا - پھر ہزار ستون محل میں آکر دربار عام کرتا ' دربار عام برخاست ہو جاتا تو دربار خاص ہوتا ' اس کے بعد حرم سرا میں جاتا ' اور کچھ آرام کرتا ' پھر نماز ادا کرتا اور تیسرے پہر کے دربار کے لئے ہزار ستون محل میں آجاتا ' وہاں پھر دربار عام کرتا ' دربار برخاست کرکے سیر و سیاحت کو نکلتا ' پھر مغرب کی نماز پڑھتا - اس کے بعد دربار خاص کرتا ' پھر کھانا کھاتا ' اور عشاء کی نماز پڑھتا - عشاء کے بعد خاص محل میں جاکر دن بھر کے کاغذات

کا اور مقدمات کی روئداد کا مطالعہ کرتا اور سو جاتا - پایۂ تخت میں کم
ٹھہرتا ، اکثر سفر میں رہتا ، جہاں کہیں واردات ہو جاتی یا کوئی ضرورت
پڑجاتی وہاں جلد سے جلد پہونچتا ، خود انتظام کرتا ، فسادیوں کو گرفتار کرتا ،
مجرموں کے جرموں کی جانچ کرتا ، اور فریادیوں کی فریاد کو پہونچتا ،
کبھی دھلی سے دولت‌آباد جاتا ، کبھی دولت‌آباد سے ملتان کا سفر کرتا ، کبھی
ملتان سے دھلی آتا ، کبھی دھلی سے برن ، کبھی قنوج کبھی دلمو اور کبھی
دیوگڑھ جاتا ، پھر کبھی تلنگانے ، کبھی چندیری ، کبھی لاھور ، کبھی سرگدواری ،
کبھی بہرائچ ، کبھی گجرات ، کبھی دکن اور کبھی سندھ کا سفر کرتا - اس طرح
بیس بائیس سال تک سلطان محمد پھرتا ہی رہا -

امرا

مجلس شوریٰ کے علاوہ بادشاہ کے ساتھ امرا کی
ایک جماعت رہا کرتی تھی - جس میں دو فریق تھے
ایک فریق ھندوستانی امرا کا تھا ، دوسرا ولایتیوں کا تھا ، ولایتی دور دور
ملکوں سے ، عرب سے ، افریقہ سے ، شام سے اور مصر سے آتے تھے - سلطان
ان کی عزت کرتا تھا ، اس نے حکم دے رکھا تھا کہ پردیسیوں کو پردیسی کہہ کر
نہ پکاریں ، عزیز کہا کریں ، انہیں میں سے اکثر امرا بادشاہ کے ساتھ رہتے تھے -
ابن بطوطہ کا شمار اُن ہی میں ہے -

مرکزی اور صوبجات کی حکومتیں

سلطان محمد نے اپنی سلطنت کو صوبوں میں
تقسیم کیا تھا - ہر صوبے میں ایک حاکم مقرر ہوتا تھا
جو والی یا نائب وزیر کہلاتا تھا - والی کے ماتحت فوج کے ،
مال کے ، اخبار نویسی کے ، جاسوسی کے ، عاملوں سے بقایا وصول کرنے کے
اور عدل و انصاف کے محکمے ہوتے تھے - ہر محکمہ دیوان کہلاتا تھا - تاریخ
فیروز شاہی اور سفر نامے سے گیارہ دیوانوں کا پتہ چلتا ہے - ایک تو دیوان عرض
یعنی فوج کا محکمہ - دوسرا دیوان اشراف یعنی حسابات کی جانچ کا محکمہ -
تیسرا دیوان عمارات یعنی تعمیر کا محکمہ - چوتھا دیوان انشا یعنی خط
کتابت کا محکمہ - پانچویں دیوان کوھی یعنی زراعت کا محکمہ ، چھٹا دیوان برید
یعنی ڈاک کا محکمہ ، ساتویں دیوان وزارت یعنی مال کا محکمہ ، آٹھویں دیوان
وکالت یعنی خانگی معاملات کا محکمہ ، نویں دیوان مستخرج یعنی عاملوں سے
بقایا وصول کرنے کا محکمہ ، دسویں دیوان رسالت یعنی پیامبری کا محکمہ اور
گیارھویں دیوان قضا یعنی عدل کا محکمہ - ہر محکمہ کا سردار بادشاہ کا

مقرب اور وزیر اعظم ہوتا تھا - وزیروں میں سب سے بڑا وزیر جو کل دیوانوں اور سب محکموں پر نگاہ رکھتا تھا وزیر اعظم کہلاتا تھا یہ مرکزی حکومت کا انتظام تھا - صوبجات کی حکومت بھی ایسی ہی ہوتی تھی -

صوبے کا حاکم والی کہلاتا تھا جسے بڑے بڑے اختیارات تھے - اس کے پاس فوج رہتی تھی - فوج سے وہ فساد کے وقت بادشاہ کی بغیر اجازت کام لے سکتا تھا - والی کے ماتحت کئی محکمے ہوتے تھے ' ہر محکمے کے بڑے بڑے اہلکاروں کو وہ بادشاہ کی اجازت لےکر مقرر کرتا تھا ' مگر چھوٹے چھوٹے تقرروں کے لئے بادشاہ کی اجازت ضروری نہ تھی -

والی کے دو بڑے مددگار اور شریک حال تھے - ایک قاضی القضاۃ جو صوبے بھر کے قاضیوں کا سردار ہوتا تھا اور جو صدر مقام کے مقدمات فیصل کرتا تھا اور وہ مقدمات بھی جو قاضیوں کی عدالت سے لوٹ کر اس کی صدر عدالت میں آتے تھے' دوسرا مستخرج ' مستخرج کا کام عاملوں سے بقایا وصول کرنے کا تھا - صوبے کی مالگذاری کا نگراں اور اس کی تحصیل کا ذمہ دار یہی افسر ہوتا تھا -

ہر صوبے میں کئی کئی ضلعے ہوتے تھے اور ہر ضلعے میں کئی کئی صدیاں اور ہر صدی سو سو پرگنے یا گانوں - ضلعے کا افسر عامل یا ناظم کہلاتا تھا اور صدی کا امیر صدہ یا متصرف ' امیر صدہ یا متصرف موجودہ زمانے کے تحصیلدار کی مانند ہوتا تھا - تحصیلدار کی طرح اُس کے ماتحت بہت سے کارکن اور اہل مد وغیرہ ہوتے تھے مثلاً بلاہر ' خوطہ ' مقدم ' چودھری ' پٹواری ' سرہنگ اور پیادہ - یہ سب مالگذاری وصول کرنے اور امن قائم رکھنے کی غرض سے مقرر کئے جاتے تھے - گانوؤں کے باقی کام پنچائتوں کے سپرد تھے -

مالگذاری

مالگذاری وصول کرنے کی غرض سے ہر صوبے میں ایسی تنظیم تھی کہ مقررہ وقتوں پر کل آمدنی وزیر کے پاس پہونچ جایا کرتی تھی - اس تنظیم کا مرکزی تعلق حکومت سے بھی تھا اور صوبجات کی حکومتوں سے بھی ' صوبے کا حاکم پہلے تو اپنے علاقے کی مالگذاری وصول کرکے رجسٹر میں درج کرلیتا تھا ' پھر اُس رقم میں سے جس قدر خرچ کے لئے درکار ہوتا لے لیتا ' اور آمدنی و خرچ کا ایک گوشوارہ بناکر بقیہ وزیر مال کے نائب شرف قائنی کے پاس بھیج دیتا - شرف قائنی گوشوارے کی جانچ کرتا اور اپنی قلم سے ایک تبصرہ یا رپورٹ لکھ کر وزیر مال کے پاس بھیج دیتا تھا '

وزیر مال بھی جانچ کرتا ' پھر ایک رپورٹ لکھ کر رقم کے ساتھ ساتھ بادشاہ کی خدمت میں پیش کرتا ' بادشاہ کل کاغذات کی جانچ کرتا ' اور پھر حکم دیتا کہ روپیہ خزانے میں جمع کر دیا جائے -

مالگذاری کے ذریعے

مالگذاری کئی ذریعوں سے وصول ہوتی تھی - زمینوں سے ' محصولوں سے ' خراج سے ' اور تحفوں اور نذرانوں سے ' زمینیں تین طرح کی تھیں - خالصہ ' وقف اور ملک - جو زمینیں وقف ہوتی تھیں ان پر محصول معاف ہوتا تھا - خالصے پر اور ملک پر محصول لگائے جاتے تھے ' محصول کئی طرح ہوتے تھے ' ایک کرایا یا کرایہ جو خالصہ زمینوں پر لگایا جاتا تھا - کتنا لگایا جاتا تھا ؟ یہ معلوم نہیں - صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ ایک ایک بسوہ زمین کے لئے محصول کی شرح مقرر تھی - اسی کے مطابق محصول لگایا جاتا تھا ' شروع شروع میں تو دس فی صدی تھا جلوس کے پانچویں سال پندرہ بیس فی صدی ہوگیا ' بعد میں کم کر دیا گیا ' دوسرے " چرائی " - یہ محصول چرنے والے مویشیوں پر لگایا جاتا تھا ' اس کی شرح بھی مقرر تھی - اس زمانے میں قریب قریب ہر مکان میں مویشی رہتے تھے ' کل مکانوں کی فہرست بنائی جاتی تھی - پھر مویشیوں کی قسم اور تعداد کے مطابق ہر مکان پر ٹیکس لگا دیا جاتا تھا جو مکان کے رہنے والوں سے وصول کیا جاتا تھا ' تیسرے جزیہ محصول کا مفہوم مختلف زمانوں میں مختلف رہا ہے - چوتھے چنگی یہ تجارتی محصول تھا ' کتنا لگایا جاتا تھا ؟ او ر کتنا روپیہ اس کے ذریعے وصول ہوتا تھا ؟ کچھ پتہ نہیں چلتا - سفر نامے میں لکھا ہے کہ صرف لاهوری بندر سے سات لاکھ دینار وصول ہوتے تھے -

سلطان محمد کی سلطنت میں بہت سی ریاستیں تھیں - ہر ریاست خراج ادا کرتی تھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کل کتنی ریاستیں تھیں اور کتنا کتنا خراج اُن سے وصول ہوتا تھا - تاریخ فیروز شاہی میں اتنا لکھا ہے کہ تخت نشینی سے لے کر کئی سال تک دور دور کی ریاستوں سے بھی بڑی پابندی کے ساتھ خراج آتا رہا -

تحفوں اور نذرانوں کے ذریعے بھی بڑی آمدنی تھی ' یہ دستور تھا کہ کوئی سردار یا کوئی راجہ مہاراجہ دربار میں آتا تو نذر چڑھاتا یا هدیہ پیش

کرتا اور تحفہ دیتا - بادشاہ نذرانہ دینے والوں کو دگنا تگنا دے دیتا پھر بھی نذرانوں کے ذریعے شاہی خزانے میں قیمتی قیمتی چیزیں آ جاتیں -

آمدنی کا بہت سا حصہ خزانۂ عامرہ میں داخل کر دیا جاتا تھا - خزانۂ عامرہ ایک قسم کا بیت‌المال تھا - خلفائے راشدین تو بیت‌المال میں سے اپنی ذات کے لئے کچھ نہ لیتے تھے - سلطان محمد کچھ لیتا تھا یا نہیں ؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ خلفائے راشدین کی پیروی کرتا تھا اور بیت‌المال میں سے اپنے اوپر کچھ صرف نہ کرتا تھا - اس کے اپنے خرچ نذرانوں سے اور خالصے کی آمدنی سے چلتے تھے -

حکومت کا آئین

اوپر کے بیان سے سلطان محمد کے نظام سلطنت کی تصویر ناظرین کی آنکھوں میں کھنچ گئی ہوگی اور اس مقولے کی کہ " اُس زمانے میں نہ کوئی سیاسی نظام تھا ' نہ معاشرتی تنظیم ' نہ حکومت کا معیار - بادشاہ خود مختار تھا - اور جو چاہتا تھا بغیر روک ٹوک کر گزرتا تھا " - تردید ہوگئی ہوگی - تاریخ تو یہ بتاتی ہے کہ سلطان محمد کے زمانے میں حکومت کا آئین مقرر تھا اور اس کے تین جزو تھے - پہلا آئین سازی (Legislative) دوسرا عدل گستری ' (Judiciary) اور تیسرا حکمرانی (Executive) - آئین سازی کے لئے کوئی مجلس مقرر نہ تھی - اُن دنوں ایسی مجلس کی ضرورت بھی نہ تھی - اور دنیا کے کسی حصے میں اُس وقت مجلس آئین سازی موجود نہ تھی - انگلستان کی پارلیمنٹ (Parliament) جیسی تھی وہ تاریخ کے جاننے والوں سے پوشیدہ نہیں - اُس زمانے میں ہندوستان میں دو طرح کا قانون تھا - ایک شریعت ' دوسرا تعزیر - شریعت کا قانون قرآن مجید اور احادیث کے ذریعے بنایا جاتا تھا - یہ کام بڑے بڑے امام کرچکے تھے - امام ابو حنیفہ کا بنایا ہوا قانون ہندوستان میں جاری تھا - ابن بطوطہ مالکی [۱] تھا - حنفی قانون سے اچھی طرح واقف نہ تھا - اس کو حنفی قانون کے مطابق مقدمے فیصل کرنے مشکل ہوگئے تو بادشاہ نے اس کی مدد کے لئے بہاالدین ملتانی اور کمال‌الدین بجنوری کو مقرر کر دیا - لیکن سلطان محمد امام ابو حنیفہ کے بنائے ہوئے قانون میں بھی بحث کیا کرتا - عالموں اور مفتیوں کو قائل کرتا اور منقولہ

[۱]—یعنی امام مالک رضی‌اللہ عنہ کا پیرو تھا -

قانون اور فتووں کو قران سے ملایا کرتا اور پھر اصلاح کرتا - مگر شریعت کا قانون صرف مسلمانوں کے لئے تھا - ھندوؤں کے مقدمے یا تو ان ھی کے دھرم شاستروں کے مطابق فیصل ہوتے تھے اور یا تعزیر کی بنا پر - تعزیر وہ قانون تھا جو مشاھدوں سے، تجربوں سے اور رسموں اور رواجوں کی بنا پر بنا یا جاتا تھا - یہ قانون لکھا ھوا نہ تھا بلکہ وقتی ضرورت کے مطابق بن جاتا تھا - اور اس کے بنانے کا مقصد اور منشا یہی تھا کہ ھندوؤں کا انصاف کیا جائے اور اُن کو اطمینان ھو جائے -

عدل گستری کے لئے سلطان محمد مشہور تھا - اور اُس نے عدل گستری کی کوششیں بہت کیں - عام خیال ھے کہ عدل کا محکمہ صرف مسلمانوں کے لئے تھا اور داد رسی کا جو کچھ انتظام تھا وہ صرف پایۂ تخت کے لئے تھا، یہ غلط ھے - صرف پایۂ تخت کے لئے اور محض مسلمانوں کے لئے عدل گستری منظور ہوتی تو اتنے بڑے محکمے قائم کرنے کی اور اتنی کثرت سے افسر، سردار، قاضی اور کارکن مقرر کرنے اور خرچ کرنے کی ضرورت ھی کیا تھی ؟ مسلمانوں کی تعداد اُس زمانے میں بہت کم تھی - اور بہت سے مسلمان فوجی ملازم ہوتے تھے - اگر ان ھی کا انصاف منظور ہوتا تو صرف فوج کے ساتھ قاضی رکھے جاتے - تاریخ تو یہ بتاتی ھے کہ فوج کے علاوہ ہر ضلعے اور ہر شہر میں قاضی مقرر ہوتے تھے - سفر نامے میں لکھا ھے کہ سلطان محمد نے شیخ شہاب الدین جامی کو وارنگل کا قاضی مقرر کیا تھا - وارنگل میں مسلمان کتنے ھوں گے ؟ یہ بات محتاج بیان نہیں - اس سے یہ ثابت ہوتا ھے کہ قاضی صرف مسلمانوں کے شہروں اور بستیوں میں نہیں - بلکہ ھندوؤں کے شہروں، ضلعوں اور صوبوں میں بھی مقرر ہوتے تھے - صوبے کے صدر مقام میں ایک قاضی القضاۃ ہوتا تھا - شہر اور ضلعے کے مقدمے قاضی فیصل کرتے تھے - گانوؤں کے مقدمے ھندوؤں کی پنچائتیں فیصل کیا کرتی تھیں - ھندوؤں کو مسلمانوں کی طرح قاضی کی عدالت میں مقدمے لے جانے کا حق تھا -

حکمرانی

عام خیال ھے کہ اُس زمانے کی حکم رانی میں بادشاہ کے سوا نہ کسی کا حق تھا نہ حصہ - لیکن یہ صحیح نہیں - سلطان محمد خود قانون کا محکوم تھا - اور قانون کا عالم فقیہ اور قاضی بادشاہ پر بھی حکمراں تھا - قاضی شریعت کے اور تعزیر کے مطابق حکم جاری

کرتا تھا - اور محتسب کی مدد سے اس کے احکام کی تعمیل ہوتی تھی -
یہ بات تاریخ سے ثابت ہے - کئی مرتبہ قاضی نے بحیثیت حکمراں ہونے کے
سلطان محمد کو اپنی عدالت میں طلب کیا - سلطان مجرموں کی
طرح حاضر ہوا اور عدالت کا پورا پورا احترام کیا - پھر قاضی نے جو حکم
سنایا بادشاہ نے اس کی تعمیل کی - یہ سچ ہے کہ قاضی کے لئے حکمرانی
آسان نہ تھی - اگر قاضی صاحب ذرا بھی غلطی کر تے تو اُنکا کان پکڑ نے کے لئے
بادشاہ موجود تھا -

اٹھواں باب

آٹھواں باب

تہذیب اور معاشرت

سلطان محمد کے زمانے میں ہندوستان کے سب شہروں میں ہندوؤں کی کثرت تھی ' اور اچھی حالت تھی ' ان کو آزادی حاصل تھی - کسی قسم کی قید نہ تھی ' دشواری نہ تھی ' ہندوانی تہوار منانے کی اجازت تھی - دسہرے اور دیوالی کے موقعوں پر ہندو خوشیاں کرتے تھے ' بسنت بھی مناتے تھے' اور ہولی کھیلتے تھے - سلطان محمد خود نہ دسہرے میں حصہ لیتا تھا ' نہ دیوالی میں' نہ ہولی کھیلتا تھا اور نہ ہَوَن हवन کرتا تھا - مگر ہندوؤں پر وہ ابر کی طرح مہربان تھا - شاہان مغلیہ نے ہندوؤں کے خون میں اپنا خون ملا دیا - راج کماریوں سے شادیاں کیں - سلطان محمد کے رشتے ہندوؤں کے ساتھ خانگی نہ تھے' کنبےداری کے نہ تھے' بلکہ حاکم و محکوم کے تھے - سلطان محمد ہندوؤں کی حفاظت کرتا ' ان کی حمایت کرتا ' ان کی سرسبزی و شادابی دل سے چاہتا ' اور اس میں کوشاں رہتا ' اور انھیں وفادار بنانا چاہتا - مگر ان کی پوجا پاٹ میں مخل نہ ہوتا اور اپنے آپ کو ان کی روحانی نجات کا ذمہدار نہ سمجھتا - روحانی نجات کا حاصل کرنا اور اخلاق و معاشرت کا درست کرنا ہندوؤں ہی کا کام تھا - سلطان محمد کا ہندوؤں سے ایسا ہی برتاؤ تھا جیسا عام مسلمانوں سے - ہندوؤں کو بھی سلطان سے کوئی شکایت نہ تھی - اس کے پچیس سالہ دور حکومت میں ہندوؤں کے مذہبی احساس کو ٹھیس تک نہیں لگی - کسی مندر کی اینٹ تک نہیں نکالی گئی - کانگڑا فتح ہوا مگر نہ تو کسی مورت کو توڑا گیا نہ وہاں کوئی سانڈ ذبح کیا گیا - ہندو گھوڑوں پر چڑھتے تھے ' ہتھیار باندھتے تھے ' تیر چلاتے تھے ' سانگ साँग اور ترسول त्रिसूल رکھتے تھے ' فوج کے عہدے بھی ان کے لئے کھلے ہوئے تھے - سلطان علاءالدین خلجی کے زمانے میں بھی ہندو سپہسالار شاہی لشکر میں موجود تھے- سلطان محمد کے زمانے میں بھلا کیوں کر نہ ہوں گے ؟ سیاست نامے[۱] میں

[۱]—سیاست نامہ اُس زمانے کے پالٹکس (Politics) کی مشہور کتاب ہے ۔

لکھا ہے کہ '' لشکر میں مختلف قوموں اور مذہبوں کے سپاہی ہونے چاہئیں ''۔ یہ ناممکن ہے کہ سلطان محمد کی فوج میں مسلمان ہی مسلمان ہوں ' ہندو اور راجپوت بالکل نہ ہوں - ہندوؤں کو سلطان جلال‌الدین خلجی کے زمانے میں بڑی طاقتیں تھیں اور انہیں بڑی آزادی حاصل تھی - جب سلطان جلال‌الدین رنتھمبور فتح نہ کر سکا اور مجبور ہوکر لوٹا تو احمد چپ نے روکنا چاہا - سلطان بولا...... '' میں کیا اور میری سلطنت کی قوت و شوکت کیا......کیا تمہیں نظر نہیں آتا کہ ہندو میرے محل کے برابر سے ہر روز سنکھ بجاتے اور ڈھول پیٹتے جمنا کے کنارے اپنے بتوں کو پوجنے جاتے ہیں........نہ انہیں میرا لحاظ ہے نہ سلطنت کا..... وہ میری آنکھوں کے آگے عیش و عشرت سے اور شان و شوکت سے رہتے ہیں ' اور اپنی ثروت و دولت کے سبب مسلمانوں کے ساتھ نخوت سے پیش آتے ہیں - کھلم‌کھلا ڈنکے کی چوٹ بتوں کی پرستش کرتے ہیں اور اپنی ہی رسموں پر اور کفر کے قوانین پر چلتے ہیں......'' - یہ حال ہندوؤں کا تیس پینتیس برس پہلے تھا - خلجی دور انہیں کے ہاتھوں ختم ہوا - اُس وقت اُن کا یہ زور تھا کہ انہوں نے ہزار ستون محل پر قبضہ کر لیا ' اور خسرو خان نے جو اُنہیں میں سے ایک تھا سلطان قطب‌الدین مبارک شاہ کو قتل کر دیا - سلطان غیاث‌الدین تغلق نے کسی خسروخانی ہندو سے بدلا نہ لیا - سلطان محمد تخت پر بیٹھا تو اسُ نے بھی چشم پوشی کی - وہ خسرو خاں کا عروج اور خسرو خانی ہندوؤں کی زیادتیاں اپنی آنکھ سے دیکھ چکا تھا مگر اس نے تحمل اور بردباری سے کام لیا - اس نے دیکھا کہ ہندو ہتھیار بند ہیں اور آسودہ حال ہیں - اُن میں اگر عیب ہے تو یہ کہ وہ کئی کئی ذاتوں میں بٹے ہوئے ہیں - اُن میں مسلمانوں کی سی مساوات اور فراخ دلی نام کو نہیں - ان کے مندروں میں اب بھی دولت کے ڈھیر لگے ہیں - سلطان نے کسی مندر کی طرف نگاہ بھر کر بھی نہ دیکھا - اس کے عہد میں شہری ہندو ہوں تو ' دیہاتی ہندو ہوں تو ' سب امن میں رہے - اُس نے کسانوں کی حفاظت اور بہبودی کا خاص طور سے خیال رکھا -

اِس زمانے میں مسلمان صوفیوں کا ہندوؤں پر بہت اثر قائم ہو گیا تھا - عام ہندو بڑے بڑے صوفیوں کو رشی سمجھتے تھے - صوفی تھے بڑے فراخ دل اور صلح کل - ایک دن صبح کے وقت حضرت شیخ نظام‌الدین اولیا نے

اپنی خانقاہ کی چھت پر سے دیکھا کہ بہت سے ہندو بتوں کی پوجا پاٹ کر رہے ہیں - شیخ نے نہ ہندوؤں سے بیزاری ظاہر کی اور نہ ان کو اپنی خانقاہ میں آنے سے روکا - شیخ نظام‌الدین اولیا کے فلسفے میں ہندو مسلمان دونوں شامل تھے -

سلطان شمس‌الدین التمش کے زمانے سے ہندوستان پر چنگیز خانی مغلوں کے حملے شروع ہو گئے تھے - تقریباً سو برس سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے خون کے پیاسے مغل ہندوستان کے دروں پر منڈلا رہے تھے - امیر خسرو نے خوب لکھا ہے کہ '' مغل کیسے وحشی اور خونخوار تھے ' وہ شہروں کو برباد کردیتے ' آبادیوں کو لوٹ لیتے - عورتوں کو چھین لیتے اور بچوں کو ہلاک کردیتے '' - اسلامی دنیا میں تو انھوں نے تہلکہ ڈال دیا تھا - ایران اور شام میں مسلمانوں کے مقدس مقامات کو مسمار کردیا تھا - غرض ہندوؤں کو اگر خطرہ تھا تو مغلوں سے نہ کہ مسلمانوں سے - مسلمانوں کو ہندوؤں کی حفاظت کرنے کے لئے خدا نے ہندوستان میں بھیجا تھا - ان کے ذریعے قدرت کا منشا پورا ہوا - مسلمانوں کی بدولت ہندوؤں نے مغلوں سے نجات پائی - تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے کہ '' مسلمان سینہ سپر کر کے مغلوں کے مقابلے میں جاتے اور تلواریں مار مار کر ان کے منھ پھیر دیتے '' - مغلوں کے حملوں کا اور مسلمانوں کے دفاع کا ایک بڑا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوؤں کے دلوں میں مسلمانوں کی جگہ ہو گئی ' اور باہمی ہمدردی کا اور مرکزی حکومت کا بیج پڑا -

ہندوؤں کی دیہاتی پنچائتیں گیارھویں اور بارھویں صدی عیسوی میں خراب ہو گئی تھیں - قانون کی جگہ قوت نے لے لی تھی - چودھری اور خوطا اور مقدم گانووں کے خود مختار حاکم بن بیٹھے تھے - جب سلطان علاءالدین خلجی نے شہنشاہی حکومت کی بنیاد ڈالی اور قصبوں ' پرگنوں اور گانووں کا نیا انتظام کیا تو اس نے دیکھا کہ چودھری ' خوطا اور مقدم گانووں کے بادشاہ سے بنے ہوئے ہیں - اُس نے اُن کی اصلاح کی غرض سے کئی نئے قانون بنائے اور آخر اُن کے تشدد کا خاتمہ کردیا - اُس کے عہد میں پٹواریوں کی بہیوں کا معاینہ کیا جاتا تھا اور سرہنگوں اور پیادوں پر کوئی ظلم نہ کر سکتا تھا - غرض سلطان علاءالدین خلجی نے دیہاتی طرز معاشرت کو از سرنو ترتیب دیا ' بے عنوانیوں کو دور کیا ' ابتریوں کو سدھارا - اور بے آئینی کی

جگہہ آئین بندی کی - نئے آئین بنائے اور قوانین جاری کئے - سلطان محمد نے ہندوؤں کی اس उन्नति दशा [۱] کو اور بڑھایا - یہی وجہ تھی کہ سلطان فیروز شاہ تغلق کے زمانے میں برہمن بھی آگے بڑھے ' اور اُن میں خود داری پیدا ہو گئی - اب تک برہمن سب سے پیچھے تھے - ہندوؤں کی سرداری راجپوتوں کے حصے میں آچکی تھی -

ہندوستان کی تہذیب اور معاشرت کا نقشہ ان سیاحوں نے جو سلطان محمد کے دور میں ہندوستان میں آئے خوب کھینچا ہے - جو حالات انہوں نے اپنی آنکھ سے دیکھے - اپنی قلم سے لکھے اور اپنی زبان سے بیان کئے - وہ مسالک الابصار میں موجود ہیں - اُن ہی کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے -

عظیم الشان سلطنت

مسالک الابصار میں لکھا ہے کہ سر زمین کی وسعت' دولت کی بہتات' اور لشکر کی کثرت کے اعتبار سے ہندوستان ایسی عظیم الشان سلطنت ہے کہ اس کے مقابلے میں روئے زمین پر کوئی دوسری سلطنت نہیں - ہندوستان ایسا ملک ہے کہ جس کے سمندروں سے موتی نکلتے ہیں ' جس کی زمین سونا اگلتی ہے ' جس کے پہاڑوں میں یاقوت اور الماس کی کانیں ہیں ' جس کے درختوں میں عود اور کافور لگتا ہے ' جس کے شہر بڑے بڑے بادشاہوں کے پائۂ تخت ہیں ' جس کے وحشی جانوروں میں ہاتھی اور گینڈے جیسے جانور پائے جاتے ہیں ' جس کے لوہے سے ہندی تلوار بنتی ہے ' جس میں لوہے پارے اور سیسے کی کانیں ہیں ' جہاں زعفران کی کاشت ہوتی ہے - جس کی بعض وادیوں میں نئے نئے میوے پیدا ہوتے ہیں ' جس کی خوبیاں بہت زیادہ ہیں ' جس کے نرخ سستے ہیں ' جس کی فوجیں بے شمار ہیں اور جس کے شہر اور علاقے بے حد ہیں ' جن کے درمیان کہیں ویرانہ نہیں -

عبدالرحیم قلیلشی غرناطی نے تحفۃالباب میں لکھا ہے کہ ہندوستان کے پہاڑوں اور جزیروں میں ایسے درخت ہیں جن سے عود اور کافور پیدا ہوتا ہے اور سب طرح کی خوشبوئیں بھی مثلاً لونگ ' جائفل ' بالچھڑ ' الائچی ' دارچینی ' تیج پات ' کبابہ ' جوتری اور طرح طرح کی جڑی بوٹیاں - اس کے علاوہ ہندوستان میں مشکی ہرن بھی ہیں اور طرح طرح کے یاقوت بھی-

[۱]—' اچھی حالت ' بہبودی

سدا بہار

مسالک‌الابصار میں لکھا ہے کہ شیخ مبارک سے پوچھا گیا " تم نے ھندوستان کو اور اُس کے میدانوں کو کیسا پایا " ؟ اُس نے جواب دیا کہ اس ملک میں دریا ھیں جو دور دور تک چلے گئے ھیں - چھوٹے بڑے سب ملا کر ہزار ھونگے - بڑائی میں بعض تو دریاے نیل کے برابر ھیں اور بعض اس سے کم ھیں - جیسے ھندوستان میں دریا چھوٹے بڑے ھیں ویسے ھی گانوں اور شہر بھی چھوٹے بڑے پائے جاتے ھیں - اور وھاں بھنگ کی کاشت بھی بہت ھوتی ہے - ھندوستان میں ایسے معتدل آب‌وھوا والے شہر بھی ھیں جہاں موسموں کا اختلاف نہیں - نہ وھاں گرمی ھی زیادہ ھوتی ہے نہ سردی - گویا وھاں کا کل زمانہ موسم بہار ہے -

پیداوار

ھندوستان میں طرح طرح کے غلے مثلاً گیہوں - چاول ' جو ' چنا ' مسور ' ماش ' لوبیا ' تل پیدا ھوتے ھیں - لیکن باقلہ کم پایا جاتا ہے - میرا خیال یہ ہے کہ باقلے کی کمی اس سبب سے ہے کہ یہاں حکیم زیادہ ھیں اور حکیموں کے نزدیک باقلہ عقل کو کند کرتا ہے- یہی وجہ ہے کہ ان کے پیشواؤں نے اسے حرام کردیا ہے -

ھندوستان میں میوے بھی ملتے ھیں مثلاً اِنجیر ' انگور ' انار ' جو بڑا اور میٹھا ھوتا ہے - بڑا لیموں اور کاغذی لیمو ' گولر ' کالا شہتوت ' کھٹمٹھے کیلے ' شفتالو ' نارنگیاں ' خربوزے ' تربوز ' ککڑیاں ' کھیرے اور پھوٹیں - یہ سب ھندوستان کے میوے ھیں - مگر اِنجیر اور انگور بہ‌نسبت اور میووں کے کم پائے جاتے ھیں - بہی ھندوستان میں بھی ھوتی ہے اور باھر سے بھی لائی جاتی ہے - امرود اور سیب بھی پیدا ھوتے ھیں ' مگر بہی سے مقدار میں کم پائے جاتے ھیں - ان سب کے علاوہ ھندوستان میں ایسے میوے بھی ھوتے ھیں جو مصر ' شام اور عراق میں نہیں ھوتے ' مثلاً آم ' مہوا ' لوکاٹ ' کسیرو وغیرہ .... اور ناریل تو جسے ھند کا اخروٹ کہنا چاھئے لا جواب میوہ ہے - وہ سبز ھوتا ہے اور دودھ سے بھرا ھوتا ہے - ناریل اور کیلے دھلی میں اس کی گرد و نواح کی نسبت کم ھیں مگر دھلی میں یہ پھل دساور سے بہت آتے ھیں - دھلی کی نواح میں گنا بہت ملتا ہے اور بہتات کے سبب اس کی بےقدری سی ہے - ایک قسم کا کالا گنا بھی ھوتا ہے ' جس کا چھلکا سخت ھوتا ہے ' وہ چوسنے ھی کے مصرف کا ہے - رس نکالنے کے مطلب کا نہیں - اس قسم کے گنے کا مول تول کھیت پر نہیں ھوتا - باقی قسم کے

گنوں سے گڑ بنتا ہے جو مصری سے سستا ہوتا ہے اور جس سے بورا بنتی ہے۔ اِس میں مٹھاس کم ہوتی ہے - اور دیکھنے میں سفید میدا سا معلوم ہوتا ہے - دھلی کی نواح میں چاول بھی ملتے ھیں اور وھاں شلجم ' گاجر ' کدو ' بینگن ' ھلیون [۱] ' سونٹھ ' کی بھی پیداوار ہے - سونٹھ جب سبز ہوتی ہے تو لوگ اسے گاجر کی طرح پکاتے ھیں - مزے میں لاجواب ہوتی ہے - وھاں چقندر بھی ہوتا ہے - سیم کی پھلیاں بھی اور پودینہ بھی اور قسم قسم کے پھول بھی جیسے گلاب ' نیلوفر ' بنفشہ ' بید سادہ ' نرگس اور گل مہندی......روغن زیتون وھاں نہیں پیدا ہوتا ' باھر سے آتا ہے - شہد کثرت سے پایا جاتا ہے - شمعیں صرف بادشاہ کے محل میں جلتی ھیں - ہر شخص ان کو آسانی سے حاصل نہیں کرسکتا -

جانور اور پرندے

چرنے والے جانور جیسے گائیں ' بھینسیں ' بھیڑیں ' بکریاں بے شمار ھیں - اور پرندے مثلاً مرغ اور کبوتر بھی بڑی کثرت سے ھیں 'سوائے بطخ کے جو کم پائی جاتی ہے - بہت سی قسم کے پرندے تو ایسے ھیں جنھیں کوئی مفت بھی نہیں پوچھتا - ھندی مرغ بڑے جثے کا پرندہ ہے - اور اپنے بڑے جُثے کے سبب بطخ کے مانند معلوم ہوتا ہے - یہ سب پرند بہت سستے بکتے ھیں - ان کے علاوہ ابن بطوطہ نے سقنقور اور گینڈے کا بھی ذکر کیا ہے - اُس نے لکھا ہے کہ " سیوستان یعنی سہوان کے باشندے سقنقور یا ریگ ماھی کھاتے ھیں - یہ جانور پیروں پر چلتا ہے اور گوہ کے مشابہ ہوتا ہے لیکن اس کے دم نہیں ہوتی - وھاں کے لوگ ریت سے کھود کر اسے نکالتے ھیں اور اس کا پیٹ چیر کر صاف کرکے اس میں بجائے زعفران کے ھلدی بھر دیتے ھیں - مجھے اس جانور کو دیکھ کر گِھن آ گئی اور میں نے اسے نہیں کھایا " - اس نے ھندوستان کے جنگلوں میں کئی مرتبہ گینڈے دیکھے - پہلی مرتبہ دریائے سندھ کے قریب ایک بانس کے جنگل میں دیکھا - دوسری مرتبہ اس وقت دیکھا جب کہ وہ بادشاہ کی سواری کے ساتھ کسی اور بانس کے جنگل میں چلا جا رھا تھا - بادشاہ ھاتھی پر سوار تھا اور ابن بطوطہ بھی ھاتھی پر سوار تھا -

ھاتھی اور گھوڑے

سفر نامے میں ھاتھیوں اور گھوڑوں کا بھی ذکر ہے مگر اس بارے میں مسالک الابصار میں جو کچھ لکھا ہے

[۱]—ایک گھاس کا نام ہے - جس کا بیج دوا میں پڑتا ہے فارسی میں اسے مارچوبہ کہتے ھیں -

وہ بہتر ہے - اس میں شیخ مبارک کی زبانی لکھا ہے " کہ سلطان محمد ہر سال چار ہزار داغ لگائے ہوئے عربی گھوڑے تقسیم کرتا ہے جن میں کچھ تو مع زین اور مع لگام کے ہوتے ہیں اور کچھ بغیر زین اور بغیر لگام کے - جو گھوڑے مع زین اور مع لگام کے دئے ہیں اُن میں اکثر صرف لباس پہنے ہوتے ہیں - بعض زیور سے بھی آراستہ ہوتے ہیں - بعض کے لباس پر سونے کا کام کیا ہوا ہوتا ہے اور بعض کے لباس پر چاندی کا - تاتاری گھوڑوں کا جنہیں بادشاہ تقسیم کر دیتا ہے کوئی حساب ہی نہیں - ان کی ٹکریاں کی ٹکریاں دے دی جاتی ہیں ' یا سیکڑے کے سیکڑے بخش دئے جاتے ہیں - گھوڑے ہندوستان میں بکثرت ہیں اور باہر سے بھی بڑی تعداد میں آتے ہیں ' پھر بھی بادشاہ ملکوں ملکوں سے بڑی قیمتیں دے دے کر انہیں منگاتا ہے اور بطورعطیہ و تحفہ کے دے ڈالتا ہے - گھوڑوں کا نرخ ہندوستان میں چڑھا ہوا ہے اور گھوڑوں کی تجارت کرنے والے خوب روپیہ کمالیتے ہیں - "

مسالک الابصار میں شیخ مبارک ہی کی زبانی ایک اور مقام پر یہ لکھا ہے " کہ یوں تو گھوڑے بہت قسم کے پائے جاتے ہیں ......مگر جن گھوڑوں کی عادتیں اچھی ہوتی' ہیں جن کے کرتب قابل تعریف ہوتے ہیں وہی سب سے بڑے اور اچھے سمجھے جاتے ہیں - ایسے گھوڑے ہندوستان میں ترکستان کے ان تمام علاقوں سے لائے جاتے ہیں جو ہندوستان کے آس پاس ہیں - عربی گھوڑے ہندوستان میں بحرین سے ' یمن سے اور عراق سے لائے جاتے ہیں - اگرچہ ہندوستان کے اندر بھی بڑے قیمتی قیمتی اور اچھی نسل والے عربی گھوڑے پائے جاتے ہیں - مگر بہت کم - اور جب کبھی ہندوستان میں عربی گھوڑوں کو رہتے ہوئے بہت زمانہ گزر جاتا ہے تو ان کی نسل میں خلل آ جاتا ہے - ہندوستان میں خچروں اور گدھوں کی سواری کو عیب سمجھا جاتا ہے - عالم اور فقیہہ تک خچر پر سوار نہیں ہوتے اور خچر کی سواری کو اچھا نہیں سمجھتے - گدھے کا تو کچھ ذکر ہی نہیں - گدھے کی سواری ہندوستانیوں کے نزدیک بڑی ذلت اور خواری کی بات ہے - اصل یہ ہے کہ سب کی سواری گھوڑا ہی ہے' خاص خاص لوگ تو گھوڑوں ہی پر اپنا اسباب لادتے ہیں لیکن عام آدمیوں کو باربرداری کے لئے گھوڑے نصیب نہیں - وہ بیلوں پر اپنا بوجھ لادتے ہیں - پہلے بیل کی ناک میں چھید کرکے نکیل باندہ دیتے ہیں اور پھر اس پر لادنا شروع کرتے ہیں - بیل چوڑے چوڑے قدم رکھتا ہے' اور جلدی جلدی چلتا ہے -

بحرین کے ایک امیر علی بن منصور عقیلی کی زبانی شہاب الدین احمد عباس نے یہ سنا کہ ہندوستانیوں نے اچھے گھوڑوں کی ایک خاص پہچان مقرر کر رکھی ہے ، اُسی پہچان سے گھوڑوں کو پسند کرتے ہیں ، اور جس قیمت کا ملتا ہے خرید لیتے ہیں - "

مسالک الابصار سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان میں عام سواری کا جانور گھوڑا ہی ہے - سواری کے وقت عام لوگ اس پر جھول ڈال لیتے ہیں ، اور خاص لوگ اس کو چاندی کے زیور پہناتے ہیں - ہاتھی کی سواری بادشاہ کے لئے مخصوص ہے - شیخ مبارک کا اندازہ ہے کہ شاہی ہاتھی خانے میں کم و بیش تین ہزار ہاتھی ہوں گے جن کے لئے ایک صوبہ کی آمدنی بھی کافی نہیں ہوتی - جب مسالک الابصار کے مولف نے مصارف کی ٹھیک ٹھیک رقم دریافت کی تو شیخ نے کہا " بات یہ ہے کہ ان ہاتھیوں کی جنسیں مختلف ہیں ، شکلیں مختلف ہیں اور اسی طرح سے ان کی خوراکیں بھی مختلف ہیں - ایک ہاتھی ایک دن میں بیس سیر چاول تیس جو اور دس سیر گھی اور آدھا گٹھر گھاس کھا لیتا ہے - اتنی غذا ملنے پر ہاتھی بھاری بھاری بوجھ اُٹھانے اور بڑے بڑے کام کرنے کے قابل ہو جاتا ہے " -

ہندوستان کی دولت اور خزانے

مسالک الابصار کے راوی ہندوستان کی دولت کو اور سلطان محمد کی بخششوں کو دیکھ دیکھ کر حیران رہ جاتے تھے - ایک نے لکھا ہے " کہ سلطان محمد اس قدر خرچ کرتا ہے مگر اس کے ملک کی آدھی آمدنی بھی صرف نہیں ہوتی - اسی راوی نے لکھا ہے کہ سلطان محمد کے " باپ نے کوئی فتح کی تھی جس کے ذریعے اس قدر سونا ہاتھ لگا تھا کہ تیرہ ہزار بیلوں پر لاد کر لایا گیا تھا " -

شیخ برہان الدین ابوبکر بن کلہ محمد بزی صوفی کا بیان ہے کہ " سلطان محمد بن تغلق نے ایک مرتبہ دیو گڑھ کے قریب کسی شہر پر دھاوا کرنے کی غرض سے لشکر بھیجا - دیو گڑھ میں ہندو رہتے ہیں اور وہاں کے حاکم رائے کہلاتے ہیں - جب اس علاقے کا راجہ شاہی لشکر کے مقابلے سے عاجز ہوگیا تو اُس نے بادشاہ کی خدمت میں یہ کہلا بھیجا " اگر بادشاہ مجھے امن سے رہنے دے اور میرا علاقہ چھوڑ کر اپنے پایۂ تخت کو واپس چلا جائے تو جتنی دولت وہ مجھ سے چاہے میں اس کے پایۂ تخت تک بھیج دینے کو تیار ہوں - میرے پاس بادشاہ صرف باربرداری کے جانور بھیج دے اُن پر خزانہ لاد کر میں اس کے ملک میں

روانہ کردوں گا " - جب بادشاہ کو یہ معلوم ہوا تو اس نے حکم دیا کہ لڑائی بند کردی جائے اور راجہ کو صحیح سالم ہمارے دربار میں لایا جائے - جب راجہ بادشاہ کی خدمت میں آیا تو بادشاہ نے اس کا بڑا احترام کیا اور کہا "یہ تو بتاؤ کتنا روپیہ جانوروں پر لادکر تم میرے پاس بھیج سکتے ہو" راۓ نے جواب دیا "مجھ سے پہلے اس گدی پر سات راجہ اور بیٹھ چکے ہیں ' اور ان میں سے ہر ایک نے ایک خزانہ چھوڑا ہے - ہر خزانہ ستر بہین [۱] کا ہے اور یہ سب خزانے اب تک میرے پاس محفوظ ہیں - یہ سن کر بادشاہ خوش ہوا اور اس نے حکم دیا کہ ان سب خزانوں پر شاہی مہر لگا دی جائیں - پھر اس نے راجہ سے کہا تم دہلی چل کر رہو اور اس علاقے میں اپنے نائب اور والی مقرر کر دو - اور بہتر یہ ہے کہ اسلام بھی قبول کرلو - راجہ نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا تو بادشاہ نے اس کو اپنے قدیم مذہب پر رہنے کی اجازت دے دی - راجہ نے اپنے علاقے کے انتظام کے لئے حاکم مقرر کر دئے - اور خود بادشاہ کے ساتھ چلا گیا اور اس کے دربار میں رہنے لگا - بادشاہ نے راجہ کے لئے ایک معقول رقم مقرر کر دی اور اس کے علاقے اپنی سلطنت میں شامل کر لئے - چوں کہ اب راجہ کے علاقے کے آدمی بادشاہ ہی کی رعایا بن گئے تھے اس لئے بادشاہ نے بہت سی رقم ان کے درمیان تقسیم کئے جانے کی غرض سے وہاں بھیج دی - مگر بادشاہ نے بہین میں سے یعنی راجہ کے خزانوں میں سے کچھ صرف نہیں کیا - ان سب کو شاہی مہریں لگا کر چھوڑ دیا " -

ہندوستانیوں کے اخلاق اور ان کی عادتیں

مسالک الابصار میں لکھا ہے کہ " ہندوستان کے باشندے نہایت تیز ' عقل مند اور ہنر مند ہیں ' اور سب قوموں کے مقابلے میں اپنے نفسوں پر زیادہ قدرت رکھتے ہیں ' اور اپنے معبودوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے سب سے زیادہ قربانیاں کرتے ہیں - محمد بن عبدالرحیم قلنیشی غرناطی نے تحفۃالباب میں لکھا ہے کہ ہندوستانی علوم و فنون کے اعتبار سے دنیا بھر میں سب سے زیادہ ماہر ہیں - طب میں بھی ' ریاضی میں بھی اور طرح طرح کی صنعتوں اور کاریگریوں میں بھی " -

ابو صفا عمر شبلی کا بیان ہے کہ " ہندوستانی خوب ہیں - وہ نہ شراب پیتے ہیں نہ اور کسی نشیلی چیز کا استعمال کرتے ہیں - وہ تو پان ہی کھا کھا کر

---

[۱]—بہین سے ایک بڑا حوض مراد ہے جس کے اندر اتر نے کے لئے چاروں کونوں پر سیڑھیاں بنی ہوتی ہیں-

اپنا جی خوش کر لیتے ہیں - اور پان ہے بھی عمدہ چیز اور حلال بھی ہے - اس میں حرام کا کوئی شبہ تک نہیں - پھر لطف یہ کہ پان کے اندر بہت سے مصالحے پڑتے ہیں جو بہت ہی مزے کے ہوتے ہیں - شراب میں تو ایسے ذائقے کی ایک چیز بھی نہیں ہوتی - علاوہ ذائقے دار مصالحوں کے پان میں اور چند خوبیاں ہیں - اول تو اس کے کھانے سے منھ میں خوشبو پیدا ہوتی ہے - دوسرے کھانا جلد ہضم ہوتا ہے - تیسرے سانس کی آمدو رفت میں آسانی پیدا ہوتی ہے - دل کو فرحت ہوتی ہے - اور سب سے بڑی بات یہ کہ پان کے کھانے سے نہ عقل بگڑتی ہے نہ ذہن خراب ہوتا ہے نہ کھانوں کا مزا زائل ہوتا ہے - پان میں چھالیہ ڈال کر خاص طور سے اس کی گلوریاں بنائی جاتی ہیں - خاطر تواضع کے موقعوں پر ہندوستان میں پان سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں سمجھی جاتی - یہاں تک کہ مہمان کی مہمانی میں - کھانے پینے کی کل نعمتیں مٹھایاں ، شربت پھول اور خوشبوئیں وغیرہ غرض دنیا کی کل اچھی اچھی چیزیں موجود کردی جائیں مگر پان نہ دیا جائے تو ایسی مہمانی قابل ذکر اور قابل قدر نہیں سمجھی جاتی اور مہمان بھی یہ سمجھتا ہے کہ میری کچھ عزت ہی نہیں کی گئی - یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے رئیس اپنی محفلوں میں جب کسی کو سرفراز کرنا چاہتے ہیں تو اس کو اپنے ہاتھ سے پان دیتے ہیں - میرے خیال میں ہندوستان میں پان کا دستور ایسا ہی ہے جیسا کہ چنگیز خاں کی ولایت میں شراب یا کھجور کا - وہاں یہ دستور تھا کہ رئیس اپنے اپنے دیوان خانوں میں پیالوں کے اندر شراب یا کھجور بھروا کر رکھ لیتے تھے - جس کسی کی عزت بڑھانی منظور ہوتی تھی اس کے سامنے شراب کا یا کھجور کا پیالہ پیش کردیتے تھے - رئیسوں کے علاوہ معمولی درجہ کے آدمیوں میں بھی میں یہی تھی اور چھوٹے بڑے سب اسی قسم کی خاطر داری کو انتہا درجے کی خاطر رسم داری سمجھتے تھے " -

جب ابن بطوطہ سلطان محمد کے محل میں پہونچا اور وہاں اس کی خاطر تواضع ہوئی تو اور بہت سی کھانے پینے کی چیزوں کے ساتھ ہزار پان آئے اور بہت سی چھالیہ آئی تھی -

جب وہ دولت آباد سے چل کر احاطۂ بمبئی میں منڈبار میں پہونچا تو وہاں اُس نے برہمن اور کھتری ذات کے ہندوؤں کو دیکھا - سفر نامے میں

لکھا ہے کہ " منڈبار کے باشندے اکثر مرہٹے ہیں دستکاری میں مشہور ہیں - وہ طبیب اور منجم بھی ہیں - اچھا علم اور بڑی واقفیت رکھتے ہیں - شریف مرہٹے برہمن اور کھتری ہوتے ہیں - چاول ' سبزی اور سرسوں کا تیل ان کی غذا ہے - گوشت بالکل نہیں کھاتے اور کسی حیوان کو تکلیف نہیں دیتے - کھانے سے پہلے اسی طرح غسل کرنا لازمی سمجھتے ہیں جس طرح مسلمان جنابت کے بعد اپنے قریبی رشتہ داروں میں جب تک کہ سات پشتوں کا فرق نہ ہو جائے شادی بیاہ نہیں کرتے - شراب پینا سخت عیب سمجھتے ہیں - اگر کوئی مسلمان شراب پی لیتا ہے تو اس کے اسی کوڑے لگائے جاتے ہیں اور تین دن تک ایک تہ خانے میں قید کردیا جاتا ہے ' جسے سوائے کھانے کے وقت کے کبھی نہیں کھولتے " -

مسالک‌الابصار کے مولف شہاب‌الدین احمد عباس نے ابو صفا عمر ابن شبلی کی زبانی دہلی والوں کے ذکر میں لکھا ہے کہ " وہ لوگ تیز اور عقلمند ہوتے ہیں - فارسی اور ہندی زبانیں خوب بولتے ہیں - ان کی عقلیں تیز اور ذہن صاف ہوتے ہیں - ان میں سے اکثر فارسی اورہندی زبانوں میں شعر بھی کہتے ہیں - اور بعض عربی میں بھی شعر کہہ لیتے ہیں اور اچھے شعر کہتے ہیں - بہتیرے ایسے ہیں جو بادشاہ کے وظیفہ خوار نہیں ہیں ' پھر بھی بادشاہ کی مدح میں وہ شعر کہتے ہیں:- بادشاہ ان سے خوش ہوتا ہے اور انہیں انعام دیتا ہے " -

شیخ مبارک کا بیان ہے کہ " ہندوستان میں تلوار ' کمان ، نیزے اور قسم قسم کے ہتھیار بنانے والے بھی - ہیں - زرہ اور زین بنانے والے بھی اور ان سب کے علاوہ مختلف قسم کے کام کرنے والے مرد بھی ہیں ' اور عورتیں بھی - صاحب شمشیر بھی ہیں ' اور صاحب قلم بھی " -

ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ " ہندوستان میں ہندو تمام ملک میں مسلمانوں سے ملے جلے رہتے ہیں ...... بہت سے ہندو دشوار گزار پہاڑوں اور بانسوں کے جنگلوں میں حفاظت کی جگہ دیکھ کر رہتے ہیں - بانس فصیل کا کام دیتے ہیں - اُس کے اندر اُن کے مویشی اور کھیت ہوتے ہیں - اور بارش کا پانی بھی جمع ہوا ہوتا ہے " -

ہندو دولت مند ہیں اور انہیں روپیہ جمع کرنے کی عادت ہے

مسالک‌الابصار کے ایک راوی کا بیان ہے کہ " ہندوؤں کو روپیہ پیدا کرنے اور جمع کرنے کا شوق ہے - جب وہ آپس میں ملتے ہیں تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں " کہو تم نے کتنی روکڑ اکھٹی کرلی " - کوئی کہتا ہے کہ میرے گھرانے میں میرے

دادا کے وقت سے روپیہ جمع ہو رہا ہے اور میں روپیہ جمع کرنے والوں کی دوسری پشت میں ہوں - اور کوئی کہتا ہے کہ " میرے خاندان میں میرے پر دادا کے وقت سے روپیہ جمع ہوتا چلا آیا ہے اور میں روپیہ جمع کرنے والوں کی تیسری پشت میں ہوں - جو روپیہ کئی پشتوں سے جمع ہوتا آرہا ہے اس کا شمار کیا بتاؤں " ! ہندوؤں کی عادت ہے کہ روپیہ جمع کرنے کی غرض سے اپنے گھروں میں گڑھا کھود لیتے ہیں - دیواروں میں موکھے سے بنا لیتے ہیں جن کا منھہ بند کر دیتے ہیں ' بس ایک چھوٹا سا سوراخ کھلا رہنے دیتے ہیں جس کے ذریعے اس میں روپیہ ڈال تو سکیں مگر نکالنا ممکن نہ ہو - اور لین دین کے وقت وہ بڑی احتیاط سے کام لیتے ہیں - اس خوف سے کہ کہیں کھوٹا مال نہ آجائے- وہ نہ تو چاندی سونے کی بنی ہوئی چیز لیتے ہیں اور نہ ٹکڑے - لیتے ہیں تو چاندی سونے کے سکے لیتے ہیں - ہندوؤں کی بعض بستیوں میں یہ دستور ہے کہ جب کسی گھر میں اشرفیوں کی ایک تھیک بھر جاتی ہے تو گھر کا مالک چھت کے اوپر ایک جھنڈا گاڑ دیتا ہے - اس طرح سے دس دس جھنڈیاں تک گڑ جاتی ہیں - بعض مکانوں کی چھتوں پر دس سے بھی زیادہ جھنڈیاں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہیں " -

مسالک الابصار کے مصنف شہاب الدین احمد عباس غلام نے لکھا ہے کہ " سلطان محمد جنگ سے اس قدر قیدی گرفتار کرکے لاتا ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں جاتا کہ دہلی میں ہزاروں عمدہ عمدہ غلام سستی قیمت پر نہ بکتے ہوں - مجھ سے راویوں نے بھی بیان کیا کہ خدمت کرنے والی لونڈی کی قیمت دہلی شہر میں آٹھ ٹنکے سے زیادہ نہیں ہے اور جو لونڈیاں خانہ داری کے مطلب کی ہوتی ہیں ان کی قیمت پندرہ ٹنکے - اور بعض کی بیس ٹنکے یا اس سے بھی کچھ زیادہ ہوتی ہے " - لیکن حافظ ابن تاج ملتانی نے راوی پر اعتراض کیا اور کہا کہ جب ہندی لونڈیوں کی قیمت اتنی زیادہ ہے تو پھر وہ سستی کہاں سے ہوئیں ؟ راوی نے جواب دیا کہ ان کی خوبصورتی کی وجہ سے اور بھلی عادتوں کے سبب ہر شخص خریدنے کے لئے ان پر گرتا ہے - اور چاہتا ہے کہ میں ہی خرید لوں - اس سبب ان کا بھاؤ تیز ہو جاتا ہے - ان لونڈیوں میں یہ بھی خوبی ہوتی ہے کہ اکثر پڑھی لکھی اور قرآن کی حافظ ہوتی ہیں اور مذہب سے بھی واقف ہوتی ہیں اور حدیث سے بھی - سیکڑوں شعر انہیں حفظ یاد ہوتے ہیں - اور

حدیثیں ان کی نوک زبان ہوتی ہیں - وہ گانے بجانے میں یکتا ہوتی ہیں - اور شطرنج اور چوسر خوب کھیلتی ہیں - اور پھر لطف یہ ہے کہ جب آپس میں اپنے ہنر بیان کرنے بیٹھتی ہیں تو ایک کہتی ہے " میں تین دن میں اپنے مالک کے دل کو مٹھی میں لے لوں " - دوسری کہتی ہے " واہ یہ بھی کوئی بڑی بات ہے - بہن — میں تو دو ہی دن میں اس کے دل میں گھر کرلوں " - تیسری کہتی ہے " اجی - تمہاری بات بھی کچھ نہیں - میں تو گھڑی بھر میں اس کے دل پر قبضہ کرلوں " - چوتھی کہتی ہے - " واہ بہنا ' یہ بھی کیا کمال ہوا ؟ مجھے تو اپنے مالک کے دل پر قابو کرنے میں بس اتنی دیر لگے جتنی کہ پلک جھپکانے میں لگتی ہے " -

ابن بطوطہ نے لونڈیوں کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس سے مسالک الابصار کی تائید ہوتی ہے - اس کا بیان ہے کہ جو لونڈیاں لوٹ میں آتی ہیں وہ ہندوستان میں بہت سستی ملتی ہیں - کیوں کہ وہ گندی ہوتی ہیں - تہذیب سے واقف نہیں ہوتیں - مگر یہاں سیکھی سکھائی لونڈیاں بھی سستی ہوتی ہیں اس لئے لوٹ کی لونڈیوں کو کوئی نہیں خریدتا -

ہندی عورتیں

مسالک الابصار میں لکھا ہے کہ عام طور سے ہندوستان کی عورتوں کو ترکی اور قبچاقی عورتوں کی نسبت زیادہ حسین اور ملیح بتایا جاتا ہے - لوگ کہتے ہیں کہ حسن و ملاحت کے علاوہ بعض خوبیاں ہندی عورتوں میں ایسی ہیں جو کسی اور ملک کی عورتوں میں نہیں پائی جاتیں - ہندوستان کی اکثر عورتیں سبزہ رنگ ہوتی ہیں اور بعض گورے رنگ کی ہوتی ہیں - ان کے گورے رنگ میں سرخی جھلکا کرتی ہے - اور باوجودیکہ لوگوں کے پاس ترکی ' قبچاقی ' رومی اور ہر صنف کی عورتیں موجود ہیں مگر ان میں سے کوئی حسن و خوبی میں ہندی عورت کو نہیں پہونچتی - میرے خیال میں دنیا کے کسی خطے کی عورت ہندی عورت کے مقابلے میں بڑھ نہیں سکتی ' اور بڑھ سکتی ہے تو ہندی عورت سے کوئی ہندوستان ہی کی عورت بڑھ سکتی ہے - یہ عورتیں تمام دنیا کی عورتوں سے صرف حسن و حلاوت ہی میں بڑھی ہوئی نہیں ہیں بلکہ ان میں اور بے شمار خوبیاں ہیں جن کے لئے تحریر کے دامن میں گنجائش نہیں -

ستی

ہندوستان میں داخل ہونے کے بعد ابن بطوطہ ملتان سے اجودھن ہوتا ہوا سرستی اور ہانسی کی طرف جارہا تھا راستے میں اس نے ایک عورت کے ستی ہونے کی خبر سنی - اُس کا بیان ہے کہ " ایک اور دفعہ میں نے دیکھا کہ ایک ہندو عورت بناؤ سنگار کئے ہوئے گھوڑے پر چڑھی ہوئی چلی جاتی تھی - ہندو مسلمان اس کے پیچھے پیچھے تھے - آگے آگے نوبت بجتی جاتی تھی برہمن لوگ بھی ساتھ ساتھ تھے - کچھ عرصے بعد ایسا اتفاق ہوا کہ میں ابرھی میں تھا ابرھی کے اکثر باشندے ہندو ہیں - اس کا حاکم سامرہ قوم کا مسلمان تھا - ابرھی کے نواح میں نافرمان ہندو رہتے تھے ایک دفعہ انہوں نے رہزنی کی - ابرھی کا حاکم ہندو مسلمانوں کے ایک دستے کو ساتھ لے کر ان سے لڑنے کو گیا - بڑی سخت لڑائی ہوئی - بادشاہ کی فوج کے ساتھ ہندو مارے گئے - ان میں سے تین کی عورتیں تھیں - عورتوں نے ستی ہونے کا ارادہ کیا ...... ستی ہونے سے تین دن پہلے وہ گانے بجانے اور کھانے میں مشغول ہوگئیں ...... ان کے پاس ہر طرف سے عورتیں آنے لگیں اور اُن سے مل مل کر رخصت ہونے لگیں - چوتھے دن صبح کو ان کے پاس گھوڑے لائے گئے - ہر ایک بیوہ بناؤ سنگار کر کے اور خوشبوئیں لگا کر گھوڑے پر سوار ہوگئی - اُس کے دائیں ہاتھ میں ناریل تھا جس کو اُچھالتی چلی جاتی تھی اور بائیں ہاتھ میں آئینہ تھا جس میں منھ دیکھتی جاتی تھی - برہمن اس کے اِرد گرد جمع تھے اس کے رشتے دار اُس کے ساتھ تھے - آگے آگے نقارے بجتے جاتے تھے ہر ایک ہندو آگے بڑھ بڑھ کر اس سے کہتا تھا کہ ' میرا سلام میرے ماں باپ کو ' بھائی کو ' اور فلاں فلاں دوست کو کہدینا - وہ کہتی تھی " اچھا " اور ہنستی جاتی تھی - میں بھی اپنے دوستوں کو لے کر اُسی طرف چلا - تین کوس نکل گئے تو ایک ایسی جگہ آئی جہاں بیچ میں چار گنبد تھے - ہر گنبد میں ایک ایک بت رکھا تھا - گنبدوں کے بیچ میں پانی کا حوض تھا جس پر درختوں کے سایۂ کے سبب دھوپ نہ پڑتی تھی ...... جب یہ عورتیں ان گنبدوں کے پاس پہونچیں تو حوض میں اتر کر انہوں نے غسل کیا اور غوطہ لگایا اور اپنے کپڑے اور زیور اتار کر علیحدہ رکھہ دئے - صرف ایک موٹی ساڑی باندھ لی - اس وقت حوض کے پاس نشیب میں آگ دھکا دی گئی جس پر سرسوں کا تیل ڈال دیا گیا شعلے اٹھنے لگے - پندرہ ایک آدمی لکڑی کے بندھے ہوئے گٹھے لئے ہوئے تھے اور

دس ایک آدمی لکڑیوں کے بڑے بڑے کندے تھامے کھڑے تھے نقارے اور نفیری والے بیوہ کے انتظار میں تھے - آگ کو ایک رضائی کے اوٹ میں کر لیا گیا تھا تاکہ ان عورتوں کی نظر نہ پڑے - ایک عورت نے بڑھ کر زبردستی رضائی کو چھین لیا - کہنے لگی ' کیا میں جانتی نہیں کہ یہ آگ ہے مجھے ڈراتے ہو ' - پھر اس نے آگ کو ڈنڈوت کی اور بھڑکتے ہوئے شعلوں کے اندر جا پڑی - عورت کا آگ میں گرنا تھا کہ نقاروں کا شور اُٹھا اور نفریاں بجنے لگیں - لوگوں نے پتلی لکڑیاں جو ہاتوں میں لئے کھڑے تھے آگ میں ڈالنی شروع کیں اور اوپر سے بڑے بڑے کندے ڈال دئے تاکہ وہ عورت ہل بھی نہ سکے - دیکھنے والے چیخ اُٹھے میں عورت کو جلتے ہوئے نہ دیکھ سکا - بیہوش ہو گیا - گھوڑے پر سے گرنے کو تھا کہ مجھے میرے دوستوں نے سنبھال لیا ...... "

غمی کی رسمیں

ابن بطوطہ کو دھلی میں آئے ڈیڑھ مہینہ گزرا تھا کہ اُس کی بیٹی کا انتقال ہو گیا - یہ لڑکی سال بھر سے کم تھی - مگر اس کے دفن و کفن کا بڑا اهتمام کیا گیا - بادشاہ اس وقت دارالخلافے میں نہ تھا - وزیر کو خبر ہوئی تو پہلے تو اس نے پالم دروازے کے باہر ایک خانقاہ میں قبر کی جگہ تجویز کی اور اس کے بعد بادشاہ کو لکھا - بادشاہ کا جواب دوسرے دن شام کو آگیا - سفر نامے میں لکھا ہے کہ " ھندوستان میں تیسرے دن صبح ہوتے ہی میت کی قبر پر جاتے ہیں اور قبر کی اِرد گرد ریشمی کپڑے اور گدیلے بچھاتے ہیں اور قبر پر پھول رکھتے ہیں ...... نارنج اور لیموں کی ٹہنیاں بھی مع پھلوں کے قبر پر رکھتے ہیں - اگر ان میں پھل موجود نہیں تو دھاگے کے ذریعے سے میووں کے دانے اُن میں لگا دیتے ہیں - لوگ اپنے اپنے قرآن مجید کی جلدیں لے جاتے ہیں اور قبر کے گرد بیٹھ کر پڑھتے ہیں - جب قرآن خوانی ہو چکتی ہے تو گلاب پلایا جاتا ہے - گلاب اُن پر چھڑکا بھی جاتا ہے - پھر اُنہیں پان دئے جاتے ہیں " -

شادی کی رسمیں

سفر نامے میں شادی کا یہ دستور لکھا ہے کہ " جس مکان سے دولھا دولھن کو اپنے گھر لاتا ہے اُس مکان کے دروازے پر دولھن کی جماعت کھڑی ہو جاتی ہے جب دولھا کی جماعت آتی ہے تو دولھن والے دولھا والوں کو داخل ہونے سے روکتے ہیں - اگر دولھا والے غالب آجاتے ہیں تو چلے جاتے ہیں اگر مغلوب ہوجاتے ہیں تو انہیں ہزاروں روپے دینے پڑتے ہیں - دولھا کے سر پر سہرا باندھا جاتا ہے - جب دولھا والے برات

لے کر دولہن کے مکان میں داخل ہوجاتے ہیں تو دولہا اور دولہن دونوں کو ایک مقام پر لاکر بٹھا دیا جاتا ہے - وہاں عورتوں کا مجمع ہوتا ہے - گانے والی عورتیں بھی بیٹھی ہوتی ہیں - اس وقت دولہن اپنے ہاتھ سے دولہا کو پان دیتی ہے ' اور دولہا کے عزیزوں پر سے روپئے پیسے لٹائے جاتے ہیں - عورتیں اللہ اکبر کے نعرے لگاتی جاتی ہیں اور گاتی بھی جاتی ہیں - باہر نقارے بجتے رہتے ہیں - پھر دولہا دولہن کا ہاتھ پکڑ کر کھڑا ہوجاتا ہے اور دولہن دولہا کے پیچھے پیچھے ہو لیتی ہے - دولہا گھوڑے پر سوار ہو جاتا ہے اور دولہن ڈولے میں بیٹھ جاتی ہے - اس وقت ان دونوں پر سے روپئے پیسے نچھاور کئے جاتے ہیں - براتی کچھ تو گھوڑوں پر ہوتے ہیں اور کچھ پیدل - جس امیر کے دروازے سے برات گزرتی ہے وہی باہر نکل کر اس پر سے نچھاور کرتا ہے دوسرے دن دولہن کے گھر سے دولہا کے دوستوں کے گھر کپڑے مع کچھ نقدی کے بھیجے جاتے ہیں - دعوت ہوتی ہے "- یہ طریقے ابن بطوطہ نے محل سرا کی ایک شادی میں دیکھے - عام شادیوں میں بھی کم و بیش ایسی ہی رسمیں ہونگیں -

پردہ سفر نامے سے ظاہر ہوتا ہے کہ پردہ اکثر ہندوؤں اور بعض مسلمانوں میں نہ تھا - اس بات کی تائید پدماوت سے- فتوحات فیروز شاہی سے - اور تاریخ فرشتہ سے ہوتی ہے - محل سرا کی جس برات میں ابن بطوطہ شریک ہوا اس میں دولہا دولہن کی سواری کے ساتھ عورتیں بھی براتیوں میں شامل تھیں - بعض تو گھوڑوں پر بیٹھی جارہی تھیں اور بعض پیدل چل رہی تھیں- برات ہر ایک امیر کے دروازے پر رک رک جاتی تھی اور گھر کا مالک باہر نکل کر برات پر سے نچھاور کرتا تھا - لیکن ایک دوسرے مقام پر ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ " اس ملک میں عورتیں ڈولیوں میں آتی جاتی ہیں " - ابن بطوطہ نے ڈولی کا جو حیلہ لکھا ہے اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانے میں پالکیوں کا رواج تھا - جس میں بعض وقت مرد بھی بیٹھ جاتے تھے اور جسے آٹھ آدمی مل کر اُٹھاتے تھے - آج کل کی ڈولی جسے دو ہی آدمی اُٹھا لیں اُن دنوں معدوم تھی—معلوم ہوتا ہے کہ عام عورتیں بازار میں پیدل چلتی تھیں- پالکیوں میں صرف حاکموں' رئیسوں اور امیروں کی عورتیں بیٹھتی تھیں-

پوشاک مسالک الابصار میں لکھا ہے کہ ہندوستان کے باشندوں کا پہناوا زیادہ تر سفید لباس ہے - رنگین اور اُونی کپڑے جیسے بانات ' مخمل ' شال وغیرہ باہر سے لائے جاتے ہیں اور یہاں چونکہ

پچگنی قیمت پر بکتے ہیں - علماء، اولیا، اور درویش زیادہ تر اُونی کپڑے پہنتے ہیں - اور بادشاہ، خان، مَلک اور فوج کے سب افسر سر سے پاؤں تک تاتاری کپڑے پہنتے ہیں - اُن کے بدنوں پر اسلامی طریقے کی اور خوارزمی فیشن کی قبائیں ہوتی ہیں جو کمر پر سے تنگ ہوتی ہیں - ان کے سروں پر پانچ چھ گز کپڑے کی پگڑیاں ہوتی ہیں جو اُن کے لمبے قدوں پر چھوٹی معلوم ہوتی ہیں - ایسی پگڑیوں کو عمامہ کہنا موزوں نہیں ہے - ناصرالدین محمد چشتی جو زمرّدی کے لقب سے مشہور ہے - اور جو دو مرتبہ ہندوستان میں آ چکا ہے اور سلطان قطب الدین مبارک شاہ کے دربار میں رہ چکا ہے - کہتا تھا کہ ہند میں ہمہ شما تو عام طور سے سفید لباس پہنتے ہیں مگر خاص خاص لوگ افسر اور عہدے دار وغیرہ تاتاری ملکوں کے بنے ہوئے کپڑے پہنتے ہیں جن پر سنہری کام کیا ہوا ہوتا ہے - بعضوں کے لباس میں سب جگہ نہیں تو صرف آستینوں پر کام کیا ہوا ہوتا ہے - بعضوں کے لباس میں مغلوں کی طرح پیٹھ پر اور گلے کے چاروں طرف چوڑا چوڑا زردوزی کا کام کیا ہوا ہوتا ہے - گلے پر جو کام کیا جاتا ہے وہ جواہرات سے سجایا جاتا ہے، اور اُس میں یاقوت اور ہیرے ٹانکے جاتے ہیں - اُن کے سر کے بالوں کی لٹیں آگے سے گندھی اور بٹی ہوئی لٹکتی رہتی ہیں - جس طرح سے کہ مصر کے سپاہیوں کا دستور ہے - بالوں کی لٹوں کو گندھا ہوا رکھنے کے لئے موباف کی طرح ریشمیں کپڑا استعمال کرتے ہیں اور اپنی کمروں میں سونے چاندی کی پیٹیاں لگاتے ہیں یا کوڑا باندھ لیتے ہیں یا تیر لٹکا لیتے ہیں، تلواریں تو کمر سے دور دراز سفر کے وقت باندھتے ہیں، گھر پر ہر وقت تلوار باندھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے - فوجی عہدہ داروں ہی کی طرح ملکی اور مالی افسروں اور وزیروں اور منشیوں کا لباس ہوتا ہے - فرق اتنا ہوتا ہے کہ یہ لوگ اپنی کمر میں پیٹیاں نہیں لگاتے، فوجیوں کی شان پٹیوں سے ہوتی ہے تو وزیروں اور منشیوں کا امتیاز اُس رومال سے ہوتا ہے جس کو وہ صوفیوں کی طرح اپنی پگڑیوں پر باندھ لیتے ہیں - اس قسم کی بندش اور وضع کو شملہ کہتے ہیں - قاضی اور علماء لشکریوں کی طرح چست لباس پہنتے ہیں، زرہ بکتر لگائے رہتے ہیں، قاضیوں عالموں اور لشکریوں کے علاوہ عام لوگ بھی چست کپڑے پہنے اور زرہ بکتر لگائے دیکھے جاتے ہیں - تاریخ فیروز شاہی سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ عالموں اور لشکریوں کی طرح سے قبا اور دگلہ پہنتا تھا - قبا تو ایک قسم کا جُبّہ تھا یا گاؤن (gown) تھا جو

اس وقت تک عالموں کی پوشاک ہے اور دگلہ ایک قسم کی چست عبا تھی جو اُس زمانے میں سپاہیوں کا پہناوا تھا -

ہندوستان کے کھانے

مسالک الابصار میں لکھا ہے کہ ہندوستان میں دودھ گھی کی ایک ایسی افراط ہے کہ کوئی انہیں مفت بھی نہیں پوچھتا اور ہندوستان کے بازاروں میں کھانے پینے کی چیزوں کی بہت دوکانیں ہیں ' جہاں قسم قسم کے کھانے موجود رہتے ہیں ' جیسے شامی کباب اور سیخ کے کباب' پلاؤ ' قورمہ اور طرح طرح کے سالن اور پینسٹھ (۶۵) قسم کی مٹھائیاں اور طرح طرح کے شربت جو دہلی کے سوا کہیں اور نہیں پائے جاتے -

سلطان محمد کی قلمرو میں داخل ہونے کے بعد ابن بطوطہ ملتان پہونچا تو وہاں ایک مرتبہ وہ سرکاری ضیافت میں شریک ہوا - جو کھانے اس ضیافت میں اُس نے دیکھے اُن کا ذکر سفر نامے میں موجود ہے - مثلاً پتلی پتلی چپاتیاں- بڑے بڑے بھنے گوشت کے ٹکڑے- پھر پوریاں یعنی گھی میں تلی ہوئی روٹیاں ' خشتی یعنی میٹھی روٹی ' قلیہ جو گھی اور پیاز اور ادرک ڈال کر بنایا جاتا ہے - سموسے جن سے مراد گھی میں تلی ہوئی پتلی پتلی لپٹی ہوئی روٹیاں جن میں قیمہ ' بادام ' جائفل ' پستے ' پیاز اور گرم مصالحے جیسی بہت سی چیزیں بھری ہوئی تھیں...... -

صنعتیں

شیخ مبارک کا بیان ہے کہ سلطان محمد نے کپڑا بننے کا کارخانہ جاری کر دیا ہے جس میں طرح طرح کے ریشمیں کپڑے بنے جاتے ہیں اور چار ہزار آدمی کام کرتے ہیں - اس کارخانے کا بنا ہوا کپڑا خلعت دینے پہنے اور تحفے دینے کے کام آتا ہے - اس کے علاوہ چین ' عراق ' اور اسکندریہ سے بھی کپڑا آتا ہے - بادشاہ ہر سال پورے دو لاکھ جوڑے تقسیم کرتا ہے - ایک لاکھ گرمیوں میں اور ایک لاکھ جاڑوں میں ' گرمیوں میں جو تقسیم ہوتا ہے وہ زیادہ تر اسکندریہ کا بنا ہوا ہوتا ہے ' اور جاڑوں میں جو تقسیم ہوتا ہے وہ سب ریشمیں ہوتا ہے - وہ دہلی کے کارخانے کا بنا ہوا ہوتا ہے - یا چین کا یا عراق کا ' اس کے علاوہ خانقاہوں اور سرایوں میں بھی بادشاہ کی طرف سے کپڑا تقسیم کیا جاتا ہے -

سلطان محمد نے زر دوزی کا کارخانہ بھی جاری کر رکھا ہے ' جس میں چار ہزار زر دوز کام کرتے ہیں - زر دوزی کام کئے ہوئے کپڑے بیگمات کے پہننے

کے کام آتے ھیں ، اُمرا کو خلعت دینے کے کام آتے ھیں اور ان کی بیبیوں کو بطور عطیے کے دئے جاتے ھیں -

دهلی کے مکان ، باغ ، بازار ، کنوئیں ، حوض ، پل وغیرہ

دهلی کے مکان پتھر اور چونے کے بنے ہوئے ھیں ان کی چھتیں لکڑی کی ھیں - اور اُن کے فرش سفید پتھر کے ھیں جو سنگ مرمر سے ملتا جلتا ھے اگرچہ خالص سنگ مرمر کا فرش سوائے شاهی محلات کے اور کہیں نہیں ھے - مکان زیادہ تر دو منزلے ھیں ، بعضے ایک منزل کے بھی ھیں - شیخ ابوبکر بن خلال نے مجھ سے کہا کہ یہ پرانی دهلی کے مکانات کا ذکر ھے ، نئی دهلی اس کے علاوہ ھے - اصل میں اکیس ۲۱ شہروں کو دهلی کہتے ھیں اُس کے تین طرف باغات ھیں جو سیدھی سیدھی قطار میں بارہ بارہ میل تک چلے گئے ھیں - چوتھی طرف پہاڑ کے نزدیک ہونے کی وجہ سے باغات نہیں ھیں - دهلی میں ایک هزار مدرسے ھیں جن میں سے ایک مدرسہ شافعیوں کا ھے - باقی کل حنفیوں کے ھیں ، اس کے علاوہ وهاں تقریباً ستر شفا خانے ھیں ، محلات ھیں جن میں معماری کی عجیب عجیب صنعتیں دکھائی گئی ھیں ، بڑی بڑی خانقاھیں بھی ھیں ، اور چوڑے چوڑے بازار بھی ھیں ، حمّام بھی ھیں ، سب لوگ کنوؤں کا پانی پیتے ھیں ، کنوؤں کی گہرائی سات هاتھ سے زیادہ نہیں ھے - هر کنوئیں پر پہاو لگی ہوی ھے - حوضوں کا پانی بھی جاتا ھے جن میں بارش کا پانی جمع هو جاتا ھے - حوضوں پر ایک تیر کی اُڑان کے برابر یا اُس سے بھی زیادہ پل بنے ہوئے ھیں - دهلی میں ایک مشہور جامع مسجد بھی ھے جس کی بابت کہا جاتا ھے کہ روئے زمین پر کوئی مسجد اس کے برابر عالی شان نہیں ، اس کی اونچائی چھ سو هاتھ ھے -

شاهی محل

شیخ مبارک کا بیان ھے کہ دهلی میں سلطان محمد کے محلات اُس کے اور اُس کے حرم کے واسطے مخصوص ھیں اُس کی بیگمات کے لئے اور کنیزوں اور ماماؤں کے واسطے الگ الگ مکان بنے ھیں - وهاں خانوں اور امیروں میں سے کوئی نہیں رہ سکتا ، خان اور مَلک بادشاہ کی خدمت میں دو مرتبہ یعنی صبح اور شام کو حاضر ہوتے ھیں اور سلام کرکے واپس چلے جاتے ھیں -

دربار

مسالک الابصار میں لکھا ھے کہ سلطان محمد کے دربار میں بارہ سو طبیب ملازم ھیں اور دس هزار باز دار جو گھوڑوں پر سوار ہوتے ھیں اور اُن پرندوں کو لئے پھرتے ھیں جن کو شکار کے طریقے

سکھائے جاتے ھیں - اور تین ھزار آدمی شکار کو گھیر گھار کر لانے پر تعینات ھیں - پانچ سو بادشاہ کے ھمنشیں ھیں - دو ھزار دو سو قوّال ھیں - بادشاہ کے غلاموں میں سے بھی ایک ھزار قوّال ھیں - جو قوّالی سکھانے پر مامور ھیں - اور ایک ھزار شاعر مقرر ھیں جو نہایت قابل ھیں تینوں زبانوں میں یعنی عربی ' فارسی اور ھندی میں شعر کہتے ھیں - یہ سب کے سب سلطان کے دربار سے تنخواہ پاتے ھیں - اُسی کے طرف سے ان پر انعام و اکرام ھوتا رھتا ھے اگر بادشاہ کو یہ معلوم ھو جائے کہ اس کے قوّال نے کسی اور کے یہاں قوالی کی ھے تو پھر اس قوال کی جان بچنی مشکل ھو جاتی ھے - بادشاہ کا دربار صبح اور شام دن میں دو مرتبہ ھوتا ھے - محمد جلیدی کا بیان ھے کہ منگل کے روز بادشاہ پورے دن دربار عام کرتا ھے - منگل کا دربار ایک بہت وسیع میدان میں ھوتا ھے - جہاں ایک شاھانہ چتر لگایا جاتا ھے چتر اتنا بڑا ھوتا ھے کہ سائبان کے طرح سارے میدان کو ڈھک لیتا ھے - بیچ میں ایک اونچا سونے چاندی اور جواھرات کا جڑاؤ تخت رکھا جاتا ھے جس پر بادشاہ عدل و انصاف کے لئے بیٹھتا ھے - تخت کے دائیں بائیں ارکان سلطنت یعنی وزیر اور مشیر ادب سے کھڑے رھتے ھیں اور تخت کے پیچھے مسلح سپاھی اور خدمتگار ' وغیرہ کمر کسے رھتے ھیں - باقی منصب دار اور عہدے دار اپنے اپنے منصبوں کے مطابق کھڑے ھوتے ھیں - تخت کے سامنے بیٹھنے کی اجازت صرف خانوں - خفیہ نویسوں - اور صدرجہاں کو ھوتی ھے - اور آواز لگانے والے چپراسی دروازوں پر کھڑے ھوکر فریادیوں اور نالش دائر کرنے والوں کو پکار پکار کر حاضر کرتے رھتے ھیں - یہ فریاد کے لانے والے اور انصاف کے چاھنے والے اپنی اپنی فریاد سنا کر بادشاہ سے انصاف کے طالب ھوتے ھیں - بادشاہ کے حضور میں پہونچنے کے بعد جس وقت تک وہ اپنی پوری فریاد نہ سنا لیں اور اُن کے حق میں بادشاہ کا حکم صادر نہ ھوجائے اُس وقت تک نہ کوئی اُنھیں مار سکتا ھے اور نہ ان پر کسی طرح کا دباؤ ڈال سکتا ھے - منگل کے علاوہ ھر روز صبح شام بادشاہ دربار عام کرتا ھے - دربار عام میں کوئی شخص کسی قسم کا ھتھیار اندر نہیں لاسکتا - نہ خود ھتھیار سجاکر آسکتا ھے - چاقو تک دربار میں نہیں لایا جاسکتا - دربار میں داخل ھونے سے پہلے بادشاہ کو ھر آنے والے کی بابت پوری اطلاع دیجاتی ھے - دربار کے میدان میں بادشاہ کے تخت تک پہونچنے کے لئے دروازے کے اندر دروازہ

دروازے کے اندر دروازہ اسی طرح سات دروازے ہوتے ہیں پہلے دروازے پر ایک سپاہی مقرر ہوتا ہے - جب کوئی خان یا ملک یا بڑا امیر پہلے دروازے پر پہونچتا ہے تو وہ سپاہی بادشاہ کو خبر دینے کی غرض سے بگل بجانا شروع کرتا ہے - خانوں - ملکوں اور بڑے امیروں کو اندر تک سوار ہوکر جانے کی اجازت ہے مگر معمولی شخص کے لئے پہلے ہی دروازے پر پیدل ہو جانے کا حکم ہے - البتہ معمولی لوگوں میں سے کسی کو خاص طور سے اجازت مل جاتی ہے تو وہ بس چھٹے دروازے تک سوار ہوکر جاسکتا ہے - دربار میں داخل ہونے والا جب تک ساتویں دروازے تک نہیں پہونچ جاتا اُس وقت تک برابر بگل بجتا رہتا ہے - جو آتا جاتا ہے وہ چھوؤں دروازں سے گزر کر ساتویں دروازے کے قریب بیٹھتا جاتا ہے - جب آنے والوں کا مسلسلہ ختم ہوجاتا ہے اور کسی کا انتظار باقی نہیں رہتا تو پہلا دروازہ بند کردیا جاتا ہے - اور جو لوگ ساتویں دروازے پر جمع ہوتے ہیں ان کو دروازے سے گزرنے اور محل کے اندر داخل ہونے کی اجازت دیدی جاتی ہے - اندر داخل ہونے کے بعد جو بیٹھانے کے قابل سمجھے جاتے ہیں ان کو تخت کے اِدھر اُدھر بٹھا دیا جاتا ہے باقی سب کھڑے رہتے ہیں - بٹھائے وہ لوگ جاتے ہیں جو یا تو قاضی ہیں یا وزیر اور یا خفیہ نویس - ان سب کو ایسی جگہ بٹھایا جاتا ہے جہاں بادشاہ کی نظر نہ پڑے - اس کے بعد عدالت کی کار روائی اس طریقے سے شروع ہوتی ہے کہ ہر محکمے میں عرضیوں کے اور کاغذات کے بستے کھول دئے جاتے ہیں - ہر محکمے کے لئے ایک علحدہ حاجب مقرر ہے جو اپنے محکمے کے مقدموں کی پیروی اور کاغذات کی پیشی کا ذمہ دار ہوتا ہے - سب محکموں کے حاجب مقدمات کے کاغذات حاجب خاص کے پاس لے جاتے ہیں - حاجب خاص سب حاجبوں کا افسر ہوتا ہے ' وہ ان کاغذات کو بادشاہ کی خدمت میں لے جاتا ہے - بادشاہ ان سب پر حکم لکھ دیتا ہے اور دربار برخاست ہو جاتا ہے تو حاجب خاص ان سب کاغذات کو بادشاہ کے پیش کار کے پاس لے جاتا ہے - پیش کار کے ذریعے شاہی فیصلوں کا اجرا ہوتا ہے - دربار عام برخاست ہوجاتا ہے تو دربار خاص قائم ہوتا ہے - وہاں بادشاہ علماء کو بلاتا ہے - مگر دربار خاص میں وہی علماء جاسکتے ہیں جن کو بادشاہ کے ساتھ بہت ربط ضبط ہوتا ہے - ان کے ساتھ بادشاہ بہت گھل مل جاتا ہے ان کے ساتھ وہیں کھانا بھی کھاتا ہے ' اور دلچسپی اور خوش مزاجی کی

باتیں بھی کرتا ہے - وہ بھی بادشاہ سے کھل کر کلام کرتے ہیں - علماء کی صحبت کا وقت ختم ہو جاتا ہے تو بادشاہ ان کو رخصت کر دیتا ہے - علماء چلے جاتے ہیں تو بادشاہ خلوت میں بیٹھتا ہے اور اپنے خاص خاص مصاحبوں کو بلاتا ہے اور خدا کی تعریف کے گیت سننے کے لئے قوّالوں کو طلب کرتا ہے - کبھی بادشاہ مصاحبوں سے باتیں کر کے خوش ہوتا ہے اور کبھی قوّالوں کے گیت سن سن کر باغ باغ ہوتا ہے -

شیخ مبارک کا بیان ہے کہ دربار عام ہو چکتا ہے تو سلطان محمد کی عام اور خاص محفلیں ہوتی ہیں - عام محفل کی تو یہ کیفیت ہے کہ اُس میں معمولی ملازمین کا تو گزر نہیں - صرف بڑے بڑے عہدے کے لوگ آتے ہیں یا وہ لوگ جنھیں بادشاہ ضرورتاً طلب کرتا ہے اور خاص محفل کی یہ شان ہے کہ خاص خاص مصاحب اور بڑے بڑے عہدے دار بھی اپنے نمبر سے جاسکتے ہیں - یہی قاعدہ اہلکاروں اور طبیبوں اور ان کے ہم رتبہ لوگوں کے لئے مقرر ہے - غرض خاص محفل میں کوئی بھی بغیر نمبر کے نہیں جاسکتا - شعرا کی حاضری کے لئے بھی وقت مقرر ہیں......

سلطنت کا انتظام اور حکومت

مسالک‌الابصار میں لکھا ہے خانوں میں سے کسی خان کو چن کر سلطان محمد اپنا نائب مقرر کرلیتا ہے جو امیریہ کہلاتا ہے - لشکر کے معاملات خاص طور پراور رعایا کے عام طور پر اسی امیریہ کے ذمّے ہوتے ہیں - ایک بڑا صوبہ اس کی جاگیر میں دیا جاتا ہے - بادشاہ کا ایک وزیر بھی ہے - جس کو امیریہ کے برابر جاگیر ملتی ہے - وزیر کے چار نائب ہوتے ہیں جو شق کہلاتے ہیں - ان میں سے ہر ایک کی تنخواہ بیس ہزار سے لے کر چالیس ہزار سالانہ ٹنکے تک ہوتی ہے - وزیر کے ماتحت چار میر منشی ہیں جو دفتروں میں بیٹھ کر خفیہ خبروں کو لکھتے ہیں - ان چاروں میں سے ہر ایک کو ایک ایک شہر جاگیر میں ملا ہوا ہے - جس کی آمدنی بڑی بندر گاہ کی آمدنی کے برابر ہوتی ہے - ادیبوں اور شاعروں کی دیکھ بھال انھیں چاروں میرمنشیوں کے ذمے ہے- ہر میر منشی کے ماتحت قریب قریب تین سو منشی ہیں ' جن میں سے سب سے چھوٹے کی تنخواہ ہزار تنکے سالانہ ہے - اور بڑے منشیوں کے پاس گاؤں اور زمینوں کی جاگیریں ہیں - بعض بعض کی جاگیر میں پچاس گاؤں تک ہوتے ہیں - قاضی القضاۃ کے پاس جو صدر جہاں کہلاتا ہے دس قصبے

ھیں ' جن کی آمدنی تقریباً ساٹھ ھزار تنکے ھے - آج کل کمال الدین بن برھان خاں قاضی القضاۃ ھے - وھی صدرالاسلام کہلاتا ھے ' اور وھی محکمۂ عدل کا سب سے بڑا افسر ھے - عالموں اور فاضلوں کے سب معاملے خواہ وہ ھندوستانی ھوں یا ولایتی صدر جہاں کے اھتمام میں ھیں - شیخ الاسلام (مصر کے) شیخ الشیوخ کے برابر ھے - اس کی آمدنی اتنی ھے جتنی صدر جہاں کی - اس کے ذمے تمام جوگیوں ' سادھوؤں اور قلندروں کا اھتمام ھے - خواہ وہ ھندوستانی ھوں یا غیر ھندوستانی -

شیخ مبارک نے آئین سلطنت اور طرز حکومت کے اعتبار سے سلطان محمد کا مقابلہ الپ ارسلاں سلجوقی کے بیٹے ملک شاہ سے کیاھے - لکھا ھے کہ " یہ بادشاہ اپنے زمانے کا ملک شاہ ھے" - ملک شاہ گیارھویں صدی عیسوی کا وہ نامی گرامی بادشاہ گزرا ھے جس کی خوبیاں اور سیاست دانیاں اس کے وزیر اعظم نظام الملک ابو علی حسن نے سیاست نامے میں بیان کی ھیں - سیاست نامے کا فرانسیسی ترجمہ ھمارے سامنے ھے - اس سے ظاھر ھوتا ھے کہ ملک شاہ کو سیاسیات میں بڑی واقفیت تھی - وہ سیاست مدن (Statecraft) میں ماھر تھا - اسی کی سی مثال سلطان محمد کی ھے - وہ جہانداری میں اور ملکی انتظامات میں ماھر تھا - اور سیاسیات میں بڑی دلچسپی لیتا تھا -

شاھی سواری

مسالک الابصار میں لکھا ھے کہ سلطان محمد کی خدمت میں دس ھزار خواجہ سرا رھتے ھیں - ایک ھزار چوبدار ' اور ایک ھزار بشمقدار ' دو لاکھ غلام ھیں - جن کے گھوڑوں پر ھتھیار سجے رھتے ھیں اور وہ بادشاہ کی سواری کے اِدھر اُدھر چلتے ھیں اور ان سواروں کا سلسلہ پیادوں سے جا ملتا ھے' جو بادشاہ کے آگے آگے چلتے ھیں - شیخ مبارک کا بیان ھے کہ جب سلطان محمد سوار ھوتا ھے تو اس کے سر پر شاھی چتر لگایا جاتا ھے - اور جب جنگ کی غرض سے نکلتا ھے یا دور دراز کا سفر کرتا ھے تو اس کے سر پر سات چتر لگائے جاتے ھیں - ان میں سے دو چتر زر و جواھر سے جڑے ھوئے ایسے ھیں جن کی کوئی قیمت نہیں ھوسکتی - جب بادشاہ پایۂ تخت میں ھوتا ھے تو اس کے سارے ٹھاٹھ سکندر اعظم کے سے ھوتے ھیں - وھی آن بان ' وھی شان ' وھی سلطنت کے آئین ' وھی دربار کے قوانین ...... بادشاہ کی سواری پایۂ تخت میں نکلے یا پایۂ تخت سے باھر - سواری

کے ساتھ ساتھ خان ' ملک ' اور امیر هاتھوں میں جھنڈے لئے چلتے ھیں - خانوں کی جماعت میں زیادہ سے زیادہ نو جھنڈے ہوتے ھیں ' اور امیروں کی جماعت میں کم سے کم تین - بادشاہ کی سواری جب پایہ تخت میں نکلتی ھے تو خانوں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ (۹) نو جھنڈے ہوتے ھیں اور امیروں کے ساتھ دو ۲ کوتل گھوڑے - بادشاھی لشکر کے کل افسر سفر کی حالت میں اپنا اپنا انتظام اپنی مقدرت اور همت کے مطابق کرتے ھیں اور جب پایہ تخت میں پہونچتے ھیں تو ان کے خرچ سے کہیں زیادہ شاھی خزانے سے مل جاتا ھے -

شکار کی سواری

مسالک الابصار میں لکھا ھے کہ جب بادشاہ شکار کو جاتا ھے تو ھاتھی پر سوار ھوکر جاتا ھے - اُس وقت اس کے ساتھ ایک لاکھ سوار اور دو سو ھاتھی ھوتے ھیں - اس سے زیادہ نہ سوار ھوتے ھیں نہ ھاتھی - شاھی سواری کے ساتھ ساتھ چار لکڑی کے محل بھی آٹھ سو اونٹوں پر لدے ھوتے ھیں- یعنی ھر محل کو دو ۲۰۰ سو اونٹ اُٹھائے ھوتے ھیں- ان سب محلوں پر زردوزی کا کام کئے ھوئے سیاہ ریشمیں کپڑے پڑے ھوتے ھیں - ھر محل دو منزلہ ھوتا ھے - محلوں کے علاوہ تنبو اور ڈیرے بھی ساتھ ھوتے ھیں - مگر وہ دو منزلے نہیں ھوتے -

ابن بطوطہ نے بھی شکار کی سواری کا حال لکھا ھے - اور جو کچھ لکھا ھے اپنی آنکھوں سے دیکھ کر لکھا ھے اور ذاتی تجربے سے لکھا ھے - اس لئے کہ شکار کی سواری میں بعض موقعوں پر وہ بادشاہ کے ساتھ جاتا تھا -

ایک مرتبہ کا ذکر اس نے یوں کیا ھےکہ "جب بادشاہ شکار کے لئے دارالخلافہ سے باھر گئے تو میں بھی ساتھ گیا - میں نے سفر کی تمام ضروری چیزیں خرید لی تھیں - ایک ڈیرہ خرید لیا تھا - اور ایک سائبان - سائبان ڈیرے کے اندر سائے کے لئے لگایا جاتا ھے ' اور دو بڑے بانسوں پر کھڑا کیا جاتا ھے ' جنھیں لوگ کندھوں پر لے جاتے ھیں - یہ لوگ کہوانی کہلاتے ھیں - ان کہوانیوں کو اور ان کے علاوہ گھاس لانے والوں کو ' کہاروں کو ' ڈولہ اُٹھانے والوں کو ' اور دوادویوں کو جو آگے آگے دوڑتے ھیں مسافر نوکر رکھ لیتے ھیں - میں نے روزانہ اجرت پر یہ سب لوگ اپنے ساتھ لے لئے تھے - جس روز بادشاہ کی سواری شہر سے باھر نکلی ' اسی روز میں شہر سے باھر نکل آیا - میرے سوا اور آدمی دو دو تین تین دن بعد آئے - سواری نکلنے کے دن شام کو پانچ بجے کے قریب بادشاہ

اپنے ڈیرے کے باہر کرسی پر بیٹھے تھے - چاہتے تھے کہ ہاتھی پر سوار ہوکر جائیں اور دیکھیں کہ کون کون چلنے کو تیار ہے - اُسی وقت میں بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا - سلام کرکے میں داہنی طرف اپنی مقررہ جگہہ پر کھڑا ہوگیا - بادشاہ نے ملک قبولہ سر جاندار کے ذریعے مجھے کہلا بھیجا کہ بیٹھ جاؤ......اتنے میں ہاتھی آن پہونچا - سیڑھی لگائی گئی اور جب بادشاہ اُس ہاتھی پر سوار ہو چکے تو چتر لگایا گیا اور بادشاہ کے خاص خاص مصاحب بھی سوار ہوگئے - دستور یہ ہے کہ جب بادشاہ سوار ہو جاتے ہیں تو ہر ایک اپنی اپنی فوج اور علم اور طبل اور نفیری اور سرنا لیکر سوار ہوجاتا ہے - بادشاہ کے آگے آگے فقط حاجب اور طوائف اور طبلچی اور سرنا بجانے والے ہوتے ہیں - ان کے علاوہ داہنی اور بائیں طرف پندرہ پندرہ آدمی ہوتے ہیں ' جن میں وزیر اور بڑے بڑے امیر اور بعض شریف شریف پردیسی بھی ہوتے ہیں - میں بھی داہنی طرف کی جماعت میں تھا - بادشاہ کے آگے آگے کچھ پیدل سپاہی اور راہبر چلتے ہیں - راہبر راستوں سے خوب واقف اور راستے دکھاتے اور راہیں بتاتے ہوئے جاتے ہیں - بادشاہ کے پیچھے غلام اور خادم ہوتے ہیں اور ان کے بعد امیر ہوتے ہیں اور ان کے بعد عام لوگ - کسی کو خبر نہیں ہوتی کہ کس جگہ قیام ہوگا - جب کوئی جگہ دریا کے کنارے یا درختوں کے جھنڈ میں بادشاہ کو اچھی معلوم ہوتی ہے تو حکم ہوتا ہے کہ اس جگہہ اُتر جاؤ -

جب تک بادشاہ کا ڈیرہ نہ لگ جائے کوئی شخص اپنا ڈیرہ نہیں لگا سکتا - بادشاہ کا ڈیرہ لگ جاتا ہے تو ناظر آکر ہر شخص کو اس کی جگہہ بتا دیتے ہیں - بیچ میں شاہی ڈیرہ ہوتا ہے اِرد گرد اور ڈیرے ہوتے ہیں - بکری کا گوشت یا کچھ شکار پہلے ہی روانہ کردیا جاتا ہے - امیروں کے لڑکے فوراً حاضر ہوجاتے ہیں - ہر ایک کے ہاتھ میں ایک سیخ ہوتی ہے - وہ آگ روشن کرتے ہیں اور گوشت بھونتے ہیں - پھر ایک چھوٹا سا ڈیرہ لگایا جاتا ہے ' اس کے باہر بادشاہ مع اپنے مصاحبوں کے بیٹھہ جاتا ہے - دستر خوان آتا ہے اور بادشاہ جس کو چاہتا ہے اپنے ساتھہ کھانے کے لئے بلا لیتا ہے...... - "

ابن بطوطہ نے شکار کی سواری کا حال پورا نہیں لکھا - اس کا بیان ناتمام ہے - مگر جتنا ہے اس سے یہ ظاہر ہے کہ شکار کی سواری خاص ہوتی تھی - جب ہی ضیاالدین برنی نے لکھا ہے " برسم شکار رفت " - شکار کی

سواری نکلی جسے پڑھنے والوں نے یہ سمجھہ لیا کہ سلطان محمد آدمیوں کا شکار کرنے کے لئے نکلا -

ہوا خواری اور تفریح

مسالک‌الابصار میں لکھا ہے کہ جب بادشاہ ہوا خواری وغیرہ کے لئے کہیں جاتا ہے تو اس کے ساتھ تیس ہزار سپاہی گھوڑوں پر اور اتنے ہی ہاتھیوں پر سوار ہوتے ہیں - ایک ہزار کوتل گھوڑے ہوتے ہیں ' جن پر زین کسے ہوئے ہوتے ہیں - لگامیں چڑھی ہوئی ہوتی ہیں - ان کے جسموں پر سنہری پاکھریں سجی ہوتی ہیں - ان کے گلے میں ہار پڑے ہوتے ہیں - اور ہر ہر عضو میں وہ زیور پہنے ہوتے ہیں - بعض گھوڑے یاقوت اور جواہرات وغیرہ سے سجے ہوتے ہیں - لیکن جب بادشاہ اپنے محلات میں ایک محل سے دوسرے محل تک سوار ہوکر جاتا ہے تو اس کے سر پر چتر ہوتا ہے اور مسلح سپاہی ہاتھوں میں تلواریں لئے ہوے اس کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں اور بارہ ہزار غلام بادشاہ کے گرد حلقہ کئے رہتے ہیں - سوائے چتر بردار' اور جامہ بردار کے سب پیدل ہوتے ہیں - بادشاہ کی سواری کی یہ شان محلات کے اندر شیخ محمد خجندی نے جو دھلی کے شاہی لشکر میں ملازم تھا اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی - اس نے جیسی دیکھی ویسی ہی لکھہ دی -

جنگ کی سواری اور لشکر کی ترتیب

عام سواری میں اور جنگ کی سواری میں فرق تھا ' جسے مسالک‌الابصار میں وضاحت سے نہیں لکھا گیا - شیخ مبارک کے حوالے سے اس میں بس اتنا لکھا ہے کہ " جب بادشاہ سوار ہوتا ہے تو اس کے سر پر شاہی چتر لگایا جاتا ہے اور جب جنگ کی غرض سے نکلتا ہے یا دور دراز کا سفر کرتا ہے تو اس کے سر پر سات چتر لگائے جاتے ہیں - ان میں سے دو چتر زر و جواہر سے جڑے ہوئے ایسے ہیں جن کی کوئی قیمت نہیں ہوسکتی - جنگ کے وقت بادشاہ لشکر کے بیچوں بیچ کھڑا ہوتا ہے - اس کے اِرد گرد علماء اور فضلاء ہوتے ہیں - لشکر کا ہر حصہ میمنہ ہو' میسرہ ہو' یا جناح دور دور تک پھیلا ہوتا ہے - تیر اندازوں کے آگے ہاتھی ہوتے ہیں جن کے سارے بدن پر فولادی پاکھریں سجی ہیں - ان ہاتھیوں پر ہودج دھرے ہوتے ہیں - ہودجوں پر پردے پڑے ہوتے ہیں اور اُن میں جنگجو سپاہی بیٹھے ہوتے ہیں - ہودجوں میں تیر پھینکنے کے لئے سوراخ بھی ہوتے ہیں اور تلواروں کے ہاتھ نکالنے کے لئے بھی گنجائش ہوتی ہے -

ہاتھیوں کے آگے آگے پیادے ہوتے ہیں جو سر سے پیر تک ہتھیاروں میں ڈوبے رہتے ہیں - یہ لوگ آگے آگے اس لئے چلتے ہیں کہ پیچھے آنے والے ہاتھیوں کے لئے راستہ صاف کر دیں ' اور دشمن کے سواروں کو سامنے سے آتا دیکھیں تو تلواریں مار مار کر پھیر دیں - ہودجوں کے برجوں میں تیر انداز بیٹھے رہتے ہیں جو ہاتھیوں کی پشت‌طرف منہ کئے رہتے ہیں - اور پیچھے سے حملہ کرنے والوں پر تیر چلاتے رہتے ہیں - ہاتھیوں کے داھیں باھیں گھڑ سوار ہوتے ہیں جو دشمنوں کو کاٹتے چھانٹتے اور پامال کرتے ہوئے چلتے ہیں - بھاگنے والے کو کسی غار یا گڑھے میں بھی پناہ نہیں ملتی - سامنے سے آنے والے کو پیادے نہیں چھوڑتے - غرض شاہی لشکر ہاتھیوں کے چاروں طرف حلقہ باندھے رہتا ہے -

لشکر کے اس عمدہ انتظام کی بدولت دشمنوں پر کیا نیچے ' کیا اوپر ' کیا داھیں' کیا باھیں' کیا آگے' کیا پیچھے' ہر طرف‌سے مار کی بھرمار رہتی ہے - غنیم بادشاہی لشکر سے ملتے ہی موت کے شکنجے میں کس جاتا ہے' اور بلا کے گھیرے میں پھنس جاتا ہے -

لشکر

لشکر میں درجے ہیں - پہلا درجہ خان کا ہے - وہی سب درجوں سے بڑا ہوتا ہے - دوسرا درجہ ملک کا ہے اور تیسرا امیر کا - چوتھا سپہ‌سالار کا اور پانچواں جلد کا - خان کی ماتحتی میں دس‌ہزار (۱۰۰۰۰) سوار رہتے ہیں - ملک کی ماتحتی میں ایک‌ہزار (۱۰۰۰) اور امیر کی ماتحتی میں سو (۱۰۰) - سپہ‌سالار کی ماتحتی میں سو (۱۰۰) سے بھی کم - جلدیوں [۱] کی تنخواہیں مقرر ہوتی ہیں - جو شاہی خزانے سے پابندی کے ساتھ ملتی رہتی ہیں - مگر خانوں ' مَلِکوں اور سپہ‌سالاروں کے لئے بجائے تنخواہ کے سرکاری دفتر سے گاؤں مقرر ہوجاتے ہیں - جن کی آمدنی ان کے اخراجات کے لئے بہت کافی ہوتی ہے - بلکہ دفتر کے کاغذات میں ان کی جتنی آمدنی لکھی ہوئی ہے اس سے دو چند ان کو گانوؤں سے وصول ہوجاتی ہے - خان کے لئے دو لاکھ تنکے سالانہ کی جاگیر مقرر ہوتی ہے - لاکھ سو ہزار تنکوں کا ہوتا ہے - اور تنکہ آٹھ درہم کا ہوتا ہے - یہ رقم خان ہی کی جیب خاص کے لئے ہوتی ہے - اس میں فوج کے دوسرے سرداروں کا کچھہ حق نہیں ہوتا - اور انہیں اس میں کچھہ دینے پر وہ مجبور بھی نہیں ہوتا - مَلِک کے لئے پچاس (۵۰) ہزار سے

[۱]—جلدی سے مراد معمولی سپاہی ہے ' جسے مفرد (Private) بھی کہتے ہیں ۔

ساٹھ (۶۰) ہزار تنکے تک کی جاگیر مقرر ہوتی ہے۔ اور امیر کے لئے تیس (۳۰) ہزار سے چالیس (۴۰) ہزار تک کی۔ سپہ سالار کے لئے تقریباً بیس ہزار تنکے کی۔ باقی افسروں کے لئے ایک ہزار تنکے سے لے کر دس (۱۰) ہزار تک کی جاگیر ہوتی ہے۔ مگر سپہ سالار سے کم درجے والے فوجی افسروں کو خزانے سے نقد روپیہ مل جاتا ہے۔

مَلِک ہو یا خان یا سپہ سالار۔ ان میں سے کوئی بھی لشکر سے اپنے لئے خدمت نہیں لے سکتا۔ یہ بات مصر اور شام کے بالکل بر عکس ہے۔ وہاں مَلِک اور امیر لشکریوں سے خدمت لے لیتے ہیں۔ ہندوستان میں ملک اور امیر اور سپہ سالار اپنا کام خود ہی کیا کرتے ہیں۔ لشکر تو بس بادشاہ کی خدمت کے لئے ہے۔ ملک، خاں اور سپہ سالار لشکر سے خدمت لے سکتے ہیں تو بادشاہ ہی کے نام سے اور اسی کے لئے۔

اسی (۸۰) یا اسی (۸۰) سے زیادہ خان بادشاہ کے ساتھ رہتے ہیں۔ لشکر میں نو (۹) لاکھ سوار ہیں۔ جن میں سے کچھ تو بادشاہ کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ باقی جگہ جگہ چھاونیوں میں مقرر ہوتے ہیں اِن سب کے متعلق شاہی دفتر سے احکام جاری ہوا کرتے ہیں۔ اسی دفتر سے ان پر انعام اکرام بھی ہوتے رہتے ہیں۔ لشکر میں سپاہی ترک بھی ہیں، خطائی بھی، ایرانی بھی اور ہندو بھی۔ بعض لشکری پہلوان بھی ہیں اور دوڑنے والے بھی۔ نیچے اونچے درجے والے سب لشکریوں کے پاس داغ کئے ہوئے گھوڑے ہوتے ہیں۔ اچھے ہتھیار ہوتے ہیں اور سب لشکری ترک بھوک سے رہتے ہیں۔ اُن میں سے زیادہ تر مذہبی احکام سیکھتے ہیں۔ بعض کو تو مذہب سے اچھی خاصی واقفیت ہوتی ہے۔ مذہب کی کل تعلیم امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے طریقے پر ہے۔

لشکر میں تین ہزار ہاتھی عماری دار رہتے ہیں جن کو لڑائی کے وقت لوہے کی اور سونے کی پاکھریں پہنائی جاتی ہیں۔ صلح اور امن کے دنوں میں ہاتھیوں پر قسم قسم کی ریشمیں اور زردوزی کا کام کی ہوئی جھولیں ڈالی جاتی ہیں۔ جھولوں پر عماریاں جمائی جاتی ہیں۔ چاندی کے تخت رکھے جاتے ہیں۔ تختوں پر اونچی اونچی لکڑیوں کے ذریعے چھتریاں بنائی جاتی ہیں۔ چھتریوں کے اندر ہندوستان کے سورما لڑائی کے لئے تیار بیٹھے رہتے ہیں۔ ایک ہاتھی کے

اوپر زیادہ سے زیادہ دس اور کم سے کم چھ آدمی ہوتے ہیں - اتنے ہی وہ اٹھا بھی سکتا ہے "۔

بھرتی کیونکر ہوتی تھی؟

اُس زمانے کی تاریخوں میں کچھ نہیں لکھا کہ فوج میں بھرتی کیونکر ہوتی تھی - مگر ابن بطوطہ کے سفر نامے سے ظاہر ہوتا ہے کہ بغیر جانچ اور بلا امتحان کے نہ سپاہیوں کی بھرتی ہوتی تھی اور نہ ترقی - امتحان لینے کا اور بھرتی کرنے اور ترقی دینے کا اختیار صوبے کے حاکموں کو بھی دے دیا گیا تھا، اگرچہ کام یہ بادشاہ ہی کا تھا - جب ملتان کے حاکم قطب الملک کے پاس ابن بطوطہ پہونچا تو وہ سپاہیوں کا امتحان لے رہا تھا - امتحان کے نتیجے پر ان کی ترقی منحصر تھی - ابن بطوطہ نے دیکھا کہ ایک بڑے چبوترے پر فرش کیا ہوا ہے - فرش کے اوپر قطب الملک بیٹھا ہوا ہے - اس کے پاس شہر کے قاضی اور خطیب بیٹھے ہوے ہیں - اور داہیں باہیں فوج کے افسر کھڑے ہوے ہیں - سرھانے مسلح آدمی کھڑے ہیں - سامنے سے لشکر گزر رہا ہے - وہیں بہت سی کمانیں پڑی ہوئی تھیں - لشکر میں سے جو کوئی سپاہی تیر اندازی کا کمال دکھانا چاہتا وہ جس کمان کو اٹھا سکتا اٹھا لیتا، کھینچتا اور تیر چلاتا - اگر اپنی سواری کا کمال دکھانا چاہتا تو ایک چھوٹا نقارہ دیوار میں لگا ہوا تھا سپاہی گھوڑا دوڑا کر اپنا نیزہ اس میں لگا دیتا - ایک نیچی سی دیوار پر ایک انگوٹھی لگی ہوئی تھی - سپاہی گھوڑا دوڑاتا ہوا دیوار کے قریب پہونچتا، اور نیزے کی انی میں انگوٹھی پرو لے جاتا - ایک گیند بھی پڑی ہوئی تھی - سوار گھوڑا دوڑا کر اس پر بلا لگاتا تھا - جس قدر کمال سپاہی اور سوار ان کھیلوں میں دکھاتے تھے اسی قدر ان کی ترقیاں ہوتی تھیں -

لڑائی کے ہتھیار

تاریخ فیروز شاہی میں آتشبازی کا اور آگ کا ذکر ہے مگر اُن دنوں بندوقوں کا یا بارود کا استعمال نہ تھا - نفت یا روغن نفت کے ذریعے آگ پیدا کی جاتی تھی - کوئلوں کو دہکایا جاتا تھا اور جلتی ہوئی آگ برسائی جاتی تھی - تلواریں چلائی جاتی تھیں - تیر برسائے جاتے تھے - اور نیزے چلائے جاتے تھے - منجنیق اور عرّادے سے توپوں کا کام لیا جاتا تھا - جن کے ذریعے قلعوں کی دیواریں توڑی جاتی تھیں - آگ پھینکی جاتی تھی اور پتھر مارے جاتے تھے -

چھوٹی منجنیق کو عرّادہ کہتے تھے - منہاج السراج نے [۱] تاریخ آل چنگیز میں لکھا ہے کہ جب چنگیز خاں نے مغل قبیلوں کے سردار التون خاں ترک والئی طمغاج پر حملہ کیا اور اسے شکست دے کر اس کے مقبوضات پر یعنی ولایت تغر ' تبت اور طمغاج پر قبضہ کرلیا تو طمغاج پر جو التون خاں کا پایہ تخت تھا منجنیقیں لگا دیں - جو چار سال تک لگی رهیں - اور ان منجنیقوں کے ذریعے شہر پر برابر پتھر اور اینٹوں کی بارش ہوتی رہی - جب اینٹیں ختم ہوگئیں اور پتھر بھی نہ رہے تو پھر لوہا اور تانبا وغیرہ منجنیقوں میں بھر کر پھینکنے لگے -

اصل عبارت یہ ہے : " و چنگیز خاں بر ولایت تغر و تبت و طمغاج استیلا یافت و بہ در شہر طمغاج و دارالملک التون خان آمد و مدت چہار سال بر در شہر بود - منجنیق نہادند و بینداختند - چوں سنگ و خشت وغیر آں کم شدہ پس هرچہ آہن و روی و مس و سرب و ارزیر بود همہ در منجنیق بینداختند - پس بالش زر و نقرہ بعوض سنگ در منجنیق می گذاشتند و بیروں می انداختند " -

تاریخ آل چنگیز (صفحہ ۱۰۰) سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعہ هجری سنہ ۶۰۲ اور عیسوی سنہ ۱۲۰۵ اور هجری سنہ ۶۱۷ اور عیسوی سنہ ۱۲۲۰ کے درمیان ہوا -

تاریخ فیروز شاہی سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانے تیر ' تیغ ' ناچخ ' سنگ مغربی ' ساباط ' پاشیب اور گرگچ کا بھی استعمال تھا - ناچخ ایک قسم کا چھوٹا نیزہ ہوتا تھا - سنگ مغربی سے مراد غالباً وہ گول گول اور چھوٹے چھوٹے پتھر ہیں جو منجنیق کے ذریعے پھینکے جاتے تھے - ساباط اس سرنگ کا نام ہے جو شاہی کیمپ سے دشمن کے قلعے تک یا ایک مقام سے دوسرے مقام تک قلعے کو فتح کرنے کی غرض سے کھودی جاتی تھی - ساباط اس چھوترے کو بھی کہتے تھے جو قلعے کی دو بڑی دیواروں کے درمیان بنایا جاتا تھا اور جس کے نیچے زمین دوز راستے ہوتے تھے - گرگچ اُس گڑھی کو کہتے تھے جو قلعے کے سامنے جنگ کی تیاری کے واسطے اور تحفظ کی غرض سے

---

[۱]—اس کتاب کا پورا نام یہ ہے کتاب ساست لامصارفي تجربۃالامصار در تاریخ آل چنگیز ' مصنفہ قاضی القضات منہاج الدین بن سراج الدین جوزجانی - اِس میں فاضل مصنف نے چنگیز خاں اور اس کے جانشینوں کا حال لکھا ہے -

بنائی جاتی تھی - قلعوں پر چڑھنے کے لئے جو زینے بنائے جاتے تھے یا اُن پر سے اترنے کے لئے جو ڈھال بنائے جاتے تھے اُن کو پاشیب کہتے تھے -

پدماوت [۱] میں سانگ (सांग) اور ترشول کا بھی ذکر آیا ہے - سانگ ایک قسم کا بھالا ہوتا ہے اور ترشول ترپھلا -

ڈاک کا انتظام

مسالک‌الابصار کے مصنف نے سراج‌الدین ابو صفا عمر شبلی کی زبانی لکھا ہے کہ سلطان محمد کو اپنی قلمرو کے حالات اور اخبار معلوم کرنے کی دھن لگی رہتی ہے - اور اپنی ہی سلطنت پر بس نہیں - اُسے تو آس پاس کی سلطنتوں کے حالات کی بھی تلاش رہتی ہے - بلکہ وہ ہر سلطنت کے ملکی ' مالی ' اور فوجی حالات دریافت کرتا رہتا ہے -

اس بادشاہ نے اپنی سلطنت میں ڈاک کا انتظام یوں کیا ہے کہ ہر طرف پیادے مقرر کردیئے ہیں - پیادے چھوٹے بڑے درجوں کے ہیں - بعض چھاونیوں میں رہتے ہیں اور بعض شہروں میں - جب کسی پیادے کو نئی خبر معلوم ہوتی ہے ' جس کا بادشاہ تک پہونچانا ضروری ہوتا ہے تو وہ اپنے بڑے افسر تک پہونچا دیتا ہے اور وہ بڑا افسر اپنے سے بڑے کو پہونچا دیتا ہے - اس طرح سلسلے وار وہ خبر بادشاہ تک پہونچ جاتی ہے - ڈاک کا یہ انتظام قریب قریب کے شہروں اور گرد و نواح کی بستیوں کے لئے ہے -

دور دراز کے ملکوں کی ڈاک کا یہ انتظام ہے کہ دارالخلافہ دہلی سے لے کر مختلف صوبوں کے قلعوں تک تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ڈاک خانے بنے ہوئے ہیں - یہ ڈاک خانے ایسے ہی ہیں جیسے کہ مصر و شام کے ڈاک گھر - فرق یہ ہے کہ مصر اور شام کے ڈاک گھر ذرا دور دور بنے ہوئے ہیں اور یہاں پاس پاس ہیں - یہاں تو ایک ڈاک خانے سے دوسرے ڈاک خانے کا فاصلہ آدھ میل ہوگا یا اس سے بھی کم - ہر ڈاک خانے میں دس دوڑنے والے ڈاکیئے مقرر رہتے ہیں - مقررہ وقتوں پر چپراسی ڈاک کے پلندے پوسٹ ماسٹر کے سامنے رکھ دیتا ہے - پوسٹ ماسٹر ان کو کھلوا کر ڈاکیوں پر تقسیم کر دیتا ہے - ڈاکیہ ڈاک لیتے ہی اپنے مقام سے دوڑتا ہے اور دوسرے ڈاک خانے تک

---

[۱]—" پدماوت " ہندی کی اس کتاب کا نام ہے جو سنہ ۱۵۴۰ع میں ملک محمد جائسی نے لکھی تھی - اس میں پدمنی کا اور سلطان علاالدین خلجی کا حال ہے -

پہونچا دیتا ھے - اسی طرح سے ڈاک دور سے دور شہروں میں جلد سے جلد پہونچ جاتی ھے - ڈاکیہ ڈاک کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہونچا دیتا ھے تو فوراً اپنی جگہ واپس آجاتا ھے - یہ پیادوں کی ڈاک ھے - جو گھوڑوں اور سانڈنیوں کی ڈاک کو مات کرتی ھے اور ان دونوں سے کہیں جلدی پہونچتی ھے -

راوی کہتا ھے کہ ہر ڈاک خانے کے اِردگرد اچھی خاصی بستی بسی ہوئی ھے - ہر بستی میں مسجد بھی ہوتی ھے جس میں پانچوں وقت جماعت سے نماز پڑھی جاتی ھے - مسافروں کے ٹھہرنے کے لیئے مسجد میں حجرے بنے ہوئے ہیں ' ہر بستی میں پانی سے بھرے ہوئے پکے تالاب بھی ہیں اور بازار بھی - بازار میں کھانے پینے کی سب چیزیں ملتی ہیں اور جانوروں کے لئے ہر قسم کا چارا بھی موجود رہتا ھے - ان بستیوں سے مسافر کو بڑا آرام ملتا ھے - ان کی بدولت نہ اسے اپنے ساتھ کھانے پینے کی چیزیں لے جانے کی ضرورت پڑتی ھے اور نہ خیمہ ڈیرہ ڈھونے کی -

ابوصفا عمر شبلی نے کہا کہ سلطان محمد کی انتظامی سر گرمیوں میں سے ایک یہ بات بھی ھے کہ اُس نے اپنی قلمرو میں ہر جگہ خبر پہونچانے کی غرض سے ڈاکخانوں کے علاوہ نوبت خانوں کا سلسلہ قائم کر رکھا ھے - جو ایک طرف تو دارالخلافہ دہلی پر ختم ہوتا ھے اور دوسری طرف دارالخلافہ دولت آباد پر - بادشاہ کی سلطنت کے دارالخلافے یہی دوبڑے شہر ہیں - انہی دونوں شہروں کو ہندوستان بھر کے نوبت خانوں کا مرکز سمجھنا چاہئے - ان نوبت خانوں کی بدولت شہر شہر کے حالات اور واقعات کی اطلاع بادشاہ کو ہوتی رہتی ھے خواہ بادشاہ ملک کے کسی حصے میں کیوں نہ ہو - خبر ھے کہ ان نوبت خانوں کے ذریعے ہر شہر کے دروازوں کے کھلنے اور بند ہونے تک کی اطلاع بادشاہ کو مل جاتی ھے - جب کسی نوبت خانے کے قریب کوئی واقعہ ہو جاتا ھے تو اُس میں نوبت بجتی ھے ' اور اُس نوبت کی آواز پر چاروں طرف کے نوبت خانوں میں سلسلے وار نوبت بجتی چلی جاتی ھے -

ابن بطوطہ نے ڈاک کا مختصر سا حال لکھا ھے مگر جو کچھ لکھا ھے اس سے مسالک‌الابصار کی تائید ہوتی ھے - اس کو ڈاک چوکی کے اور خبررسانی کے انتظام ایسے دلچسپ معلوم ہوے اور اتنے اہم نظر آئے کہ اُس نے سفر نامے

کے شروع ہی میں اس کا ذکر کردیا - اس کا بیان ہے کہ " سیوستان سے ملتان تک دس دن کا راستہ ہے اور ملتان سے دارالخلافہ دہلی تک پچاس دن کا - جو خبر اخبار نویس بادشاہ کو لکھتے ہیں وہ اس کے پاس ڈاک کے ذریعے پانچ دن میں پہونچ جاتی ہے - ڈاک دو قسم کی ہے - ایک گھوڑے کی دوسری پیادوں کی - گھوڑے کی ڈاک کو اولاق کہتے ہیں - ہر چار کوس کے بعد گھوڑا بدلا جاتا ہے - یہ گھوڑے سرکاری ہوتے ہیں -

پیدلوں کی ڈاک کا انتظام یہ ہے کہ ایک میل میں تین چوکیاں ہرکاروں کی ہوتی ہیں - چوکی کو داوہ کہتے ہیں - ہر تہائی میل کے فاصلے پر ایک گاؤں آباد ہوتا ہے - گاؤں کے باہر ہرکاروں کے لئے برجیاں بنی ہوئی ہوتی ہیں - ہر ایک برجی میں ہرکارے کمر کسے بیٹھے رہتے ہیں - ہر ایک ہرکارے کے پاس دو گز لمبی چھڑی ہوتی ہے - جس کے سرے پر تانبے کے گھنگرو بندھے ہوئے ہوتے ہیں - جب شہر سے ڈاک چلتی ہے تو ہرکارہ ایک ہاتھ میں ڈاک کا تھیلا پکڑ لیتا ہے - دوسرے ہاتھ میں چھڑی لے لیتا ہے اور پوری طاقت سے دوڑتا ہے - قریب کی برجی والا ہرکارہ گھنگروؤں کی آواز سن کر تیار ہوجاتا ہے اور اس سے ڈاک کا تھیلا لےکر فوراً دوڑنے لگتا ہے - اس طرح ڈاک دوردور پہونچ جاتی ہے - یہ ڈاک گھوڑوں کی ڈاک سے بھی جلدی جاتی ہے - کبھی کبھی اس ڈاک کے ذریعے خراسان کے تازہ میوے بھی بادشاہ کے لئے تھالیوں میں پہونچائے جاتے ہیں - اور کبھی کبھی کسی سنگین مجرم کو بھی چارپائی پر اُٹھا کر ایک مقام سے دوسرے مقام تک اسی طرح پہونچا دیا جاتا ہے - جب میں دولت‌آباد میں تھا تو بادشاہ کے لئے گنگا جل اسی ڈاک کے ذریعے پہونچایا جاتا تھا - دولت‌آباد دریائے گنگا سے چالیس دن کے فاصلے پر ہے -

مخبری کا محکمہ

مسالک‌الابصار سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلطان محمد بن تغلق کی سلطنت میں مخبری کا ایک علیحدہ محکمہ قائم تھا جس کا تعلّق خاص بادشاہ سے تھا - اس محکمے میں بہت سے کارکن ' اخبار نویس اور جاسوس کام کیا کرتے تھے - یہ سب ملک کے مختلف حصوں میں تعینات کئے جاتے تھے - ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ اخبار نویس ہر مسافر کا مفصل حال لکھتے ہیں - اس کی صورت کیسی ہے؟ لباس کیسا ہے؟ خادم کتنے ہیں؟ - ہمراہی کتنے ہیں؟ ' اور اس کے ساتھ جانور کس قدر ہیں؟ ' اور اس کی عادتیں کیسی ہیں؟ غرض کوئی بات باقی نہیں چھوڑتے -

ہر چھوٹے بڑے امیر کے پاس بادشاہ کا ایک غلام رہتا ہے جو اُس امیر کی ذرا ذرا سی بات بادشاہ تک پہونچاتا رہتا ہے - اسی طرح ہر امیر کے گھر میں کچھ لونڈیاں رہتی ہیں جو امیر کے سب واقعات بھنگنوں سے کہدیتی ہیں اور بھنگنیں اس قسم کی خبریں مخبروں کے افسر کو پہونچا دیتی ہیں...... -

سڑکیں

سفر نامے سے ظاہر ہے کہ سلطان محمد کے زمانے میں بڑی بڑی اور پکی سڑکیں تھیں، بلکہ اس سے پہلے بھی موجود تھیں - وہ لکھتا ہے کہ " دھلی سے دولت آباد چالیس منزل ہے، اور راستوں پر دونوں طرف بید مجنوں کے اور قسم قسم کے درخت لگے ہوئے ہیں - چلنے والے کو معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ باغ کے درمیان چلا جاتا ہے - ایک ایک کوس میں تین تین چوکیاں ڈاک کے ھرکاروں کی ہیں - ہر چوکی پر ضرورت کی سب چیزیں ملتی ہیں - مسافر کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ برابر بازار میں سے چلا جا رہا ہے - اسی طرح یہ سڑک تلنگانے اور معبر تک چلی گئی ہے - تلنگانے سے دھلی تک چھہ مہینے کی راہ ہے - ہر ہر منزل پر بادشاہی محل ہے اور مسافروں کے لئے سرائے ہے -

سکے اور نرخ

چودھویں صدی کے سیاح شیخ مبارک کا بیان ہے کہ ہندوستان میں سب سے بڑے دو سکے ہیں - لکّ حمرا اور لکِ ابیض - سنہری سکہ لک حمرا کہلاتا ہے جو سو ہزار سنہری تنکوں کے برابر ہوتا ہے اور روپہلی سکہ جو لک ابیض کہلاتا ہے چاندی کے سو ہزار تنکوں کے برابر ہوتا ہے - سنہری تنکا وزن میں ساڑھے تیرا (۱۳) ماشے ہوتا ہے اور روپہلی تنکہ آٹھ ہشتگانیوں کے برابر ہوتا ہے - ہشتگانی کا سکہ چار سلطانیوں کے برابر ہوتا ہے - سلطانی کو دوگانی بھی کہتے ہیں - سلطانی یا دوگانی ششگانی کی تہائی کے برابر ہوتا ہے - ششگانی ہندوستان کے چاندی کے سکوں میں سے تیسری قسم کا سکہ ہے جو ہشتگانی کی تین چوتھائی کے برابر ہوتا ہے - یکانی بھی ایک سکہ ہے جو سلطانی یا دوگانی کا آدھا ہوتا ہے - اور جو قیمت میں ایک جیتل کے برابر ہوتا ہے - دو سکے اور ہیں - ایک دوازدہ گانی اور دوسرا شانزدہ گانی - دوازدہ گانی تین ہشتگانی کے برابر ہوتا ہے اور شانزدہ گانی جو دو ہشتگانیوں کے برابر ہوتا ہے -

غرض ہندوستان میں چاندی سونے کے سکے جو اس وقت رائج ہیں، چھ (۶) قسم کے ہیں - (۱) شانزدہ گانی، (۲) دوازدہ گانی، (۳) ہشتگانی،

(۴) ششکانی ' (۵) سلطانی' اور (۶) یکانی - آخر کے تین سکے ششکانی' سلطانی اور یکانی چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں - یہی تینوں تجارت میں بہت کام آتے ہیں - ان تینوں میں سب سے چھوٹا سکہ سلطانی ہے اور وہی سب سے زیادہ چلتا ہے - سلطانی مصر اور شام کے چوتھائی درہم کے برابر ہوتی ہے - یوں سمجھئے کہ سلطانی آٹھ فلوس کے - جیتل [۱] چار فلوس کے - اور ہشتگانی مصر اور شام کے بتیس فلوس کے برابر ہوتی ہے -

رطل کا پیمانہ جو ہندوستان میں سیر کہلاتا ہے ' وزن میں ستر مثقال یا تین سو پندرہ ' ماشے کے برابر ہوتا ہے - من ہندوستان میں چالیس سیر کا ہوتا ہے - یہاں چیزوں کو ناپ کر دینے کا رواج نہیں ہے - گیہوں یہاں سوا روپے من ملتا ہے - جَو ایک روپے من اور چاول پونے دو روپے من - چاول کی بڑھیا قسموں کے بھاؤ اس سے بھی زیادہ ہیں - چنا آٹھ آنے من ہے - اور گائے کا اور بکری کا گوشت ایک سلطانی کا (یعنی دو آنے کا) چھ سیر ملتا ہے - اور دونوں قسم کے گوشت کا ایک ہی بھاؤ ہے - بھیڑ کا گوشت ایک سلطانی کا (یعنی دو آنے کا) چار سیر ملتا ہے - ایک مرغابی ایک ہشتگانی کی (آٹھ آنے کی) ملتی ہے - اور مصری ایک شانزدہ گانی کی (یعنی ایک روپے کی) چار سیر آتی ہے - اعلیٰ قسم کی موٹی بھیڑ ایک نقری تنکے میں آتی ہے - نقری تنکہ آٹھ ہشتگانیوں کے برابر [۲] ہوتا ہے - ایک اچھا بیل بعض وقت دو تنکوں کا ملتا ہے اور بعض وقت اس سے بھی کم میں - بھینسوں کی بھی ایسی ہی قیمت ہے -

سچے عالم اور عامل

سفر نامے میں لکھا ہے کہ زندہ علما میں سے شیخ مقصود کَبّا ہیں - یہ بڑے بزرگ ہیں - کہا جاتا ہے کہ ان کو دست غیب ہے - اس لئے کہ وہ خرچ بہت کرتے ہیں - اگرچہ

---

[۱]—جیتل چار پیسے کا ہوتا تھا - جیتل اور یکانی کے دونوں سکے قیمت میں برابر ہوتے تھے -

[۲]—تنکے دو طرح کے تھے - ایک طلائی دوسرا نقرئی - طلائی یعنی سنہری تنکہ ساڑھے گیارہ ماشے کا ہوتا تھا روپہلی تنکے کی آٹھ ہشتگانیاں آتی تھیں - ایک ہشتگانی مصر اور شام کے درہم کے برابر ہوتی تھی - اور ایک ہشتگانی کی چار سلطانیاں آتی تھیں - ایک سلطانی کے دو جیتل اور ایک جیتل کے چار پیسے آتے تھے -

ظاہر میں ان کی آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں - ہر مسافر کو کھانا کھلاتے ہیں اور مستحقوں اور محتاجوں کو روپے دیتے ہیں ' اشرفیاں دیتے ہیں اور بنے بنائے کپڑے دیتے ہیں - اُن سے بہت سی کرامتیں ظاہر ہوتی رہتی ہیں - میں نے کئی مرتبہ اُن کی زیارت کی اور اُن سے فیض حاصل کیا -

شیخ علاءالدین نیلی ایک اور عالم ہیں - یہ شیخ نظام‌الدین بدایونی کے جانشین ہیں - ہر جمعہ کو وعظ کہتے ہیں - بڑا مجمع ہوتا ہے - بہتیرے ان کے مرید ہوجاتے ہیں - ایک دفعہ شیخ علاءالدین وعظ کہہ رہے تھے اور قاری قرآن شریف کی آیتیں پڑھتا جاتا تھا - جب اس نے یہ آیت پڑھی "اے لوگو! خدا سے ڈرو - قیامت کا واقعہ بڑا سخت ہوگا - جان‌کاہ ہوگا - اُس دن ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پلائے ہوئے بچے کو بھول جائےگی اور ہر حاملہ کا حمل وضع ہو جائےگا اور آدمیوں کے ہوش حواس گم ہوجائیں گے - ایسا معلوم ہوگا کہ گویا وہ نشے میں ہیں - مگر وہ نشے وشے میں نہ ہوں‌گے - ان کی یہ حالت عذاب خدا کے خوف سے ہوگی" [۱] شیخ علاءالدین نیلی نے اسی آیت کو دو بارہ پڑھوایا - ایک فقیر نے جو مسجد کے گوشے میں بیٹھا ہوا تھا چیخ ماری - شیخ نے اس آیت کو پھر پڑھوایا - فقیر نے ایک اور چیخ ماری - اور مرگیا - اُس وقت میں بھی مسجد میں موجود تھا - یہ واقعہ میری آنکھوں کے سامنے ہوا - میں نے بھی اُس فقیر کے جنازے کی نماز پڑھی -

شیخ صدرالدین ایک اور عالم ہیں جو دن میں ہمیشہ روزہ رکھتے ہیں اور رات کو نمازیں پڑھا کرتے ہیں - دنیا کو انہوں نے بالکل ترک کردیا ہے - لباس اُن کا فقط ایک کمبل ہے - بہت سے امیر اُن کے پاس آتے ہیں - سلطان محمد خود اُن کی زیارت کے لئے آتا ہے - مگر شیخ صدرالدین سلطان سے اور اس کے اُمرا سے چھپتے پھرتے ہیں - ایک دفعہ سلطان محمد نے اُن سے درخواست کی کہ لنگر کے خرچ کے واسطے کچھ زمین یا گاؤں قبول کرلیجئے - مگر شیخ صدرالدین نے منظور نہ کیا - سلطان پھر ان کی زیارت کے لئے آیا تو دس ہزار دینار ان کی نذر کئے - شیخ نے وہ بھی قبول نہ کئے -

---

[۱]—یا ایہاالناس اتقو ربکم ان زلزلة ساعة شی عظیم - یوم ترونها تزھل کل مرضعة عمّاارضعت و تضع کل ذات حمل حملها و تری الناس سکاری وما هم بسکاری - ولکن عذاب اللہ شدید -
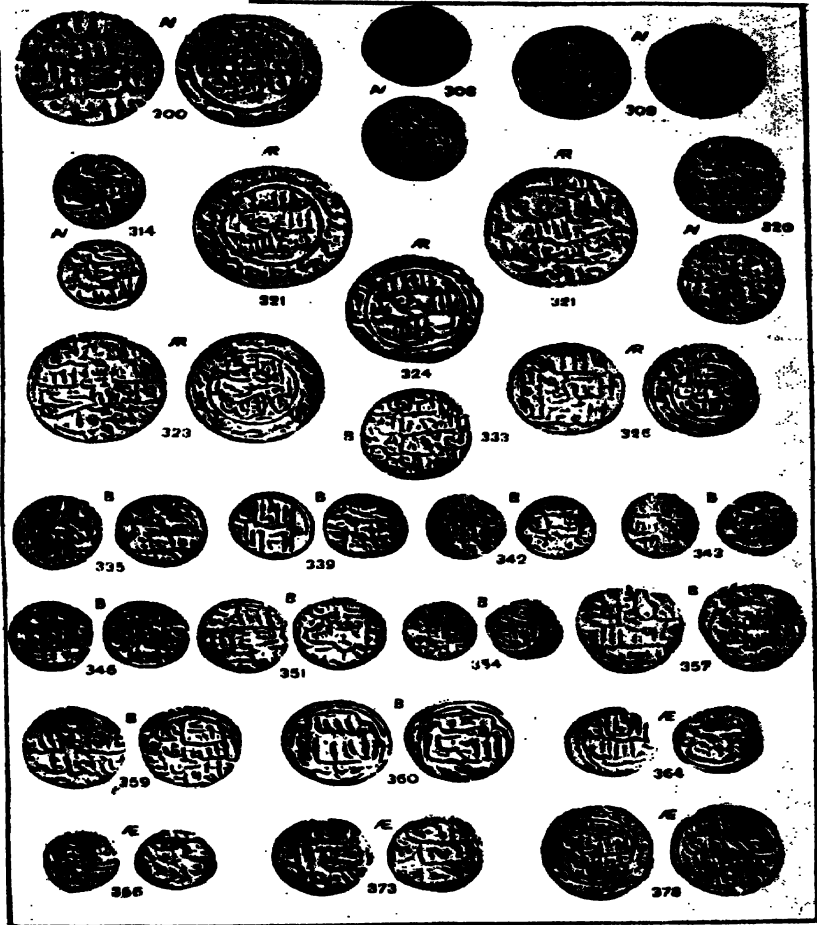
سلطان محمود بن تغلق کے سکّے

شیخ صدرالدین تین تین دن کا روزہ رکھتے ہیں - تین دن سے پہلے کبھی افطار نہیں کرتے - کسی نے پوچھا کہ اس کا کیا سبب ہے ؟ فرمایا کہ "جب تک میں بیتاب نہیں ہو جاتا اُس وقت تک روزہ نہیں کھولتا - ایسی حالت میں مردار بھی حلال ہو جاتا ہے" -

شیخ کمال‌الدین عبداللہ غازی ایک اور عالم ہیں ' جو شیخ نظام‌الدین اولیا کی خانقاہ کے پاس ایک غار میں رہتے ہیں - میں نے تین مرتبہ اُس غار میں جاکر اُن کی زیارت کی - ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میرا ایک غلام بھاگ گیا - کچھ عرصے بعد میں نے اس کو ایک ترک کے پاس جا پایا اور اسے واپس لے جانا چاہا - شیخ کمال‌الدین نے منع کیا اور کہا کہ "یہ شخص تمہارے لائق نہیں ہے - اب اس کا خیال چھوڑ دو" - میں نے اس ترک سے سو دینار لے کر غلام کو اُسی کے حوالے کردیا - چھ مہینے بعد میں نے سنا کہ اُس غلام نے اپنے آقا کو قتل کردیا - پولیس نے اسے گرفتار کرلیا - بادشاہ کے سامنے اُس کی پیشی ہوئی - اور اسے مقتول کے وارثوں کے حوالے کردیا گیا - انہوں نے اس کو مار ڈالا - یہ کرامت دیکھ کر میں شیخ کمال‌الدین کا معتقد ہوگیا" -

پانچ دوروں میں پانچ قسم کے سکے

پہلا دور

عیسوی سنہ ۱۳۲۵ (ہجری سنہ ۷۲۵) سے عیسوی سنہ ۱۳۲۷ (ہجری سنہ ۷۲۷) تک اس دور میں جو سنہری تنکے دھلی کی ٹکسال سے نکل کر رائج ہوئے اُن کا نمونہ ہمارے سکوں کی عکسی تصویر میں ملاحظہ فرمائیے جو صفحہ ۲۴۴-الف پر موجود ہے -

سکہ نمبر ۳۲۳ کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر ایک طرف " اشهدان لااله الاالله واشهدان محمداعبده ورسوله " لکھا ہے اور دوسری طرف بیچ میں " الواثق تبائید الرحمن محمد شاہ سلطان " اور اسی طرف حاشیہ پر یہ عبارت لکھی ہے " ضرب هذ الدینار بحضرة دهلی سنه سبع و عشرین و سبعمائة " - یعنی یہ سکہ پایۂ تخت دھلی میں سنہ ۷۲۷ھ میں بنایا گیا -

چاندی کے سکے بھی اس دور میں بنے - مثال کے طور پر اس عدلی یا عادلی کا حوالہ دیا جا سکتا ہے جو ایک چاندی کا سکّہ تھا اور اُس پر وھی عبارت لکھی ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا - اس سکّہ کی تصویر ایڈورڈ طامس کی کتاب The Chronicles of the Pathan Kings of Delhi کے صفحہ ۲۱۳ پر موجود ہے جس کا نمبر اسی کتاب میں ۱۸۰ ہے - اس قسم کے سکے سنہ ۷۲۵ھ اور ۷۲۶ھ میں جاری ہوئے تھے -

دوسرا دور

سنہ ۱۳۲۷ عیسوی (سنہ ۷۲۷ ہجری) سے سنہ ۱۳۲۹ عیسوی (سنہ ۷۲۹ ہجری) تک اس دور میں جو سنہری تنکے چلے اُن میں سے ایک کی تصویر ایڈورڈ طامس کی کتاب میں (جس کا هم ابھی حوالہ دے چکے ہیں) نمبر ۱۷۷ پر بھی موجود ہے - جس کے ایک جانب "محمد رسول خاتم النبیّن" اور دوسری

جانب "محمد بن تغلق شاہ" لکھا ہے اس زمانہ میں جو چاندی کا سکہ نصفی کے نام سے جاری ہوا اس کا ذکر مذکورہ کتاب میں صفحہ ۲۵۲ پر موجود ہے -

اس کے علاوہ چاندی کے جو سکے اس زمانہ میں چلے اُن کا نمونہ سکوں کی عکسی تصویر کے نقشے میں نمبر ۳۳۹ پر ملاحظہ فرمائیے جس کے ایک "طرف سلطان عادل" اور دوسری طرف "محمد بن تغلق شاہ" لکھا ہے -

تیسرا دور

عیسوی سنہ ۱۳۲۹ (ھجری سنہ ۷۳۰) سے عیسوی سنہ ۱۳۳۱ (ھجری سنہ ۷۳۲) تک اس دور میں جو پیتل یا تانبے کے سکے رائج ہوئے ان کا نمونہ ہماری کتاب کے عکسی نقشہ میں نمبر ۳۷۸ پر موجود ہے - ایڈورڈ طامس کی کتاب میں صفحہ ۲۴۹ نمبر ۱۹۵ پر اسی سکہ کا حوالہ دیا گیا ہے - اس کی ایک جانب حدیث سے ملتا جلتا یہ مضمون لکھا ہے " من اطاع السلطان فقد اطاع الرحمن " جس کے معنی یہ ہیں کہ جس شخص نے بادشاہ کی اطاعت کی اس نے گویا خدا کی اطاعت کی - سکہ کی دوسری جانب یہ عبارت لکھی ہے - " مہر شد تنکہ رائج در روزگار بندۂ اُمیدوار محمد تغلق " یہ تنکہ محمد بن تغلق کے عہد میں جاری ہوا جو اللہ کا بندہ ہے اور اس کے فضل کا اُمیدوار ہے حاشیہ پر لکھا ہے " در تختگاہ دولت‌آباد سال بر ھفصدسی " یعنی یہ سکہ پایۂ تخت دولت‌آباد کی ٹکسال میں سنہ ۷۳۰ھ میں بنایا گیا - ایسے ہی سکے سنہ ۷۳۰ھ سے لے کر سنہ ۷۳۲ھ تک پایۂ تخت دہلی سے بھی جاری ہوئے - جن کا ذکر ایڈورڈ طامس نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۱۵ پر کیا ہے -

اس دور میں ایڈورڈ طامس نے ایک اور سکہ کا ذکر کیا ہے جس کا نام پنجاہ گانی ہے دیکھو صفحہ ۲۴۹ نمبر ۱۹۶ - اُس پنجاہ گانی کی ایک جانب لکھا ہے " مہر شد تنکہ پنجاہ گانی در روزگار بندۂ اُمیدوار محمد تغلق " یعنی پنجاہ گانی تنکہ محمد بن تغلق کے عہد میں جاری ہوا جو خدا کا بندہ ہے اور اس کے فضل کا امیدوار ہے - دوسری جانب وہی عبارت لکھی ہے جو حدیث سے ملتی جلتی ہے یعنی " جس نے بادشاہ کی اطاعت کی اس نے گویا خدا کا حکم مانا " اسی کے حاشیہ پر لکھا ہے " در تختگاہ دولت‌آباد بر سی یک " یعنی پایۂ تخت دولت‌آباد سے سنہ ۷۳۱ھ میں جاری ہوا -

یہ بات ظاہر ہے کہ جو سکے دھلی کی ٹکسال سے نکلے ھیں وہ دولت آباد کی ٹکسال میں بھی بنائے گئے اور جو سکے دولت آباد میں بنے وہ دھلی میں بھی بنائے گئے - (ملاحظہ ہو کتاب ایڈورڈ طامس صفحہ ۲۴۹) -

---

چوتھا دور

عیسوی سنہ ۱۳۳۲ (ھجری سنہ ۷۳۳) سے عیسوی سنہ ۱۳۴۳ (ھجری سنہ ۷۴۴) تک جو سنہری سکے اُن گیارہ سال میں جاری ہوئے اِن کا نمونہ عکسی نقشے میں نمبر ۳۲۶ پر دیکھئے جس پر ایک طرف لکھا ہے " فی عہد محمد بن تغلق " یعنی محمد بن تغلق کے عہد میں اور دوسری طرف قرآن شریف کی یہ آیت لکھی ہے " واللہ‌الغنی و انتم‌الفقراء " یعنی اللہ غنی ہے اور تم سب محتاج ہو - حاشیہ پر یہ عبارت درج ہے " بہ حضرت دھلی سنہ ست و ثلثین و سبعمائۃ " یعنی پایۂ تخت دھلی سے سنہ ۷۳۶ھ میں جاری ہوا -

اسی دور کے اگر اور سکے دیکھنے ہوں تو عکسی تصویریں نمبر ۳۰۰ کو دیکھئے - اس پر ایک طرف لکھا ہے " ضرب‌فی زمن العبدالراجی رحمۃاللہ محمد بن " اور دوسری طرف درج ہے " السلطان الشہید تغلق شاہ سنۃ‌تسع و ثلثین و سبعمائۃ " یعنی بندۂ امیدوار ؛ بادشاہ محمد بن تغلق شاہ کے زمانہ سنہ ۷۳۹ھ میں یہ سکہ بنایا گیا ہے -

پانچواں دور

سنہ ۱۳۴۳ عیسوی (سنہ ۷۴۴ ھجری) سے شروع ہو کر سنہ ۱۳۵۱ عیسوی (سنہ ۷۵۲ ھجری) میں ختم ہوا اس آٹھ سال کے عرصہ میں سونے کے نئے سکّے بھی بنے اور چاندی اور تانبے کے بھی جن کا ذکر ایڈورڈ طامس کی کتاب میں صفحہ ۲۵۸ پر موجود ہے اور ھماری عکسی تصویر میں نمبر ۳۱۰-۳۵۹-۳۷۳ اور ۳۶۶ پر ان میں سے بعض کا حوالہ ہے - اس دور میں بہت سے سکے خلیفہ کے نام کے بھی ملتے ھیں - عکسی تصویر نمبر ۳۱۰ پر ایک جانب یہ عبارت لکھی ہے " ابوالعباس احمد " دوسری جانب " الحاکم با مراللہ سنہ ۷۴۸ھ " اس کا حوالہ ایڈورڈ طامس کی کتاب کے صفحہ ۲۶۰ نمبر ۲۱۸ پر موجود ہے

یہ سکہ تانبے کا ہے اور سنہ ۷۴۷-۷۴۸-۷۴۹-۷۵۰ اور ۷۵۱ ھجری کے آخر تک کا ملتا ہے - ہمارے اس بیان کی تائید ایڈورڈ طامس کی کتاب صفحہ ۲۶۰ سے ہوتی ہے -

یہاں یہ بات قابل بیان ہے کہ خلیفہ کے نام کے سکے بادشاہ نے خلیفہ کا فرمان پہونچنے سے پہلے ہی دہلی میں جاری کر دئے تھے ھجری ۷۴۱-۷۴۲ اور ۷۴۳ کے سکے موجود ہیں جن پر بجائے بادشاہ کے نام کے خلیفہ کا نام '' المستکفی باللہ '' درج ہے دیکھو کتاب ایڈورڈ طامس صفحہ ۲۵۷ - اس کے بعد کے سکے مستکفی باللہ کے بیٹے اور جانشین الحاکم با مراللہ ابوالعباس احمد کے نام کے ہیں جس کا حوالہ ہم اوپر دے چکے ہیں -

ہندستانی اکیڈیمی (صوبہ متحدہ) الہ آباد

کے مطبوعات

۱—از منۂ وسطیٰ میں ہندستان کے معاشرتی اور اقتصادی حالات - از علامہ عبداللہ بن یوسف علی، ایم - اے، - ایل ایل - ایم - سی، بی - اے - مجلد ۱ روپیہ ۴ آنہ - غیر مجلد ۱ روپیہ -

۲—اُردو سروے رپورٹ—از مولوی سید محمد ضامن علی صاحب ایم - اے - ۱ روپیہ -

۳—عرب و ہند کے تعلقات - از مولانا سید سلیمان، ندوی - روپیہ ۴

۴—ناتن (جرمن ڈرامہ) مترجمۂ مولانا محمد نعیم الرحمان صاحب - ایم - اے، ایم - آر، اے - ایس - ۲ روپیہ ۸ آنہ -

۵—فریب عمل (ڈراما) مترجمۂ بابو جگت موہن لال صاحب، رواں - ۲ روپیہ -

۶—کبیر صاحب - مرتبۂ پنڈت منوہر لال زتشی - ۲ روپیہ -

۷—قرون وسطیٰ کا ہندستانی تمدن - از رائے بہادر مہا مہو اُپادھیا پنڈت گوری شنکر ہیرا چند اوجھا، مترجمۂ منشی پریم چند - قیمت ۴ روپیہ -

۸—ہندی شاعری - از ڈاکٹر اعظم کریوی - قیمت ۲ روپیہ -

۹—ترقی زراعت - از خانصاحب مولوی محمد عبدالقیوم صاحب، ڈپٹی ڈائرکٹر زراعت - قیمت ۴ روپیہ -

۱۰—عالم حیوانی - از بابو برجیش بہادر، بی - اے، ایل ایل - بی - ۶ روپیہ ۸ آنہ -

۱۱—معاشیات پر لکچر - از ڈاکٹر ذاکر حسین، ایم - اے، پی ایچ - ڈی - مجلد ۱ روپیہ ۸ آنہ غیر مجلد ۱ روپیہ -

۱۲—فلسفۂ نفس - از سید ضامن حسین نقوی - قیمت مجلد ۱ روپیہ ۸ آنہ غیر مجلد ۱ روپیہ -

۱۳—مہاراجہ رنجیت سنگھ - از پروفیسر سیتا رام کوہلی، ایم - اے - قیمت مجلد ۴ روپیہ ۸ آنہ غیر مجلد ۴ روپیہ -

۱۴—جواہر سخن - جلد اول - مرتبہ مولانا کیفی چریا کوٹی - قیمت مجلد ۵ روپیہ غیر مجلد ۴ روپیہ ۸ آنہ -

۱۵—علم باغبانی - از مسٹر وصی اللہ خاں - ایل - اے - جی - قیمت مجلد ۶ روپیہ ۸ آنہ غیر مجلد ۶ روپیہ -

۱۶—انقلاب روس - از کشن پرشاد کول - ممبر سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی لکھنؤ - قیمت مجلد ۳ روپیہ غیر مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ -

۱۷—چند دکھنی پہیلیاں - از محمد نعیم الرحمان، ایم - اے ، استاد عربی و فارسی ، الہ آباد یونیورسٹی - قیمت ۱ روپیہ ۴ آنہ -

۱۸—تاریخ فلسفۂ سیاسیات - از محمد مجیب ، بی - اے (اکسن) جامعہ ملیہ اسلامیہ - دہلی - قیمت مجلد ۴ روپیہ ۸ آنہ غیر مجلد ۴ روپیہ -

۱۹—انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ - از علامہ عبداللہ یوسف علی صاحب - قیمت مجلد ۴ روپیہ غیر مجلد ۳ روپیہ ۸ آنہ -

۲۰—فلسفۂ جمال - از ریاض الحسن - ایم - اے - قیمت ۱ روپیہ -

۲۱—دیوان بیدار - از جلیل احمد قدوائی - ام - اے - قیمت مجلد ۲ روپیہ غیر مجلد ۱ روپیہ ۸ آنہ -

۲۲—نفسیات فاسدہ - از محمد ولی الرحمان، ایم - اے - قیمت مجلد ۸ روپیہ ۸ آنہ غیر مجلد ۸ روپیہ -

سول ایجنٹ کتابستان ، الہ آباد -

پرنٹر—قلم اصغر، سٹی پریس، الہ آباد - پبلشر—ڈاکٹر تارا چند، ہندستانی اکیڈیمی - الہ آباد -